وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ (سورۃ التوبہ:۷۱)

''مومن مرد اور مومن عورتیں، یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔''

عورت: حلیف یا حریف

پروفیسر (ر) ڈاکٹر محمد آفتاب خان

۲۰۲۲ء

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

کتاب کا نام	عورت: حلیف یا حریف
مصنف	پروفیسر (ر) ڈاکٹر محمد آفتاب خان
ناشر	
مطبع	
طبع اوّل	
تعداد	ایک ہزار
ISBN #	978-627-7615-00-0

انتساب

نوجوان نسل کے نام

جسے تعلیمی اداروں میں دین سے برگشتہ کرنے کی سازش عرصہ دراز سے جاری ہے۔ خدا کرے کہ وہ نسل، علامہ اقبالؒ کے پیغام سے آگاہ ہو کر دین کی سربلندی کے لیے کوشاں ہو۔

مغرب زتو بیگانہ ، مشرق ہمہ افسانہ
وقت است کہ در عالم نقش دگر انگیزی!

(مغرب، الہامی ہدایت سے بیگانہ ہو چکا ہے جبکہ مشرق مذہبی توہمات و رسومات کا شکار ہے۔ امت مسلمہ کے لیے یہ مناسب ترین گھڑی ہے کہ وہ دین کا علم بلند کریں!)

فہرست مضامین

آغاز سخن	7
پیش لفظ عائشہ مسعود	13
اظہار تشکر	17
باب اوّل: تعارف	21
باب دوم: مختلف مذاہب میں عورت کا مرتبہ و مقام	31
باب سوم: اسلام میں عورت کا مقام اور خاندانی نظام	49
باب چہارم: مسلم معاشرے میں شادی/ نکاح	98
باب پنجم: نظریۂ مساواتِ مرد و زن: ایک طائرانہ جائزہ	131
باب ششم: مستشرقین اور مساوات مرد و زن کے اعتراضات اور غلط فہمیاں	196
باب ہفتم: مسلم خواتین اور قرآن کی تعبیر و تشریح	212
باب ہشتم: مسلم خواتین اور دعوۃ	227
باب نہم: تصوف اور روحانیتِ خواتین	283
باب دہم: اقبالؒ اور مسئلہ خواتین	298
باب یازدہم: مغرب میں مساواتِ مرد و زن: کیا کھویا کیا پایا؟	371
اختتامیہ:	385
باب دوازدہم: ضمیمہ جات	396

ضمیمہ الف: حضرت خنساءؓ بنت عمرو 396
ضمیمہ ب: حضرت خولہؓ بنت حکیم 401
ضمیمہ ج: حضرت سعادہؓ بنت کریز 402
ضمیمہ د: حضرت زینبؓ بنت علیؓ 403
ضمیمہ ر: حضرت زینبؓ بنت عوام 414
ضمیمہ ز: حضرت عاتکہؓ بنت زید 415
ضمیمہ س: پنڈورا اور للتھ: یہودی لٹریچر کے دو کردار 418
ضمیمہ ش: فیمنیزم: چند حقائق 422

حوالہ جات:

الف اردو 436
ب انگریزی 439

آغازِ سخن

انگریز، اس برصغیر میں ایک سوداگر کے بھیس میں آیا تاہم اپنی ریشہ دوانیوں اور اس برصغیر میں بسنے والے مسلم حکمرانوں، ہندو/ سکھ راجاؤں وغیرہ کے درمیان نااتفاقی اور اختلافات کے نتیجے میں جلد ہی اس نے مسلم حکمرانوں سے اس مملکت کی باگ ڈور چھین لی۔ چونکہ اس نے حکومت، مسلمانوں سے چھینی تھی، اس لیے اسے ان کی وفاداری پر کبھی بھی یقین نہ آیا اور یہ ایک امر واقعہ بھی تھا کہ مسلمانوں نے بحیثیت مجموعی، اس کے اقتدار کو دل کی گہرائیوں سے قبول بھی نہیں کیا تھا جس پر امت مسلمہ کو کوئی معذرت یا پشیمانی لاحق ہوتی۔ تاہم انگریز نے اس وسیع وعریض خطۂ زمین پر اپنے قبضے کو برقرار رکھنے اور دوام دینے کے لیے اس قسم کے دور رس اقدامات کیے جن کے نتیجے میں امت مسلمہ کے خاندانی نظام کو تلپٹ کرنا مقصود تھا۔ انگریز کے دور حکومت (جس میں ایسٹ انڈیا کمپنی اور تاج برطانیہ کا دور شامل ہیں) میں بے شمار عیسائی مشنریز نے اپنی کوششوں کا آغاز کیا اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے متعدد تعلیمی اور سماجی بھلائی کے اداروں (سکول/کالج/ہسپتال وغیرہ) کا قیام عمل میں آیا......اس ضمن میں لارڈ میکالے نے اس برصغیر میں ایک ایسے تعلیمی نظام کی داغ بیل ڈالی جن کے نتیجے میں بقول سید مودودی ایک ایسی اینگلو انڈین اور اینگلو محمڈن نسل وجود میں آئی جس میں ''انڈین اور محمڈن'' کا تناسب نہ ہونے کے برابر تھا!

1947ء میں قیام پاکستان کے بعد، اس سیکولر لابی نے، عالمی الحادی قوتوں کے تعاون اور گٹھ جوڑ سے اس قسم کی مختلف النوع پالیسیوں کا آغاز کیا جس کے نتیجے میں امت کا خاندانی نظام تباہی کے دہانے پر پہنچ گیا۔ گزشتہ 70/60 سالوں میں اقوام متحدہ کے عالمی ادارے کے تحت متعدد ''اصلاحات'' کا آغاز ہوا جس کے تحت ہزاروں نیم سرکاری اداروں

(NGO's) نے مرد وزن کی مساوات (Feminism Movement) کے نام نہاد نعرے کے بھیس میں وطن عزیز کے دور دراز علاقوں میں متعدد ایسے اقدامات کا آغاز کیا جس کے نتیجے میں خاندانی نظام کی چولیں ہل کر رہ گئی ہیں!

کیمبرج یونیورسٹی کے ایک پروفیسر روبن لیوی (Ruben Levy 1962) نے ان تمام شکوک وشبہات کو جو ماضی بعید میں جرمن اور فرانسیسی مستشرقین نے پھیلائے تھے، اپنی کتاب میں نہایت عمدگی کے ساتھ واضح کیا جس میں اسلام کے خاندانی نظام بالخصوص اللہ کے آخری رسول ﷺ کی عائلی زندگی اور اس سے متعلقہ موضوعات پر اعتراضات کیے گئے ہیں۔ امت مسلمہ کے ''نام نہاد اہل علم'' (مرد اور خواتین) نے نہ صرف ان خیالات کی ترویج واشاعت کا بیڑہ اٹھایا بلکہ اکثر اوقات انہی کے الفاظ بھی استعمال کیے۔ اس قسم کے لوگوں نے نہ صرف پاکستان بلکہ دیگر مسلم ممالک میں یک زبان ہو کر مختلف موضوعات از قسم ہر دو اصناف کی علیحدگی (Segregation of sexes) '' پردہ، نکاح/شادی، تعدد ازواج اور غلامی (بالخصوص باندیوں/لونڈیوں) کے بارے میں مستشرقین کے خیالات کو پھیلانا شروع کیا۔ اس قسم کی کوششوں کو گزشتہ نصف صدی سے زائد عرصہ میں اس قدر تسلسل اور زور شور کے ساتھ عام کیا گیا جس کے نتیجہ میں آج چند مسلمان عورتوں/مردوں نے ''میرا جسم، میری مرضی'' کے نعرے لگانے شروع کئے!

چونکہ امت مسلمہ کا ایک بہت بڑا طبقہ، صحیح دینی تعلیمات سے لاعلم اور بے بہرہ ہے، وہ اس قسم کے پروپیگنڈے کا جلد ہی شکار ہو جاتے ہیں۔ کالج اور یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم نوجوان نسل بھی اس قسم کے خیالات کا بہت اثر قبول کرتی ہے جو اساتذہ کی جانب سے انہیں پڑھائے جاتے ہیں۔ چونکہ طلباء اور (اساتذہ کی بھی ایک اکثریت) خود دینی تعلیمات (قرآن وحدیث اور سیرت ﷺ) سے آگاہ نہیں ہوتے اور انہیں دینی اداروں (محراب ومنبر اور مدرسہ) سے بھی اس قسم کے مسائل پر کوئی راہنمائی نہیں ملتی، اس لیے وہ ان خیالات سے متاثر ہو جاتے ہیں اور ان کی زندگی میں بھی اس کے اثرات دیکھے جاسکتے

ہیں۔ زیر نظر کتاب، دراصل ایسے تمام موضوعات پر نوجوان تعلیم یافتہ نسل اور دیگر لوگوں کی معلومات اور راہ نمائی کے لئے لکھی گئی ہے! یہ کتاب گیارہ ابواب پر مشتمل ہے۔ مغرب میں مرد و زن کی زندگی میں پایا جانے والا غیر متوازن رویہ، مساوات مرد و زن کے سستے اور عامیانہ نعرے کا نہ صرف شاخسانہ ہے بلکہ اس نعرے کا بنیادی پتھر ہے۔ اور یہی وہ سوچ اور فکر ہے جس کی عقلی انداز میں نفی کرنا، مسلم اہل علم اور دینی ذہن رکھنے والے حضرات و خواتین کا فرض ہے۔

ہماری بدقسمتی ہے کہ موجودہ پڑھا لکھا طبقہ، عربی، فارسی سے لاعلم ہے اور اب تو گزشتہ چھ سات دہائیوں سے انگریزی کے جنون کی بناء پر اپنی مادری/ قومی زبان اردو سے بھی نابلد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ طبقہ غزالیؒ، مولانا رومیؒ اور مسلم اہل علم کے اس سلسلۃ الذہب کے حالات و واقعات اور علمی خدمات سے تہی دست ہے جو ماضی بعید میں امت کے آفتاب و ماہتاب کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس فکری اور علمی پسماندگی اور ژولیدہ فکری کی یہ انتہا ہے کہ پاکستان میں پایا جانے والا آزاد خیال (Liberals) اور مساواتِ مرد زن کے نعرے کا حامی طبقہ زمانہ حال اور ماضی قریب کے اہل علم و فضل از قسم علامہ اقبالؒ اور سید مودودیؒ کی فکر سے بھی آگاہ نہیں۔ ایک پڑھے لکھے فرد کو اس قسم کے مرد و خواتین کی لاعلمی اور فکری تہی دستی پر نہ صرف افسوس ہوتا ہے بلکہ وہ شرمندگی محسوس کرتا ہے جو بلا تکلف یہ کہتے اور لکھتے ہیں کہ اقبالؒ نے عورت کے موضوع پر بہت ہی عامیانہ انداز (Casual manner) میں لکھا ہے!___ واضح رہے کہ اس قسم کے عامیانہ خیالات کا اظہار، مستشرقین اور مغربی فکر کے لوگوں کے خیالات کی بازگشت ہے۔ اور اس قسم کے خیالات اور موضوعات کی منطقی اور علمی تنقید اس کتاب کے احاطہ تحریر میں لانے کی محرک اولین ہے!

مزید برآں، ہم نے اس کتاب میں اس سوال کا جواب تلاش کرنے کی بھی کوشش کی ہے کہ مساواتِ مرد و زن کے اس نعرے سے بالآخر مغربی عورت نے کیا حاصل کیا؟

مساواتِ مرد وزن کے نعرے کی خالق ایک بہت بڑی خاتون شخصیت (Simon de Beviour) نے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ مغربی عورت، اس جال سے نجات حاصل نہیں کر پائی جس سے خلاصی کے لیے اس نے بیش بہا کوششیں اور قربانیاں دیں۔ ان کے اس قسم کے خیال افروز نظریات کا جائزہ اس کتاب کے باب دہم میں کسی قدر تفصیل سے لیا گیا ہے!

مسلم خواتین کے بارے میں ان تاریخی حقائق کے پیش نظر جو اسلام کے اولین دور سے لے کر اس گئے گزرے زمانے تک، بلا خوفِ تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلام نے خواتین کو جو عزت و احترام اور حقوق دیئے ہیں وہ علمی اور ادبی ہر لحاظ سے نہایت اعلیٰ اور ارفع نوعیت کے حامل ہیں ___

طبقۂ اناث کو کمتر سمجھنے یا سمجھانے والے تمام لوگ کیونکر اس ایک تاریخی اور دینی حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ اللہ نے ایک عورت کے عمل کو اپنے ایک دینی رکن یعنی حج کی مکمل ادائیگی کے لیے ضروری قرار دیا۔ آخر دو پہاڑیوں کے درمیان دوڑنے والی ہستی کون تھی؟ کیا وہ کوئی پیغمبر تھیں، ولیا تھیں، صوفی تھیں ___ نہیں نہیں وہ ایک ماں تھیں۔ ایک ایسی ماں جس سے اپنے ننھے بچے کی بھوک پیاس نہیں دیکھی جا سکتی تھی۔ اس نے اس پریشانی میں جہاں دور دور تک کسی انسان یا جانور کا پتا نہیں تھا۔ اس عالم اضطرار میں عورت کے اس عمل کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر شرف بخشا کہ تمام انسانیت کے لیے اس ایک عمل کو حج جیسی عظیم الشان عبادت کے لیے اس قدر ضروری قرار دے دیا کہ اس کی ادائیگی کے بغیر حج نہیں ہو سکتا۔ جس ہستی کو اس قدر پذیرائی اور عزت و توقیر اللہ تعالیٰ نے دی ہو تو اس کی عظمتوں اور رفعتوں کو کوئی چاہے بھی سہی تو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ وہ ہستی حضرت ہاجرہ کی تھی۔ جو ایک آنے والے نبی (حضرت اسماعیلؑ) ان کی نسل آج امت مسلمہ کہلاتی ہے، کی والدہ محترمہ تھیں۔ اور ان کا یہ عمل صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا سعی کہلاتا ہے۔

جہاں جہاں سے وہ گزرے، جہاں جہاں ٹھہرے
وہی مقام محبت کی جلوہ گاہ بنے

(حافظ مظہر الدین)

تاہم اس جگہ ہم اپنے ملک کی اعلیٰ تعلیم یافتہ اور مراعات یافتہ (Affluent class) کی خواتین سے یہ درخواست کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ خدارا وطن عزیز میں (بالخصوص دیہی، قصباتی حتیٰ کہ بڑے بڑے شہروں میں رہنے والی (بہت بڑی اکثریت میں) خواتین، لڑکیوں اور بچوں کی حالتِ زار کا خیال کریں جو اس معاشرے میں بددیانت سیاست دانوں، بیوروکریسی اور محراب منبر سے تعلق رکھنے والوں کی ملی بھگت کا بہت بری طرح سے شکار ہیں۔ یہ تمام تر طبقہ متعدد سماجی، تعلیمی، معاشی بدحالی اور صحت و تندرستی کے ایسے گھمبیر مسائل کا شکار ہے کہ خوش حال طبقے کی خواتین اس کا چشم تصور سے اندازہ بھی نہیں کر سکتیں۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور نہایت عالی شان کالونیوں میں رہنے والی خواتین کو ان مسائل کا تصور ہی نہیں جس کا شکار وہ غریب اور بدحال خواتین ہو رہی ہیں جہاں وہ گندگی کے ڈھیر، اور مکھیوں اور مچھروں کی یلغار، صاف پانی کی عدم فراہمی، غذا اور لباس کی کمی اور صحت و تندرستی کی نہایت پست حالت میں زندگی کے دن گزارنے پر مجبور ہیں!

آج ضرورت ہے کہ ان NGO's میں شامل خواتین اس عظیم اکثریت کو ان کی آخری امید کی کرن، انہیں اپنے خالق اور مالک سے، برگشتہ نہ کریں بلکہ انھیں تعلیم اور دیگر سہولیات کی فراہمی کے ذریعے اس قابل بنائیں کہ وہ اس معاشرے کا ایک باعزت فرد ہونے میں فخر محسوس کریں۔ انہیں یہ احساس دلایا جائے کہ وہ بھی اسلامی جمہوریہ پاکستان کی ایک باعزت شہری ہیں۔ اس طبقے کی کروڑوں خواتین اور بچیاں جو وطن عزیز میں سیاسی گماشتوں، لادینی نظام کے حامی لوگوں، اور نام نہاد مذہبی دھڑوں کے ناپاک گٹھ جوڑ کی بناء پر حالت غربت اور پریشانی کے عالم میں مبتلا ہیں۔ اور وہ اپنی پڑھی لکھی بہنوں کی محبتوں اور تعاون کی منتظر ہیں۔ آج اعلیٰ تعلیم سے بہرہ مند اور مراعات یافتہ خواتین کے لئے یہ سب

سے بڑا چیلنج ہے کہ وہ کب اور کس طرح ان کروڑوں خواتین اور بچیوں/ بچوں کی مدد کو آتی ہیں!

یہ کتاب بنیادی طور پر انگریزی میں لکھی گئی تھی◆ چونکہ اسلام کے خلاف تنقید کا آغاز مستشرقین نے جرمنی، فرانسیسی زبانوں میں کیا تھا جس سے شہہ پا کر یورپین ممالک کے پڑھے لکھے لوگوں نے مذہبی تعصب کی بناء پر ان خیالات کی ترویج و اشاعت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا۔ اور بعدازاں ان کی نقالی میں مسلمان ممالک کے چند لوگوں نے بھی نہ صرف ان خیالات کی اشاعت کرنی شروع کی بلکہ متعدد لوگوں نے اسے منفعت اور دنیاوی ترقی کا ذریعہ بھی گردانا اور یوں ایسے تمام خیالات انگریزی زبان میں مقالہ جات اور کتب کی شکل میں شائع ہونے شروع ہوئے جس کی کامیابی کا تمام تر سہرا یورپ اور امریکہ کی متعدد یونیورسٹیوں کو جاتا ہے۔ جنہوں نے اس ''مقدس مشن'' کے حصول کے لئے نام نہاد نعرے (Objective Research) کی آڑ میں اپنے ذرائع کو استعمال کیا اور یوں ان لوگوں کو مسلم معاشرے میں پذیرائی حاصل ہوئی۔

جیسا کہ آغاز میں بتایا گیا کہ نوجوان نسل اپنی تعلیم کے دوران ان خیالات سے نہ صرف آگاہ ہوتی ہے بلکہ متاثر بھی ــــ ان کے لئے انگریزی زبان میں اس قسم کے خیالات کی تردید نہایت ضروری ہے۔ ابھی وہ کتاب شائع نہیں ہوئی تھی کہ چند احباب اور خواتین نے یہ مطالبہ کیا کہ ان خیالات کو اردو میں بھی بیان کیا جائے۔ مقامِ شکر ہے کہ رمضان المبارک میں یہ کام سرانجام پایا ــــ **وما توفیقی الا باللہ**۔

ڈاکٹر محمد آفتاب خان

راولپنڈی

اپریل 2022ء

◆ جو ابھی تک زبان و بیان کے مختلف مراحل سے گذر رہی ہے۔ تاہم ضروری خیال کیا کہ اردو ترجمہ پہلے شائع کر دیا جائے!

پیش لفظ

خلیل جبران نے کہا تھا ''ہماری زندگی میں ایک جذبہ ایسا ہے جو شہرت کے میناروں سے کہیں اونچا اور روشن ہے، اور یہ جذبہ مضطرب و منتظر ہے کہ جب وہ میرے قلب سے باہر آئے تو میں اس مقدس عریانی کو کسی لافانی تخلیق سے ڈھانپ لوں'' ـــــ پروفیسر ڈاکٹر محمد آفتاب خان نے کئی کتابیں لکھیں اور شہرت کے میناروں سے کہیں اونچا جذبہ اپنے ساتھ لے کر لکھیں ''پاکستان میں نظام تعلیم کی زبوں حالی'' بھی ان کی ایک انتہائی اہمیت کی حامل کتاب ہے۔ مگر قلب کی گہرائیوں سے باہر آنے والی تخلیق یہ کتاب ''عورت! حلیف یا حریف'' ہے!

پروفیسر آفتاب نے کتاب کے آغاز سخن میں ہی مسئلے کی پختہ بنیاد رکھ دی ہے، تا کہ اس موضوع پر بلند و بالا منزل تعمیر ہو سکے اور مختلف موضوعات کے مباحث کے دوران سیر حاصل جواب مل سکے۔

کتاب کے آغازِ سخن میں بتایا گیا کہ انگریز برصغیر میں ایک سوداگر کے روپ میں آیا اور ہندوؤں، مسلمانوں کے درمیان ناچاقی، اختلافات، کے نتیجے میں اقتدار چھین لے گیا۔ لیکن مسلمانوں نے اس اقتدار کو دل سے تسلیم نہ کیا اور سوال انگریزوں کے لیے پیدا ہو گیا کہ وہ اپنے اقتدار اور تسلط کو طول دینے کے لیے کیا اقدامات کریں؟ اور ان اقدامات کی پروفیسر ڈاکٹر آفتاب نے اپنی کتاب میں نہ صرف نشاندہی کی بلکہ ان کے حل کی طرف جانے کا راستہ بھی دکھا دیا ہے۔ انہوں نے ان اقدامات میں دو نہایت اہم موضوعات پر قلم اٹھایا ہے۔ ان میں ایک امت مسلمہ کے خاندانی نظام کو چوپٹ کرنا اور دوسرا مرد و زن کی اس مساوات پر مسلسل کام کرنا جس میں ان کے باہمی تعلقات کو صنفی اختلافات کی بنیاد پر

کمتر سمجھنے کے رویّے کی نفی نہیں ہے بلکہ Gender یعنی جنس کے تحت آپس کے فرق کو مٹا کر مخلوط معاشرے کی بنیاد رکھنا ہے جبکہ اسلام میں عورت کے حقوق کو صنفی بنیاد پر تحفظ دیا گیا ہے اور اسے مرد سے کم تر نہیں سمجھا گیا۔لیکن معاشرے میں عورت کے وقار اور ادب کو ملحوظِ خاطر رکھنے کا اہتمام موجود ہے اور یہ وہ بات ہے جو مغرب کو کبھی بھی پسند نہیں آتی۔کیونکہ ان کے معاشرے کی عورت کو خاندانی نظام کا تحفظ حاصل نہیں ہے اور انہیں جنسی استحصال کا سامنا ہے۔

پروفیسر آفتاب نے پاکستان بننے کے بعد سے سیکولر لابی کے عالمی الحادی قوتوں سے مل کر مختلف النوع پالیسیوں کے آغاز پر تفصیل سے بات کی ہے جن کا ادراک اگر آج نہیں کیا جائے گا تو مستقبل میں بھیانک نتائج سامنے آسکتے ہیں جس کا ''میرا جسم میری مرضی'' کی شکل میں وجود میں آچکا ہے اور جس کی آڑ میں بہت سارے بے ہودہ نعرے تخلیق پا گئے ہیں۔

کتاب کے آغاز سخن کے بعد باب اول میں دورِ حاضر کے حالات کی عکاسی ماضی کے پس منظر کو سامنے رکھ کر کی گئی ہے اور ایٹم بم سے زیادہ خطرناک بم مغربی تہذیب کا رنگ ہماری اسلامی تہذیبی روایت پر حاوی کر دینے کو کہا گیا ہے۔اور اس کام کے لیے پروفیسر آفتاب نے مستشرقین کا ذکر کیا ہے، جن کی کوششوں کے اہم نکات ہیں

(1) تصوف کے تصور کو اجاگر کرنا۔

(2) مخلوط معاشرے کے قیام کی بات کرنا۔

(3) باہمی مخلوط معاشرے کی بنیاد رکھنا جس میں شرم وحیا کا عنصر نہ ہو۔

(4) خاندانی نظام کو ختم کرنا۔

(5) روحانیت کے تصور کو فروغ دینا تاکہ توحید ورسالت کے جذبے کو کمزور کیا جا سکے اور پھر عورتوں کے مساجد میں جانے کے رجحان کو تقویت دینا شامل ہے جبکہ مخلوط معاشرے میں مرد وزن کی جسمانی خوبصورتیوں کو شرم کی چادر سے نکال کر بیان کرنا بھی شامل ہے۔

اورعورت کے چادر لینے یا ستر پوشی کے احکامات بھی شامل ہیں جس کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کیے گئے ہیں___ ان سارے مسائل میں ڈاکٹر آفتاب نے روبن لیوی اور پاکستانی دانش ور عارفہ فرید صاحبہ کو دلائل کے ساتھ جواب دیا ہے۔ کیونکہ ان کے بقول مستشرقین یہ موضوعات ایک تسلسل اور تکرار کے ساتھ بیان کر کے بہت سارے لوگوں کو ہمنوا بنا رہے ہیں اور شکوک وشبہات میں اضافہ کر رہے ہیں۔ لہٰذا صحیح الفکر اہل علم افراد کی ذمہ داری ہے کہ وہ اصل حقیقت بیان کرتے رہیں اور خود مصنف نے دراصل یہی فریضہ سر انجام دیا ہے اور مغربی معاشرے کے ایجنڈے میں شامل یہ بات کہ اعتراضات لگائے جائیں پھر شکوک وشبہات پیدا کئے جائیں، کو دور کرنے کی کوشش کی ہے جیسے کہ رابعہ بصری کو نمایاں طور پر متقی اور پرہیز گار خاتون کی حیثیت سے تو تسلیم کیا ہے مگر اس بات کو بھی واضح کیا ہے کہ عورت کا رتبہ اس لیے زیادہ معتبر ہے کہ اس کی کوکھ سے پیغمبروں اور نبیوں نے جنم لیا ہے اور اگر وہ خود پیغمبری یا نبوت پر فائز نہیں ہے کیا تاہم وہ اس سے بڑے رتبے پر فائز ہے۔ اور عورت کا نبی یا پیغمبر نہ ہونا اسے کمتر نہیں بناتا کیونکہ وہ نبیوں اور پیغمبروں کو جنم دے کر بڑی عظمت پر مسند نشین ہو جاتی ہے۔ جس میں ذمہ داری کم اور احترام زیادہ شامل ہوتا ہے!

ڈاکٹر آفتاب نے ''کیا ایک مسلمان عورت روحانی لیڈر یا رہنما ہو سکتی ہے''؟ جیسے اہم سوال پر بھی بات کی ہے اور حضور اکرم ﷺ کی ازواج مطہراتؓ سے لے کر مسلم تاریخ اور تحریک پاکستان میں نمایاں کردار ادا کرنے والی خواتین کی علمی فضیلت اور جرأتمندی بیان کر کے ثابت کر دیا ہے کہ مسلم خواتین معاشرے میں اہم کردار ادا کرتی رہی ہیں اور کر سکتی ہیں۔

کتاب میں ایک اہم موضوع ''مغرب میں مساواتِ مرد و زن میں کیا کھو یا کیا پایا'' بہت اہمیت کا حامل ہے اور سبق آموز بھی۔ اور اس میں عارفہ فرید صاحبہ کی 2006 میں شائع ہونے والی کتاب کے ابواب کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ اس ضمن میں مغربی معاشرے

کی عورت کے بارے میں جو بات کی گئی ہے اس کی میں خود بھی چشم دید گواہ ہوں۔ وہاں کی عورت بظاہر پر آسائش مگر اندر سے کھوکھلی اور تنہا عورت ہوتی ہے اور عمر بھر مشقت کی چکی میں پس کر بڑھاپے میں اولڈ ہوم بھیج دی جاتی ہے جبکہ مخلوط معاشرے میں کئی مردوں کے ساتھ ٹوٹتے، مٹتے تعلقات اسے جذباتی طور پر ٹوٹ پھوٹ کا شکار بنائے رکھتے ہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر آفتاب نے موجودہ دور میں مسلم عورتوں کو مغرب کے ایجنڈے سے بچانے کے لیے اور مغرب کی عورت کو مظلومیت سے بچانے کے لیے اہم کردار ادا کیا ہے اور یہ کردار اس زمانے اور وقت کی ضرورت کے مطابق بروقت ہے۔ انہوں نے نہایت محنت کے ساتھ اعتراضات اور شکوک وشبہات کا علمی انداز میں دلائل دے کر جائزہ لیا ہے اور مستشرقین جو معروضی حقائق کی آڑ میں اسلامی اصولوں کے تابع روایات کو مسخ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، اس کے خلاف قلمی جہاد بھی کیا ہے اور قلبی جہاد بھی کیا ہے۔ جب کہ حضرت علامہ اقبالؒ کے اشعار کا انتخاب بھی بہت خوب ہے اور جو سورۃ نور اور سورۃ احزاب کے حوالے سے مسئلے کو مزید واضح کرنے میں مددگار ثابت ہوئے ہیں۔

ایک بات اور جو اس کتاب میں بیان کی گئی ہے وہ مغرب سے درآمد شدہ این جی اوز کا کردار ہے جس پر حکومتی سطح پر غور وفکر کرنا ضروری ہے۔

ڈاکٹر آفتاب کی کتاب میں بقول خلیل جبران، شہرت کے میناروں سے اونچا اور روشن جذبہ موجود ہے جو ان کے قلب سے جب باہر آیا تو اس کی مقدس عریانی نے اس کتاب کی صورتِ لافانی تخلیق کو اپنی خلعت سے ڈھانپ لیا____!

دعا گو اور نیک تمنائیں

عائشہ مسعود

مصنفہ، صحافی، کالم نگار، شاعرہ

اینکر حلقۂ احباب

اسلام آباد

اپریل 2022ء

اظہارِ تشکر

اللہ تبارک وتعالیٰ کی بے شمار نعمتوں کا شکر ادا کرنا کسی انسان کے بس میں نہیں۔ اسی طرح یہ چند حروف لکھنے پر بھی اس ذاتِ والا صفات کا شکریہ ادا کرنا ممکن نہیں۔ تاہم ایک مخلوق کے لئے اپنے خالق کے حضور دو حرفِ تشکر، اس کے اپنے لئے ہی باعث فلاح ہو سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد، خدائے بخشندہ!

اس کتاب میں متعدد اہل علم (خواتین وحضرات) کی تحریروں سے استفادہ کیا گیا ہے ان سب کا نام بنام شکریہ ادا کرنا تو شاید ممکن نہ ہو، تاہم بالخصوص ہم اپنی محترمہ بہن پروفیسر ڈاکٹر عارفہ فرید صاحبہ ◆ تہہ دل سے ممنون ہیں کہ انہوں نے بکمال شفقت و مہربانی اپنی کتاب کے دوسرے ایڈیشن 1962ء کا نسخہ مرحمت فرمایا۔ چونکہ اس کتاب کا

◆ موصوفہ یونیورسٹی آف کراچی سے ریٹائرڈ پروفیسر آف فلاسفی ہیں۔ مزید برآں، ہائیر ایجوکیشن کمیشن اسلام آباد کی مایہ ناز محققہ اور ماہر تعلیم ہیں۔ ان کی متعدد تصانیف میں سے ہمارے سامنے مندرجہ بالا کتاب ہے جو دراصل ایک مطالعاتی گرانٹ کے تحت جو ''ایسٹ ویسٹ سنٹر المونائی ایسوسی ایشن ہونولولو، ہوائی کی جانب سے پروفیسر صاحبہ کو دی گئی تھی، اس کتاب کے بارہ ابواب میں سے پانچ ابواب ہیں مختلف مذاہب میں عورت کے مقام ومرتبہ کے بارے میں تحقیقی انداز میں گفتگو کی گئی ہے۔ جبکہ بقایا ابواب میں جو تحقیق کی گئی ہے، اس پر ایک ناقدانہ نظر اس کتاب میں ڈالی گئی ہے۔ کوشش یہ ہے کہ موصوفہ کے نقطۂ نظر کے علاوہ دوسرا پہلو بھی نہ صرف ان کے سامنے بلکہ قارئین (بالخصوص نوجوان نسل جو کالجوں/ یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم ہے) کے سامنے آجائیں تاکہ وہ ازخود آزادانہ کسی فیصلے پر پہنچ سکیں۔ ان کی کتاب کراچی یونیورسٹی نے شائع کی ہے۔

بیشتر مواد ایسا ہے جس میں ان کے خیالات و افکار پر گفتگو کی گئی ہے تاہم ہم انہیں یقین دلاتے ہیں کہ ہمارے دل میں ان کی عزت و احترام کے جذبات بدرجۂ اتم قائم ہیں۔ جہاں کہیں اگر کوئی تنقید آئی ہے تو اسے ہرگز کسی تنقیص پر محمول نہ کیا جائے کہ پھولوں کی رعنائی کی حفاظت کے لئے کانٹے بھی اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیے ہیں!____

ہمارے دلی شکرے کے مستحق وہ تمام پبلشرز بھی ہیں جن کی کتب سے استفادہ کیا گیا____ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی مساعی میں خیر وبرکت عطا فرمائیں۔

اس کتاب کی تحریک میری بیٹی ڈاکٹر اسماء آفتاب کی مرہونِ منت ہے کہ اس موضوع پر ان کے مطالعہ اور گہری نظر نے مجھے اس موضوع پر لکھنے کی جانب توجہ دلائی وگرنہ ''میں ازخود'' اس علمی موضوع پر قلم اٹھانے کا اہل نہ تھا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ میں اپنی متعدد منہ بولی بیٹیوں کا ذکر کرنا بھی چاہتا ہوں جن کی مدد اور توجہ سے یہ کتاب مکمل ہوئی۔ ان ہر دو بیٹیوں میں ایک سیدہ عظمٰی گیلانی ایڈووکیٹ پنجاب ہائی کورٹ لاہور ہیں____ اس کتاب کا برجستہ عنوان ان کے ذہن رسا کا نتیجہ ہے۔ انگریزی کتاب "Woman: Friend or Foe!" کا ترجمہ بہت سوچ بچار کے باوجود سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ جونہی سیدہ گیلانی سے بات ہوئی تو اگلے لمحے ہی انٹرنیٹ پر ''عورت: حلیف یا حریف'' کے الفاظ آ گئے!____ اسی طرح عزیز بیٹی تزئین حسن صاحبہ (مقیم کینیڈا) ایک بہت ذہین اور علمی شخصیت نے اس کتاب کے مندرجات بلکہ انگریزی تحریر کو نکھارنے میں حصہ لیا____ ہم اپنی نہایت قابل بیٹی عائشہ مسعود ملک کے بھی شکرگزار ہیں کہ انہوں نے ہماری درخواست پر اس کتاب کے لئے پیش لفظ تحریر فرمایا۔ ان کے اخباری کالم سے ہم نے استفادہ کیا ہے جو روزنامہ نوائے وقت میں ''تحریک پاکستان کی نامور خواتین کے عنوان سے دو قسطوں میں شائع ہوا تھا۔

موجودہ کتاب میں تمام تر کمزوریوں/ خامیوں کا میں ازخود ذمہ دار ہوں جبکہ اس کی تمام تر حسن و خوبی ان بیٹیوں کی مرہونِ منت ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ان کے علم وعمل میں اضافے کے لئے دعا گو

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد!

علامہ اقبالؒ کے بیشتر فارسی اشعار کا اردو ترجمہ محترم بھائی انجینئر عنایت علی صاحب نے کیا ہے جن کی اقبال شناسی کا ایک عالم گواہ ہے۔ ان کی متعدد کتب اقبال اکیڈیمی نے شائع کی ہیں۔ طویل فارسی نظموں کا اردو ترجمہ بھی انہوں نے کیا ہے۔ محترم بھائی ادریس کھوکھر ایڈووکیٹ بھی، علامہ اقبال کے ساتھ جنون کی حد تک عشق رکھتے ہیں، ان سے بھی وقتاً فوقتاً راہ نمائی حاصل رہی۔ ان سب احباب کے لئے ایک حرف دعا!

اس کتاب کی پروف ریڈنگ میں حسب سابق ہماری عزیز بہن پروفیسر امینہ سراج صاحبہ اور ان کے شوہر پروفیسر (ر) حافظ محمد سراج صاحب کا حصہ ہے یہ جوڑا عربی/ اسلامیات کے شناور ہیں اور پروف ریڈنگ بہت دقت نظر کے ساتھ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے بھی خیر و برکت کی عاجزانہ دعا۔ ہماری محترمہ بہن فرزانہ چیمہ نے بھی پروف ریڈنگ کے ذریعے اس میں حصہ لیا ہے۔

اردو کمپوزنگ کی خدمت رشید سبحانی نے شوق سے سرانجام دی۔ ان کا بھی دل کی گہرائیوں سے شکریہ۔ کتاب کے پبلشر بھی ہمارے دلی شکریے کے مستحق ہیں کہ وہ اس قسم کا لٹریچر شائع کر کے مالی ایثار کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ میری نواسی (طوبیٰ خان) اور نواسے (ہانی احمد خان) نے بھی انگریزی کمپوزنگ کے کام میں مدد دی۔ میرے سب سے بڑے نواسے عبداللہ گل ریز (حال مقیم جرمنی) نے بھی اس کتاب کی اشاعت میں بہت ذوق و شوق کے ساتھ مشورے اور تاکیداً حوصلہ افزائی کی ___ ان سب بچوں نیز دیگر نے بھی جس صبر وسکون کے ساتھ اس ''حق تلفی'' کو برداشت کیا جو وقت اور توجہ میں انہیں نہ دے سکا۔ امید ہے کہ اس کتاب کی اشاعت سے جب وہ بھی مستفیض ہوں گے تو وہ اس کوتاہی کو نظر انداز کر دیں گے۔

میرے تمام اہل خانہ بالخصوص اہلیہ کا تعاون اور اشتراک بدستور شامل حال رہا۔ جس کی وجہ سے قرآن وحدیث نیز عربی زبان کے بارے میں ان کی راہ نمائی حاصل رہی۔ ان

سب کے لئے دل کی گہرائیوں سے دعائیں ___ اللہ رب العزت ہم سب کو اپنی شان کے مطابق اجر سے نوازیں۔

اخلاص عمل مانگ نیاگانِ کہن سے
شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا!

راولپنڈی
صفر ۱۴۴۴ھ
اپریل ۲۰۲۲ء

پروفیسر (ر) ڈاکٹر محمد آفتاب خان
۰۳۲۲۔۵۳۰۸۷۳۹

بابِ اوّل

تعارف

دورِ حاضر کو بجا طور پر لاتعداد مسائل اور الجھنوں کا نام دیا جاسکتا ہے۔ عالمی سطح پر، انسانیت ابھی امریکہ کی جارحیت کے ان برے نتائج سے بمشکل ہی سانس لے پائی تھی جو 1945ء میں جاپان کے (دوشہروں ناگاساکی اور ہیروشما) میں جنگ عظیم دوم میں ایٹم بم کا نشانہ بنے تھےاور ویت نام جو دو دہائیوں سے زائد (1955ء تا1975ء) تک امریکی ظلم و ستم کی انتہائی ظالمانہ کارروائیوں کا نشانہ رہا کہ 11 ستمبر 2011ء کا واقعہ پیش آ گیا جو کہ یہودی لابی نے (امریکی حکومت کے ایما اور مرضی) سے کیا تھا۔ یہ واقعہ دراصل پٹرول پمپ کے نزدیک دیا سلائی جلانے کے مترادف تھا جس نے امریکی حکومت کو دنیائے انسانیت میں ایک اور ظالمانہ کاروائیوں کے آغاز کے لیے جواز فراہم کیا۔ اس کاروائی کے نتیجے میں امریکہ نے افغانستان، عراق اور پاکستان میں اپنی متشددانہ جارحیت کا آغاز کیا۔ اور کون جانتا ہے کہ وہ اپنی اس قسم کی کاروائی کو خدانخواستہ کب ایران اور سعودی عرب تک وسیع کرے گا۔ (جیسا کہ قرائن اب نظر آ رہے ہیں۔) دوسری جانب فلسطین اور کشمیر میں ظلم و بربیت کا جو کھیل کھیلا جا رہا ہے، اس کی پشت پر بھی امریکی یہودی لابی کا ہاتھ ہے! یہ دراصل ان چند عالمی مناظر کی جھلکیاں ہیں جو امریکی یہودی لابی کے خفیہ منصوبے کا حصہ ہیں اور جن کے خطرناک ترین مضمرات ایٹمی جنگ کی صورت میں ظاہر ہو سکتے ہیں!

حالیہ دور میں دنیائے انسانیت، یہودیوں کے ایک اور خطرناک ترین تاہم ایٹم بم کی تباہ کاریوں سے بھی بہت زیادہ نقصانات کے حامل مسئلے سے دوچار ہو رہی ہے۔ وہ جنسی بے راہ روی کا طوفان عظیم ہے جس نے تمام دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ اس اخلاقی بے راہ روی اور انحطاط کا اندازہ اس امر سے بآسانی لگایا جاسکتا ہے کہ امریکہ، مغربی اور

دیگر مما لک میں نوجوان لڑکے اورلڑکیاں شادی/ نکاح کے بغیر اکٹھے زندگی بسر کرتے ہیں۔ وہ اس امر سے آگاہ ہوتے ہیں کہ دونوں میں سے کوئی بھی کسی وقت اس تعلق کوختم کرسکتا ہے۔اور اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب کسی کی شادی ہورہی ہوتی ہےتو وہ دونوں جانتے ہیں کہ دونوں کے تعلقات کسی دوسرے دوست (Friend ،لڑکے/لڑکی) سے پہلے سے ہی استوار تھے اور بعض اوقات فریق ثانی حاملہ بھی ہوتی ہے!

مسلمان نوجوان نسل بھی اس جنسی انحطاط اور بے راہ روی کا شکار ہورہی ہے۔مغربی مما لک اور امریکہ میں رہنے والے مسلم والدین، اپنے بچوں کے اس قسم کے نہایت گھمبیر مسائل کا شکار ہیں۔(محمد آفتاب خان ۲۰۱۶) حالیہ دور میں میڈیا کی قہرمانیوں کے سبب یہ جنسی طوفان اب امت مسلمہ کے دروازے پر ہی دستک نہیں دے رہا بلکہ گھروں کے اندر بھی داخل ہو چکا ہے۔ پاکستان اور متعدد دیگر اسلامی مما لک میں بھی یہی صورت حال ہے۔ ماضی قریب میں متعدد اہل علم نے اسقاط حمل، خودکشی، قتل اور زنا بالجبر کے واقعات کے بڑھتے ہوئے خطرات کی نشان دہی کی ہے جو اخبارات اور ٹی وی کے ذریعے منظر عام پر دکھائے جا رہے ہیں (اوریا مقبول جان،2006ء، غلام اکبر خان، 2011ء، انصار عباسی، 2012ء اور عبدالقیوم (لیفٹیننٹ جنرل ر) 2012

جیسا کہ آئندہ صفحات میں بتایا گیا کہ عالمی ادارہ اقوامِ متحدہ کے تحت نیز ہزاروں غیر سرکاری تنظیمیں (NGO's) وطن عزیز کے دور دراز علاقوں میں دن رات کوشش کررہی ہیں جو ضبط ولادت اور مساواتِ مرد وزن کے نعروں کی آڑ میں وطن عزیز میں جنسی بے راہ روی کوفروغ دینے میں سرگرم عمل ہیں۔ مساواتِ مرد وزن کے نعرے نے پاکستان اور دیگر مسلم مما لک میں خاندانی نظام کو پارہ پارہ کرنے کا بیڑہ اٹھایا ہوا ہے۔ ان مما لک بالخصوص برصغیر پاک وہند میں، انگریزی دور میں، اپنی تمام کوششوں کے باوجود، انگریز اور دیگر استعماری طاقتیں، خاندانی نظام کی چولیں ہلانے میں کامیاب نہیں ہوسکی تھیں تاہم اب حالیہ دور میں وہ اس مقصد کے حصول کے لیے مختلف (نعروں مساوات، معاشی آزادی اور

آزادیٔ نسواں) کے حسین ناموں کے تحت کام کر رہی ہیں۔ وہ اپنے ان مذموم مقاصد میں کب اور کس طرح کامیاب ہوتے ہیں، اگرچہ اس بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا تاہم مسلمان اہل علم ونظر بالخصوص دینی راہ نماؤں کا یہ اولین فرض ہے کہ وہ اس بڑھتے ہوئے اخلاقی انحطاط اور جنسی بے راہ روی کا نوٹس لیں اور حالات کی نزاکت کا احساس کریں۔ یہاں ہم ایک پاکستانی ماہرنفسیات کے اس انکشاف کا ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں جو موصوف نے کیا تھا کہ ''امریکہ اور مغربی ممالک میں جنسی بے راہ روی کے اس طوفان نے جو تباہی گزشتہ ایک صدی میں مچائی تھی، پاکستان میں اس سے زیادہ خرابی چند دہائیوں میں وقوع پذیر ہوگئی ہے۔'' (محمد آفتاب خان ۲۰۱۶)۔ اس خطرناک ترین صورت حال نے متعدد سوالات کو جنم دیا ہے۔

اولاً: جنسی بے راہ روی کے اس طوفان کا آخر انجام کیا ہے؟

ثانیاً: انسانیت آخر کب اور کہاں تک اس جنسی بے راہ روی کے طوفان کے تھپیڑے کھاتی رہے گی جس کے کڑوے اور کسیلے پھل مغرب میں متعدد مسائل کی شکل میں ظہور پذیر ہوئے ہیں؟

ثالثاً: دنیا میں لاتعداد انسان، کب تک اپنی زندگی میں اس جنسی بھوک کا شکار ہوتے رہیں گے اور کیونکر وہ جنسی جنون کی قہرمانیوں کا نشانہ بنتے رہیں گے باوجود اس حقیقت کے کہ ایسے بیشتر ممالک میں بے محابہ جنسی بھوک کو مٹانے کے لیے بے شمار مواقع بآسانی فراہم ہیں؟

رابعاً: کب تک طبقۂ نسواں کو فلموں میں عریاں حالت میں دکھایا جاتا رہے گا اور آخر کب تک طبقہ اناث، دنیا کے چند لاکھ لوگوں کی ہوس کا شکار رہے گی؟

خامساً: آخری، تاہم مزید سوالات کا متقاضی یہ سوال ہے کہ اس تمام تر جنسی بے راہ روی کے علی الرغم کیا انسانیت بالآخر اپنے وجود کو زمین پر صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے تیار ہے؟

یہ چند ایسے سوالات ہیں جو اس جانب واضح طور پر اشارہ کرتے ہیں کہ یہ تمام اخلاقی بے راہ روی اور انحطاط، دراصل ''یہود کے زرخیز دماغ'' کی اختراع ہے۔ اس امر سے بالآخر کون ذی ہوش انسان انکار کرسکتا ہے کہ موجودہ دور میں بے محابہ جنسی بھوک اپنی انتہائی حدود کو چھو رہی ہے۔ میڈیا (الیکٹرانک اور پرنٹ دونوں) جنسی بے راہ روی کو بے لگام کرنے میں بے ہنگم طریق پر اپنا کردار ادا کرنے میں رات دن مصروف کار ہیں اور اس کے خطرناک ترین نتائج و عواقب سے نسل نو اس بری طرح سے متاثر ہو رہی ہے جس کی مثال تاریخ انسانیت میں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی۔ جبلتِ انسانی کے اس بے محابا اور غلط استعمال (Abuse) نے عالم انسانیت کو تباہی کے گہرے گڑھے کے کنارے کھڑا کر دیا ہے۔ دنیا کے مختلف ممالک میں طلاق کی بڑھتی ہوئی شرح، غیر شادی شدہ (کنواری) ماؤں کا وجود، حرامی بچوں کی ان گنت تعداد اور ایڈز کے مرض کی بڑھتی ہوئی شرح نے خاندانی نظام کی چولیں ہلا کر رکھ دی ہیں بلا لحاظ مشرق و مغرب۔ طبقہ اناث کے لئے آزادی جیسے دل خوش کن جھوٹے نعرے ایٹمی ہتھیاروں سے زیادہ خطرناک ہیں۔ ایسے حالات میں کسی ہوش مند انسان کے لیے عالمی ادارہ اقوامِ متحدہ کے تحت بیجنگ پلس کانفرنس کے نعرے یعنی جنسی تسکین کے لئے کام کرنے والے لوگوں نے (طوائفوں) کو شادی کے ادارے کے بالمقابل Sex workers کے طائفے کو کھڑا کر دیا ہے۔ طبقہ اناث کو آزادی اور مساوات کے نعروں سے دھوکہ دے کر بہلایا جا رہا ہے۔ کوشش کی جا رہی ہے کہ اس طرح معصوم اور پاکباز کنواری لڑکیوں کو جو کسی شریف خاندان کی چشم و چراغ ہیں بازارِ حسن کی زینت بنا دیا جائے کہ وہ چند ڈالروں رسکوں کے عوض اپنی عصمت و عفت کا سودا ایسے سوداگروں سے کریں جو ان سے اپنی جنسی ہوس کی تسکین کے خواہاں ہیں اور بقول ایک دانشور جارج رائیلے (George Rayley) جس کا حوالہ نزہت افزا اور خورشید احمد 1982ء نے اپنے ایک مقالے میں کیا ہے کہ ''سستی ترین فلوزی/ لڑکی چند سکوں کے عوض کسی شخص کے ساتھ رات بسر کرنے کو تیار ہو جاتی ہے!''

"(Cheape'st flooozy lying down for a few dollar a night"؛ (Greenwood, M.D, 1963)

جیسا کہ بتایا گیا کہ اقوامِ متحدہ کے جھنڈے تلے امریکہ اور دیگر مغربی ممالک کا یہ خفیہ منصوبہ عزائم (Hidden Agenda) بنا ہے کہ مسلم خاندانی ادارے کو تباہ و برباد کر دیا جائے کیونکہ ایسا کیے بغیر وہ اقوام/ممالک مسلمانوں پر سیاسی، سامراجی عزائم اور ذہنی تفوق کے اپنے مذموم ارادوں میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ چونکہ وہ ماضی میں اپنے ان عزائم میں کامیاب نہیں ہو سکے اس لیے اب ان کے اہل علم (مستشرقین و دیگر) نے چرچ کے اس قدیم طریقے (Strategy) کو اپنا لیا ہے جو وہ ماضی میں اسلام کے خلاف پروپیگنڈے کے ذریعے کیا کرتے تھے۔ اس طرح وہ مسلم پڑھے لکھے طبقے (بالخصوص خواتین) میں اسلام کے بارے میں کسی حد تک شکوک و شبہات کے بیج بونے میں کامیاب ہو گئے ہیں!

اسلام کے بارے میں حالیہ دور میں تہذیبوں کے درمیان مناقشت (Clash between civilization) دراصل، ماضی بعید کے عیسائی اور یہودی مذہبی طبقے کے طریق کار کا تسلسل ہے جو وہ اسلام کے خلاف مذہبی تعصب پر مبنی (Fanaticism) میں جنگوں کی بناء پر کرتے تھے۔ مستشرقین کے شکوک و شبہات میں اہم ترین موضوع، دیگر موضوعات کے علاوہ، اسلام کا عائلی/ خاندانی نظام ہے۔ ان لوگوں نے اپنی تمام تر توانائیوں اور علم و ہنر کی کاوشوں سے اسلام کے عائلی نظام کو اس حد تک بھیانک اور ظلم و ستم پر مبنی دکھا دیا ہے جس میں عورت کو پسماندہ رکھنا، اس پر دن رات ظلم روا رکھنا اور گھریلو ملازمہ کے طور پر درونِ خانہ قید کرنے کا اس حد تک شور و غوغا تسلسل اور مختلف طریقوں سے اس قدر عام کر دیا ہے کہ اس کے جال ہم رنگ زمین کا شکار بہت سے پڑھے لکھے مسلمان مرد و خواتین بھی ہو گئے ہیں۔ [1]

تاہم یہ ایک دلچسپ امر ہے کہ مغربی عورت (طبقہ نسواں) اپنے مقام اور حقوق کے

[1] اس کے تدارک کے لیے دیکھئے ہماری کتاب آنحضرتؐ کی عائلی زندگی (2021)

لیے ہزاروں سالوں سے مذہبی لوگوں کے مذموم عقائد اور رسم و رواج کی بناء پر دو انتہاؤں کے درمیان پستی رہی ہے۔ اس ایک انتہا کا تعلق عیسائی مذہب کے اس تصور سے ہے جس کے تحت عورت (طبقہ اناث) کو ذی روح ہستی بھی تسلیم کرنے سے انکار کیا جاتا ہے۔ اسے انسان بھی نہیں سمجھا جاتا بلکہ اسے ایک ایسی جاندار شے سمجھا جاتا تھا جو پہلے پہل اپنے والدین اور بعد ازاں شوہر کے ہاتھوں، اگلی نسل کو وراثت کے طور پر منتقل کی جاتی رہی۔ تاہم عورت کو دوسری حیثیت میں اس حد تک آزاد خیال کیا جاتا رہا کہ اس کی اپنی کوئی انفرادی حیثیت ہی نہ رہی۔ وہ ہر قسم کی پابندیوں سے آزاد، ہر قسم کے اخلاقی حدود و قیود سے ماوراء اور ہر قسم کی مذہبی پابندیوں سے بالا حیثیت اختیار کر گئی......درحقیقت اس طرح وہ دوبارہ عریاں فلموں میں بک جانے والی ایک قابل فروخت شے (Commodity) بن گئی جہاں نہ صرف اسے اپنے جسم کو بھی بیچنا پڑتا ہے بلکہ ٹی وی اور انٹرنیٹ فلموں میں اپنے جسم کے نہایت پرائیویٹ حصوں کو بھی نمایاں کرنا پڑتا ہے اور ایسے جنسی مناظر میں حصہ لینا پڑتا ہے جس سے لاکھوں تماش بین اپنی آنکھوں کے ذریعے جنسی تسکین کا سامان کرتے ہیں۔

"جسم" فروختند چہ ارزاں فروختند!

جیسا کہ درج بالا صفحات میں واضح کیا گیا کہ مستشرقین نے اسلام کے عائلی اور خاندانی نظام پر اس قدر کیچڑ اچھالا ہے کہ الامان الحفیظ۔ اگرچہ موجودہ زمانے کے علمی وقار اور سنجیدہ طرز عمل کا یہ تقاضہ تھا کہ وہ اپنے ان مذہبی مذموم عقائد اور خیالات کو علمی انداز میں بے لاگ طریق (Obtectively) پر بیان کرتے اور عیسائی/ یہودی مذہبی جنونوں کی قدیم حرکات کی تردید کرتے لیکن وہ از خود اس مہم کا ایک حصہ بن گئے جسے انہوں نے (Obtective research) کا نام دیا۔ انہوں نے معقول اور علمی انداز کے بالکل برعکس جو انداز اختیار کیا اس کے تحت وہ اپنے مفروضہ خیالات کو ایک رنگین عینک کی مدد سے دیکھ کر ان سے اپنے ذہن اور طبع کے مطابق نتائج اخذ کرتے ہیں اور اپنے مذموم نتائج کو

ثابت کرنے کے لیے ہر قسم کے جھوٹ اور تاریخی حقائق کو توڑ موڑ کر پیش کرنے میں مہارت تامہ رکھتے ہیں اور اپنی اس حرکت کے جواز میں ہر قسم کی اخلاقی، سچائی پر مبنی کسی روایت کی پابندی بھی نہیں کرتے۔ تاہم مسلم اہل علم (مرد و خواتین) کا یہ المیہ ہے کہ پاکستان میں یہ لوگ اصل جرمن اور فرانسیسی زبانوں کے نہ جاننے کے بناء پر ان اصل ماخذوں سے استفادہ نہیں کر سکتے اور پھر وہ ماضی قریب کے **مستشرقین کی کتب سے اخذ و نقل ہی نہیں کرتے بلکہ اکثر اوقات انہی کے الفاظ استعمال کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے** کہ اس طرح وہ ان خیالات کو اپنے ذہن کی اختراع (Brain Child) سمجھانے کا تاثر دیتے ہیں۔ اس ضمن میں ہمارے پیش نظر روبن لیوی کی کتاب (Socialr stucture of Islam 1962) ہے۔ یہ صاحب کیمبرج یونیورسٹی برطانیہ میں فارسی کے پروفیسر رہے ہیں اور انہوں نے ماضی بعید کے ان تمام جرمن اور فرانسیسی مستشرقین کے شکوک و شبہات اور اعتراضات کو بہت خوبصورتی کے ساتھ اپنی درج بالا کتاب میں سمو دیا ہے۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ مستشرقین کی یہ عادت ثانیہ ہے کہ وہ تاریخی اور علمی حقائق کو توڑ موڑ کر اپنے ذہن کے مطابق بیان کرنے کے عادی ہیں تا کہ قارئین کے ذہن میں الجھن پیدا کر سکیں۔ اس ضمن میں مستشرقین کا سب سے بڑا ہدف احادیث کو مشکوک اور نا قابل اعتبار ٹھہرانا ہے۔ انہوں نے خواتین کو مساجد میں جا کر نماز کی ادائیگی کو صرف اس وجہ سے ضروری اور اہم قرار دیا ہے کہ اس طرح وہ پردے کی مخالفت اور مرد و زن کے اختلاط کو فروغ دینا چاہتے ہیں۔ اسی طرح انہوں نے ایک شوشہ روحانیت کے تصور (Spiritulity) کو فروغ دینے کے لیے چھوڑا کہ اسلام میں اس تصور کی آبیاری سے ان کا مقصد وحید صحیح اور ٹھیٹ اسلامی تصورات (توحید، رسالت، آخرت) کو کم تر کرنا ہے کہ روحانیت کے قبول کرنے سے درج بالا تصورات کمزور پڑ جاتے ہیں اور ایک مسلمان ان اعمال و عبادات سے غافل ہو جاتا ہے جن کا تعلق ان تصورات سے ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے رابعہ بصری کو ایک ایسے کردار کی حیثیت سے پیش کیا ہے جس کی وجہ سے دین

کے اصل رول ماڈل (حضرت فاطمہ بنت رسولؐ اور دیگر امہات المومنینؓ) پس منظر میں چلی جاتی ہیں ___ یہ اور اسی قسم کے چند دیگر موضوعات ہیں جو لبرل اور مساوات مرد و زن کے حامی اصحاب و خواتین کے لیے بہت دلچسپی کا سامان اپنے اندر رکھتے ہیں۔ اور ہمیں اس امر کو تسلیم کرنے میں کوئی باک نہیں کہ اس ضمن میں ان موضوعات پر ان سب نے اس قدر تسلسل اور تکرار کے ساتھ پروپیگنڈہ کیا ہے کہ بہت سے لوگ ان کے ہمنوا بن گئے ہیں جبکہ اہل دین اور صحیح الفکر مسلم اہل علم نہ صرف ان موضوعات پر اسلام کی صحیح تصویر پیش کرنے میں کسی حد تک ناکام رہے۔ ان موضوعات کے بارے میں یہ امر بھی ذہن میں رہے کہ نہ صرف نیم سرکاری پرائیویٹ تنظیموں نے اس ضمن میں کافی تگ و دو کی بلکہ اکثر اوقات ماضی میں پاکستان کی مختلف حکومتوں نے بھی ان خیالات کی حوصلہ افزائی کی اور اپنے آپ کو دقیانوسی خیالات کے الزام سے بچنے کے لیے اس قسم کے خیالات قبول کر کے ''روشن خیالی'' کا ثبوت دیا۔

زیر نظر کتاب میں مساوات مرد و زن کے موضوع کے متعدد پہلوؤں پر عقلی استدلال کے ساتھ اسلامی نقطہ نظر کی وضاحت کی گئی ہے۔ ہمارے پیش نظر ان تمام موضوعات کا تنقیدی مطالعہ ہے جو مستشرقین اور ان کے ''وفادار شاگردوں'' نے پاکستان اور دیگر مسلم ممالک میں شائع کیے ہیں۔ جیسا کہ گذشتہ صفحات میں اشارہ کیا گیا کہ اس قسم کے بیشتر خیالات دراصل مغربی مفکرین کے خیالات کا چربہ ہیں، نہ صرف تصورات بلکہ بعض اوقات تو تحریر بھی ''نقش فریادی ہے مغربی تحریر کا!'' ___ یہ کتاب ہمارے محدود علم کی حد تک ان تمام موضوعات کا اردو زبان میں احاطہ کیے ہوئے ہے جو مختلف مستشرقین کے شکوک و شبہات اور اعتراضات کا مدلل انداز میں جائزہ ایک جگہ پر موجود ہے۔

ہمارے لیے یہ امر کسی قسم کی حیرت یا انکشاف کا باعث نہیں کہ ہمارے لبرل اور مساوات مرد و زن پر یقین رکھنے والے خواتین و حضرات، اسلام کو از کار رفتہ کا افسانہ خیال کرتے ہیں جس کی جانب رجوع کو ایسے لوگ رجعت پسندی اور دقیانوسیت سے موسوم

کرتے ہیں تاہم وہ سب لوگ اس حقیقت کو بھول جاتے ہیں کہ امریکی عورت کو وہ تمام حقوق 1913ء میں حاصل ہوئے جبکہ مسلمان عورت ان سے بارہ صدیاں قبل ان تمام حقوق سے بہرہ مند ہوچکی تھی۔ اسی طرح ذاتی جائیداد رکھنے کے حقوق سے بھی وہ 1839ء میں آگاہ ہوئی جبکہ قریباً 12 سو سال قبل مسلمان عورت کو ایسے تمام حقوق اور اختیارات اللہ رب العزت کی جانب سے قیامت تک کے لیے بغیر کسی جدوجہد اور کوشش کے حاصل ہو چکے تھے اور جنہیں دنیا کی کوئی طاقت سلب کرنے کی مجاز نہیں جبکہ مغربی دنیا میں ایسے تمام حقوق جمہوری انداز میں دوبارہ سلب بھی کیے جاسکتے ہیں۔ مسلمان عورت کو ذاتی اور انفرادی تشخص حاصل ہے جس کی بناء پر وہ اپنی دولت/ جائیداد/ مال کو صرف کرنے کا قانونی حق رکھتی ہے۔ حتیٰ کہ شادی/نکاح کے بعد وہ اپنے انفرادی/ذاتی نام کو بھی برقرار رکھتی ہے جبکہ مغربی عورت اس معاملے میں بھی اپنے خاوند کے نام کے لاحقہ کی محتاج ہے۔

شومئی قسمت سے اس ذہن کے لوگ تمام دنیا کو ایک کشمکش میں مبتلا حیثیت سے دیکھتے ہیں جہاں ہر شخص ایک دوسرے سے برسرِ پیکار اور حقوق و اختیارات کو سلب کرنے اور طلب کرنے کی تگ ودو میں مصروفِ عمل ہے۔ ان تمام کی نظر سے فطرت کا یہ اٹل قانون اوجھل ہوگیا ہے کہ یہ کائنات ایک دوسرے کے ساتھ تعاون واشتراک اور عمل باہمی کے اصول پر قائم ہے۔ بقائے باہمی کے اصول پر مبنی اس کائنات کی موجودات جہاں اپنا انفرادی وجود رکھتی ہیں وہاں ان کا دائرہ کار بھی ان کے علیحدہ وجود کی بناء پر علیحدہ سے ان کی فطرت کا جزولاینفک بنایا گیا ہے۔ اور اس فطری اصول کے تحت اگر انسان (عورت اور مرد ہر دو اصناف) بھی اس کائنات کا ایک اہم حصہ ہیں اور جس سے انکار اور مفر ممکن نہیں تو پھر ان دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ محاربانہ انداز میں زور آزمائی کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون واشتراک اور حسن عمل کی ضرورت ہے جو ٹیم کی صورت میں ایک نامیاتی وجود (Organie whole) کا خاصہ اور اصل الاصول ہے۔ یہ ایک سائنسی حقیقت ہے کہ یہ کائنات ایک باہمی تعاون واشتراک (Bio-Friendly) کے

اصول پر مبنی ہے۔ اس میں توازن وتفوق واضح اور احسن انداز میں پایا جاتا ہے۔ جبکہ اس کے برعکس عمل کھینچا تانی اور مسابقت کے نتیجے میں کائنات کا نظام اس طریق پر نہیں چل سکتا جس میں تعاون اور اشتراک نہ پایا جاتا ہو۔ ایسے حالات میں مرد وزن کے درمیان محاربانہ تصورات وخیالات پر ایمان رکھنے والوں (Feminists) کو اپنے ان خیالات وافکار کی بنیادوں پر نظرِ ثانی کرنے کی ضرورت ہے۔

مسلم معاشروں میں بالخصوص مرد وزن کے درمیان یہ کشمکش اور محاربانہ عمل یکطرفہ انداز میں چلانا ممکن نہیں۔ اصلاحِ احوال کی تمام تر کوششوں کو ایک دوسرے کے تعاون اور جذبۂ خیر کے ساتھ سرانجام دینے کی ضرورت ہے کیونکہ مسلمان مرد اور عورت کو ایک دوسرے کا مددگار/ کامریڈ بتایا گیا ہے (سورۃ التوبۃ، ۹:۷۱۔ اور حدیث سنن ابوداؤد نمبر ۲۰۴)۔ اس لحاظ سے مرد وزن ان تمام امور کی انجام دہی کے لیے جو انسانیت کی بھلائی اور نسلِ انسانی کی خیر وفلاح کے لیے ضروری ہیں! ایک دوسرے کے لیے تعاون واشتراک کے ضرورتمند ہیں، تاہم اس کے ساتھ ساتھ اس امر کا ادراک اور شعور نہ صرف ضروری ہے بلکہ اس پر خلوصِ نیت کے ساتھ عمل پیرا ہونا بھی اسی قدر ضروری ہے کہ طبقہ اناث ایک ایسے اچھوتے وجود کی حامل ہیں جو انسانی زندگی کو وجود میں لانے کا کائنات میں واحد اور تنہا ذریعہ ہے جس سے نہ صرف فرد کی پیدائش ہوتی ہے بلکہ افراد باہم مل کر خاندان، قبائل/ ذاتوں کی شکل میں تہذیب وتمدن کا روپ دھار لیتے ہیں۔ مرد وزن ایک دوسرے سے حیاتیاتی طور پر مختلف ہونے کے باوجود ایک دوسرے کے ہر ہر پہلو سے مساوی اور برابر ہیں۔ **اگرچہ خواتین مردوں کی طرح نہیں اور نہ ہی انہیں مرد بننے کا خواہاں ہونا چاہیے کہ انہیں عزت واحترام حاصل ہو۔ ان کی اپنی ایک انفرادی ہستی اور تشخص ہے، وہ خاتون ہیں۔ اس نقطہ نظر سے مرد وزن کے درمیان تقابل وتحارب کا سوال ہی پیدا نہیں ہونا چاہیے۔ وہ ایک دوسرے کے دشمن نہیں، عورت حلیف ہے حریف نہیں!**

باب دوم:

مختلف مذاہب میں عورت کا مرتبہ و مقام

مذاہب سماوی میں عورت کا مقام

دور جدید کو اگر تضادات کا دور کہا جائے تو شاید بے جا نہ ہوگا۔ انسانوں کے درمیان مختلف سیاسی، معاشی، سماجی، تعلیمی اور زندگی کے متعدد دیگر موضوعات / پہلوؤں میں بہت اختلافات پائے جاتے ہیں۔ بالخصوص عورت کے مقام اور مرتبے کے بارے میں مختلف انتہاؤں کا وجود ایک بدیہی امر ہے۔ اس ضمن میں انسانی فکر کو ہم عورت کے مرتبہ اور مقام کو دو انتہاؤں کے درمیان پستے دیکھتے ہیں۔ اس ضمن میں ایک افسوس ناک امر یہ بھی ہے کہ خواتین بھی اپنے بارے میں بہت سے شکوک و شبہات، اعتراضات اور غلط فہمیوں میں مبتلا دکھائی دیتی ہیں۔ مغربی دنیا میں عیسائیت اور صنعت کار / لینڈ لارڈز کے درمیان ناپاک گٹھ جوڑ کی بناء پر سترہویں صدی عیسوی میں مذہب اور ریاست کے درمیان تفریق واقع ہوگئی جسے ہم سیکولر ازم کے نام سے جانتے ہیں۔ فرانس میں واقع ہونے والے اس الحادی انقلاب کے اثرات سے مسلم ممالک بھی محفوظ نہ رہ سکے اور یوں ان ممالک میں مذہبی طبقے اور آزاد خیال لوگوں کے درمیان بحث و مباحثہ کا آغاز ہوگیا اور امت مسلمہ دو متحارب اور مخالف سمتوں میں منقسم ہو کر رہ گئی۔ اگرچہ مذہبی لوگ تعداد میں بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے ناکام نہیں ہوئے تاہم دینی معلومات کی عدم موجودگی کی وجہ سے ان میں سے بہت سے لوگ بہت حد تک پسپا ہو کر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو گئے اور یوں لبرل طبقے کو کھل کر کھیلنے کا موقعہ مل گیا۔ شومئ قسمت سے قیام پاکستان کے بعد اکثر و بیشتر اس طبقے کو سیاسی قیادت پر قابض ہونے کا موقعہ ملا جس کی وجہ سے بتدریج دینی محاذ کمزور سے کمزور تر ہوتا

چلا گیا۔ ان دو انتہاؤں کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک طبقہ عورتوں کے پردے کے وجوب کا قائل ہے جبکہ دوسرا طبقہ سرتوڑ کر کوشاں ہے کہ کسی طرح عورت کو نہ صرف گھر سے باہر لایا جائے بلکہ انہیں سڑکوں پر ٹریفک پولیس کے طور پر یا دکانوں پر سیلز گرل کے طور پر لا کر کام کرایا جائے۔ اسی طرح معاشرے کا کچھ حصہ ایسے لوگوں پر مشتمل ہے جو بچیوں کو تعلیم دلانے کا مخالف ہے جبکہ ایک دوسرا طبقہ اس امر کے لیے ہر ممکن کوشش کر رہا ہے کہ مخلوط تعلیم کو عام کر دیا جائے۔

حال ہی میں ریاض اختر (۲۰۱۷ء) نے طبقہ اناث کے عروج وزوال کی داستان تاریخ کے حوالے سے بیان کی ہے۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں مختلف مذاہب اور تہذیبوں میں عورت کے مرتبہ ومقام کا جائزہ لیتے ہوئے انہوں نے بجا طور پر واضح کیا کہ یہودیت اور عیسائیت، دو ایسے مذاہب ہیں جنہوں نے (الٰہی ہدایات وتعلیم کے برعکس) طبقہ اناث کو کم تر اور ذلیل مقام دیا ہے۔ توریت/بائبل سے حواء کی آدم کی پسلی سے پیدائش کو عورت کی ذلت کا سبب سمجھا یا گیا ہے؟ اور یہود ونصاریٰ کی ان کتب کے حوالے سے ہی یہ تصور مسلم اہل علم نے بھی اپنی کتب تفسیر وترجمہ میں اختیار کر لیا جس کے اثرات موجودہ زمانے کی تفاسیر میں بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔

درحقیقت اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ طبقہ اناث کے بارے میں اس قسم کے خیالات کی تردید کے لیے نہ صرف کوشش کی جائے بلکہ صدیوں کے ذلت آمیز تصورات کی بناء پر یہ طبقہ جن حالات اور مسائل کا شکار رہا ہے، ضرورت ہے کہ انہیں بھی حل کرنے اور یوں اس مظلوم طبقے کو ذلت ونکبت سے نکالنے کی کوشش کی جائے۔ انہیں نہ صرف زیور تعلیم سے آراستہ کیا جائے بلکہ اسلام میں ان کا جو مقام ومرتبہ حقوق وفرائض ہیں، ان کی روشنی میں نہ صرف ان کی مدد کی جائے بلکہ صدیوں سے وہ جس ظالمانہ نظام میں پس رہی ہیں، انہیں اس سے نجات دلانے کی بھرپور کوششوں کا آغاز کیا جائے۔ اس باب میں ہم نہایت مختصر انداز میں ایسے تمام نعروں کے پس منظر سے آگہی حاصل کریں گے جو طبقہ اناث کے

بارے میں عالمی سطح پر مساوات مرد وزن کے داعی خواتین وحضرات حالیہ دور میں پیش کر رہے ہیں۔ مزید برآں اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ حال ہی میں ہم نے وطن عزیز میں بھی اس ذہن رکھنے والوں کے خیالات کا بھی جائزہ لیا ہے جو اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لئے یہ لوگ مختلف اقسام کے شکوک وشبہات اور اعتراضات کے ذریعے وقتاً فوقتاً اٹھاتے رہتے ہیں (محمد آفتاب خان ۲۰۱۸ء)۔ ہم دیانت داری سے یہ کہتے ہیں کہ پاکستان میں اس ذہن کی خواتین اور مردوں کے اس قسم کے خیالات قرآن وحدیث نیز سیرت طیبہ سے آگہی نہ ہونے کی بناء پر کیے جاتے ہیں بلکہ ان کے اس قسم کے تمام تر خیالات کا منبع ومصدر، یہودیت ونصرانیت کے ان تحریف شدہ خیالات کا عکس ہے جو ان کی موجودہ کتب میں پائے جاتے ہیں جن کی الہامی حیثیت اب مستند نہیں رہی۔

ہمیں یقین ہے کہ اگر قرآن وحدیث کی روشنی میں ایک مرتبہ ان اعتراضات کی حقیقت سے وہ آگاہ ہوگئے تو وہ نہ صرف مطمئن ہوجائیں گے بلکہ وہ اللہ رب العزت کے شکر گزار بھی ہوں گے کہ اسلام نے طبقہ اناث کو ایک بہت ہی عزت اور مبنی بر عدل مقام و مرتبہ سے روشناس کرایا ہے۔

دنیا کے مختلف مذاہب/تہذیبوں میں طبقہ اناث کا مقام ومرتبہ: طائرانہ جائزہ:

تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ ہر دور اور تہذیب میں عورت کے وجود کو تسلیم ہی نہیں کیا گیا اور یوں انہیں ایک باعزت مقام حاصل نہیں رہا۔ ایک عامی کے خیالات کا تو کیا ہی کہنا، بیشتر مغربی اہل علم کے نزدیک بھی یہ سوال عرصہ دراز تک زیر بحث رہا کہ آیا عورت ایک ذی روح مخلوق بھی ہے یا نہیں؟ اور اگر وہ ایک ذی روح مخلوق ہے تو کیا وہ انسانی روح ہے یا اس کا تعلق کسی حیوانی روح سے ہے؟ اور اگر ایک انسان کی روح ہے تو مرد کی روح کے مقابلے میں اس کی روح کی کیا سماجی حیثیت ہے؟ یہ اور اسی قسم کے متعدد دیگر سوالات اور ان کے نہایت بودے اور علمی حیثیت سے عاری جوابات تھے، جو ہمیں تاریخ کے صفحات سے ملتے ہیں کہ جن کو پڑھ کر موجودہ انسان نہ صرف

حیرت زدہ رہ جاتا ہے بلکہ اس قسم کے سوال و جواب پر ان فلسفیوں اور نام نہاد عالموں کی عقل پر ماتم بھی کرتا ہے۔

یونانی اور رومن ادوار میں عورت کو اگرچہ ایک باعزت مقام حاصل تھا لیکن یہ مقام صرف چند ایسی عورتوں کو ہی حاصل تھا جو بادشاہوں/طبقۂ امرا کی جنسی خواہشات کی تکمیل کیا کرتی تھیں۔ بیشتر عورتوں کو ان معاشروں میں کسی قسم کا کوئی عزت واحترام حاصل نہیں تھا۔ یہودی، عورتوں کو گھریلو نوکرانی (Chattel) سے زیادہ حیثیت دینے کے روادار نہیں تھے۔ عورتیں، مردوں کے رحم وکرم پر زندگی گزارتی تھیں۔ مرد، انہیں اپنی مرضی وخواہش سے طلاق دیدیا کرتے تھے۔ حواء کے ''گناہِ اولین'' کی بناء پر جوان کے ربیوں پادریوں نے تورات بائبل میں تحریف کی کہانی گھڑی تھی، عورت کو ذلیل مقام حاصل تھا۔ یہودی ربی اور عیسائی پادری عورت کو ''گناہ کی پیش رو'' ''ناگزیر بدی''، اور ''شیطان کا آلہ کار'' جیسے مختلف ناموں سے پکارتے تھے۔ اسی وجہ سے عورت کو کسی قسم کا کوئی باعزت اور آزاد مقام حاصل نہ تھا۔ وہ اپنے خاوند کی ملازمہ/باندی سمجھی جاتی تھی۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے ظالمانہ رویہ سے بالآخر کسی ردعمل کا اظہار بھی ہوا کرتا ہے اور یہی ردعمل سولہویں صدی عیسوی میں یورپ میں ہوا جو مختلف ادوار اور احوال سے گزرتا ہوا آزادئ نسواں کے نعرے پر ختم ہوا۔ (ضمیمہ س اور ش)۔ تاہم قبل ازیں کہ ہم اس تحریک کے پس منظر اور ان اغراض ومقاصد کا مطالعہ کریں، ہم چاہتے ہیں کہ پہلے ہم اس تاریخی پس منظر اور ان مختلف النوع نعروں/اعتراضات/مطالبات کا مطالعہ کریں جو مسلم ممالک بالخصوص پاکستان میں مختلف مسلم مرد و خواتین کی جانب سے اٹھائے گئے ہیں۔ ہم نے اس کتاب میں کسی جگہ ان ''مستعار نعروں (Borrowed slogans)'' کا ذکر کیا ہے جو مغربی اہل علم کی کتب سے چرائے گئے ہیں جو دراصل یہودی/عیسائی مستشرقین کے ان خیالات سے اخذ کردہ ہیں جو ماضی بعید میں ان لوگوں نے اپنی کتابوں میں جرمنی/فرانسیسی زبانوں میں کئے تھے۔

طبقہ اناث کو ذلت ومسکنت کے تصور کا منبع ومصدر، جیسا کہ بیان کیا گیا، وہ تحریف

شدہ عبارات ہیں جو یہودیوں نے تورات میں شامل کی تھیں۔ ریاض اختر (۲۰۱۸ء) کے بقول یہودیت کے ابتدائی دور میں، عورت کو اس قدر ذلیل نہیں سمجھا جاتا تھا جیسا کہ یہودیت کے آخری دور میں سمجھا جانے لگا۔ تاہم جہاں تک عیسائیت کا تعلق ہے تو عیسائی راہبوں (Saints) نے یہودیت کی نسبت بہت زیادہ عورت کی تحقیر و تذلیل میں حصہ لیا اور ان کی زیادہ تر تعلیمات سینٹ پال (Paul) نامی شخص کی تعلیمات کے زیر اثر تھیں۔ یہ شخص اصلاً اور نسلاً ایک یہودی تھا جس کا والد اور چچا بھی یہودی تھے۔ تاہم اس نے عیسائیت کا لبادہ اوڑھ لیا۔ مغربی اہل علم نے لکھا ہے کہ یہ اپنے یہودی متشدد خیالات اور عقائد سے چھٹکارہ نہ پاسکا تھا اور یہودیت کے آخری دور میں عورتوں کے بارے میں بہت سخت رویہ رکھنے والا تھا!

ریاض اختر (۲۰۱۸ء) نے مزید وضاحت کی کہ عیسائیت تاریخی طور پر، یہودیت اور اسلام کے درمیان واقع ہوئی ہے۔ اگرچہ تینوں الہامی/ سماوی مذہب کہلائے جاتے ہیں۔ تاہم اسلام اور ان دونوں موجودہ مذاہب کی تعلیمات میں بہت زیادہ تفاوت پایا جاتا ہے۔ جبکہ یہودیت اور عیسائیت میں الہامی تعلیمات بہت حد تک مسخ کر دی گئی ہیں۔ جن کا ایک واضح ثبوت بائبل کے متعدد نسخے ہیں جو آج بھی اپنے تمام تر اختلافی بیانات کے باوجود دنیا میں مستعمل ہیں۔ تاہم قرآن کریم، وہ واحد الہامی کتاب ہے جس میں کسی قسم کی کوئی تحریف، کمی بیشی نہیں ہوئی اور وہ اس اصل حالت میں آج بھی تمام دنیا میں پڑھی اور سمجھی جاتی ہے (محمد حمید اللہ ۱۹۹۸) جس کا نزول اللہ کے آخری رسول محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ہوا تھا۔ مزید برآں قرآنی تعلیمات کی اصل عملی واحد شکل آج بھی اس اسوۂ حسنہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دیکھی جاسکتی ہے جو احادیث کی متفقہ کتب (صحاح ستہ و دیگر) میں درج ہیں جس کا مظاہرہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ۲۳ سالہ نبوت کے دور میں کیا تھا۔ اگرچہ مسلمان، عیسائیت کو ایک الہامی مذہب تسلیم کرتے ہیں لیکن عیسائیت کا بنیادی عقیدہ تثلیث اور تجرد کی راہبانہ زندگی گزارنے کے جن تصورات / عقائد پر مبنی ہے اس کی تہہ میں حضرت حواء کے

''بنیادی گناہ'' کی وجہ سے صنفِ اناث کی تذلیل کا تصور داخل کیا گیا ہے!

یاد رہے کہ عیسائیت کے عقیدے کا بہت سا دار و مدار درج بالا خیالات/عقائد کے اردگرد ہی استوار کیا گیا ہے۔ مزید برآں یہ امر بھی باعث دلچسپی ہے کہ ''حوا کے گناہِ اولین'' کا ذکر تورات/بائبل کے باب پیدائش (Creation) کا ایک اہم حصہ ہے (تفصیلات آئندہ کسی باب میں درج ہیں)۔ تاہم حیرت کی بات ہے کہ یہودی تورات کے اس باب کے مندرجات کے اب بہت زیادہ قائل اور ان پر عمل پیرا نہیں رہے جبکہ عیسائیت میں (سینٹ پال و دیگر) کی مسخ کردہ تعلیمات عیسائیت کا ایک جز ولاینفک شمار کی جاتی ہیں۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ عیسائیت میں کیوں کر اس پہلو کو بہت زیادہ اہمیت دی جاتی ہے اور عیسائی دنیا کیوں اس بارے میں بہت زیادہ حساس ہے جبکہ اس تصور/عقیدے کو اختیار کیے ہوئے صدیاں بیت گئیں اور جس کے کچھ اثرات آج بھی مسلم دنیا میں کتب و لٹریچر میں پائے جاتے ہیں؟ اس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لیے ہمیں یہودیت کی تاریخ کے ان صفحات کا مطالعہ کرنا پڑے گا جبکہ حضرت عیسیٰؑ، بذاتِ خود بنی اسرائیل (یہودیوں) میں موجود تھے (Ioan Petru Cullianu, 1986)۔ سمپسن (1936 Simpson) کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کا صنف اناث کے بارے میں رویہ بہت مثبت واضح اور مبنی بر انصاف تھا۔ انہوں نے کبھی کسی عورتوں کو حقیر نہیں جانا بلکہ آنجناب انہیں مردوں کے مساوی اور برابر سمجھتے تھے۔ تاہم ان کی زندگی میں ایک عورت پر جب زنا کا مقدمہ، یہودی مذہبی لوگوں کی جانب سے لگایا گیا۔ ◆ اور جس کا فیصلہ وہ آنجناب سے کرانا چاہتے تھے۔ چونکہ یہودی حضرت عیسیٰؑ کی مبنی بر روحی تعلیمات کی بناء پر ان سے حسد و عناد رکھتے تھے، اس لیے انہوں نے ایک جھوٹا کیس آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے ان کی اس چال کو ان پر الٹ دیا یہ کہہ کر کہ اس عورت کو پہلا پتھر وہ شخص مارے جو خود کبھی زنا کا مرتکب نہ ہوا ہو۔

◆ یہودیوں کی یہ ایک چال تھی جس کی وجہ سے وہ حضرت عیسیٰؑ کو رومی سلطنت/بادشاہ کی نظروں میں گرا کر انہیں قتل کروانا چاہتے تھے۔

چونکہ اس عمل میں ملوث ہونے سے کیا عامی کیا مذہبی پروہت، کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا تھا اس لیے یکے بعد دیگرے وہ اس ہجوم سے نکلتے رہے حتیٰ کہ مجمع چھٹ گیا (جبکہ آنجنابؑ زمین پر نظریں نیچی کیے بیٹھے رہے)۔ جب آپؑ نے دیکھا کہ سب ''مدعیانِ تقدیس عورت'' چلے گئے ہیں تو آپؑ نے عورت کو گناہ (اگر وہ ملوث تھی) سے توبہ کی تلقین کی اور اسے بغیر کسی سزا تجویز کیے جانے کو کہا۔ اس تمام واقعے سے یہودی ''علما'' اور عوام آنجنابؑ کے خلاف ہو گئے اور آپؑ کے قتل کی دوسری سازشوں میں مصروف عمل بھی۔ اسی طرح یہودی، طبقہ اناث کے کٹر مخالف ہو گئے تاہم یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسلم ممالک میں عورتوں کی تحقیر کے اس یہودی/عیسائی تصور کو پھیلانے کا کیا مقصد و مدعا ہے؟

مسلم دنیا میں عورتوں کی تحقیر کے اس قسم کے خیالات کو پھیلانے کا واضح اور اولین مقصد، مسلم خاندانی نظام کو اسی طرح تلپٹ کرنا ہے جس طرح کہ مغرب میں کیا جا چکا ہے۔ مغربی استعمار کے گزشتہ دو تین صدیوں کے مسلم ممالک پر قبضے کے نتیجے میں وہ مسلم خاندانی نظام کو بہت زیادہ نقصان نہیں پہنچا سکے تاہم اب وہ اس مقصد کو نیم سرکاری تنظیموں (NGO's) کی وساطت سے حاصل کرنا چاہتے ہیں جو اقوام متحدہ کے عالمی ادارے کے جھنڈے تلے کام کر رہی ہیں اور جو وہ مقصد ''عورتوں کی آزادی'' (Emancipation of women) اور مساواتِ مرد و زن کے گمراہ کن لیکن خوبصورت/حسین اصطلاحوں کے ذریعے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے یہ امر بہت ضروری ہے کہ مسلم امہ کی خواتین اور نوجوان نسل کی راہ نمائی کے لیے ایسے تمام موضوعات پر کھل کر بات کی جائے تا کہ وہ ان اغراض و مقاصد سے آگاہ ہو جائیں جو ان لوگوں کے پیش نظر ہیں۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ عیسائیت میں عورت (حواءؑ) کے اقدام کو ''بنیادی گناہ'' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے تاہم بائبل کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ چار انجیلوں میں آدمؑ کی پیدائش کے بارے میں ذکر نہیں۔ تاہم عورت (حواءؑ) کی پیدائش اور ان کے ''گناہ کے'' ذکر کو (توریت کے حوالے سے) بہت وضاحت کے ساتھ موجود ہے (گویا کہ یہ ''الہامی ہدایت'' ہے)۔ یہ

امر باعث دلچسپی ہے کہ تورات کے باب ''پیدائش''(Creation) میں یہ ایک بہت اہم موضوع کی حیثیت سے آیا ہے۔ ہماری اس کتاب کے باب چہارم میں ہم نے بائبل کے حوالے سے ''عورت کی پسلی سے پیدائش''(RIB theory) کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ عیسائی مذہبی راہنماؤں نے آدمؑ کی پسلی سے عورت کی پیدائش کے اس تصور کو (Flesh from my flesh) سے تعبیر کیا ہے اور اس سے یہ تصور/عقیدہ اخذ کرتے ہوئے عورت کو ''ناری'' یعنی وہ جو ''نر'' (مرد) سے اخذ کی گئی ہے، کہا ہے۔ ریاض اختر (۲۰۱۸ء) کے بقول انجیل کے چاروں مصنّفین/مرتبین (Authors / Compilers) میں لوقا وہ واحد شخصیت ہے جس نے بیوہ اور مفلوک الحال افراد کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رحم وکرم کے شفقت پر مبنی رویہ کا ذکر کیا ہے۔ جبکہ عورتوں کے بارے میں اس کے برعکس، مرقس کا رویہ نیم دلانہ رحم ربنی ہے تاہم متی نے مردوں کو عورتوں پر فوقیت اور ترجیح دی ہے۔ لیکن یہ معاملہ بہت عجیب اور گھمبیر صورت اختیار کر لیتا ہے جب ہم سینٹ پال **(اور چند مزید دوسرے سینٹس) کو دیکھتے ہیں کہ ان کا رویہ اور طرز عمل، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کے بالکل برعکس ہے** جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بتایا گیا ہے۔ ایک شخص ان مختلف قسم کے رویے اور سلوک کے بارے میں بہت پریشانی میں مبتلا ہو جاتا ہے جو وہ پال اور اس جیسے دیگر مذہبی لیڈروں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات اور رویے کے درمیان میں پاتے ہیں۔ اگرچہ پال کے حامی چند لوگوں کا یہ خیال ہے کہ عورتوں کے بارے میں پال کے سخت گیر منفی رویے کو بائبل کی تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں بلکہ ان کا تمام تر تعلق اس کی ذاتی اور انفرادی آرا اور خیالات سے ہے۔ پس ایسی تعلیمات کو کسی طور پر بھی آسمانی مذہبی تعلیمات یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کا پرتو نہیں سمجھنا چاہیے۔

اس ضمن میں یہ امر باعث دلچسپی ہے کہ بائبل (۲۲) بائیس کتب/ ابواب پر مشتمل ہے جس میں سے صرف ۱۳ کا تعلق پال کی تعلیمات پر مبنی ہے۔ اس سے یہ اخذ کیا جا سکتا

ہے کہ ۵۰ فی صد سے زائد بائبل کا حصہ پال کی تعلیمات سے اخذ کردہ ہے تاہم مزید یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان ۱۳ کتب/ابواب میں سے بھی صرف چھ پال کی تعلیمات ہیں جبکہ بقایا سات (جو بیشتر نزاعی موضوعات پر مشتمل ہیں) کا پال کے کسی ایسی شارح سے تعلق ہے جو اس نے پال کے احکامات/فرمودات کی تشریح کرتے ہوئے، از خود زائد شامل کر دیئے ہیں۔ بہر حال اس تمام تر صورت حال کی صحت یا عدم صحت پر کسی قسم کا تبصرہ کیے بغیر حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی تمام تحریریں/فرامین بائبل میں شامل ہیں اور جن پر آج تک عیسائی دنیا عمل پیرا ہے۔

یہاں ایک ضروری سوال ذہن میں آتا ہے کہ سینٹ پال کیوں طبقہ اناث کے اس قدر خلاف تھا؟۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں اشارہ کیا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے پیش کردہ عورت کے ساتھ زنا کا ایک کیس یہودیوں نے پیش کیا اور اس کیس کے فیصلے سے ناراض ہو کر یہودی ربیوں اور پال نے صنف اناث کے بارے میں ایک منفی اور متشددانہ رویہ اختیار کر لیا۔ درج بالا سوال کے جواب کے بارے میں مزید یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پال کی اپنی عائلی زندگی بہت زیادہ خوشگوار نہیں تھی۔ یہودیوں کے سخت گیر فرقے (Sanhedrin)سنیڈرھن سے تعلق کی بناء پر یہ ضروری تھا کہ وہ شادی کرے اور اس کے ہاں لڑکا بھی پیدا ہو۔ اگر چہ اس کے بارے میں عیسائیت قبول کرنے سے پہلے پال کی عائلی زندگی کے بارے میں بہت کم معلومات پائی جاتی ہیں۔ تاہم اس بارے میں بہت سے ابہام اور مسائل کا پتہ چلتا ہے۔ لیکن پال کے نیا مذہب (عیسائیت) قبول کرنے کے بعد، بتایا جاتا ہے کہ اس کی زندگی کی ڈگر یہودیت کے مطابق ہی چلتی رہی (کچھ لوگ اس شبہ کا اظہار بھی کرتے ہیں کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سب سے بڑا دشمن تھا)۔ اس نے اپنی ذات کو عورت (شادی شدہ زندگی) کے جھمیلوں سے دور رکھا .Goldberg B.Z) (1930۔ اس نے اپنے پیروکاروں کو بھی تلقین کی کہ وہ عورتوں (حتیٰ کہ بیویوں) کے ساتھ بھی جنسی تعلقات میں ملوث نہ ہوں۔ اس کا یہ قول تھا کہ ''ایک مرد (صالح) کے لیے یہ بہتر

ہے کہ وہ کسی عورت کو ہاتھ نہ لگائے۔‘‘اس کے بقول عورتوں کے ساتھ جنسی تعلق رکھنے میں وہ ان تعلقات کے ممکنہ عواقب اور ذمہ داریوں سے کوئی شخص یکسوئی کے ساتھ خدا کی عبادت نہیں کرسکتا تاہم ایک انسان کو گناہ میں ملوث ہونے اور (جہنم کی آگ میں جلنے سے بچانے کے لیے) پال نے مردلوگوں کوشادی کرنے کی اجازت دی تا کہ وہ شیطان کے وسوسوں سے بچ سکیں۔تاہم ساتھ ہی یہ تنبیہ بھی کی کہ **’’میں یہ سہولت بطور رعایت دے رہا ہوں یہ میرا حکم یعنی منشا نہیں ہے۔‘‘**____اس سے پتہ چلتا ہے کہ حکم تو جنسی اختلاط نہ کرنے کا ہے لیکن انسانوں کی سہولت کے لیے یہ اجازت اس انداز میں دی جارہی ہے جیسے وہ خود شارح قانون یعنی خدا ہو۔‘‘

پال نے مزید کہا کہ: ’’صرف آدم علیہ السلام کو اللہ نے اپنی شبیہہ اور شان کے مطابق پیدا کیا تھا اور عورت اس کی خدمت گزار کے طور پر پیدا کی گئی تھی پس ’’خاوند عورت کا سر ہے‘‘ بیوی کو اس کے تحت ہونا چاہیے جیسے کہ وہ اس کا لارڈ ہے۔جب آدم علیہ السلام اور حوا جنت میں تھے تو وہاں **عورت** نے حکم خداوندی کی خلاف ورزی کی تھی نہ کہ مرد حکم عدولی کا مرتکب ہوا تھا۔آدم فریب اور دھوکے میں نہ آیا تھا بلکہ عورت نے دھوکہ کھایا تھا اور وہ حکم خداوندی کی خلاف ورزی کی مرتکب ہوئی تھی۔اپنے اس گناہ (نافرمانی) کی وجہ سے حوا نے اپنا نام بھی گنوا دیا تھا اور یوں اسے (Woman) کہا گیا یعنی وہ مرد کی دشمن ہے۔‘‘

پال کی عورت دشمنی اور نفرت کے جذبات اس حد پر آ کر ختم نہیں ہوتے بلکہ وہ مزید کہتا ہے کہ: **’’یہ عورت تھی جو گناہ کے وجود کو دنیا میں لانے کا سبب بنی۔اور وہ اور اس کی بیٹیاں ہمیشہ کے لیے انسان (مرد) کی خرابی اور موت کا سبب رہیں گی۔** خداوند کو اپنے بیٹے کو صرف اس لیے قربان کرنا پڑا تا کہ وہ دنیا کو محفوظ رکھ سکے اس آفت سے جس میں اسے دھکیلا جا رہا تھا۔‘‘

ایک بچے کی پیدائش بھی جو عیسیٰ علیہ السلام کو بہت محبوب ہوتا ہے، پال کی نظر میں ایک ناپسندیدہ فعل ہے کیونکہ ’’ایک بچے کی پیدائش بھی ایک ایسے فعل (مباشرت) کی رہین

منت ہے جو خداوند کے بندوں کی شان کے مطابق نہیں۔اسی لیے ایک بچے کی حیثیت ایک ناپاک اور ناپسندیدہ شے کی ہے اور چونکہ وہ ایک ناپسندیدہ گناہ کی وجہ سے دنیا میں آتا ہے وہ کس طرح پاک و صاف ہوسکتا ہے جس کی پیدائش ایک عورت سے ہوتی ہے؟''

درج بالا خیالات سے جو پال نے کہے، یہ بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے عورت اور اس کے ساتھ متعلقہ ہر شے کی کس قدر مذمت کی ہے۔عیسائی دنیا میں پال کے ان خیالات کے مضمرات اور اثرات اس قدر گھمبیر اور دور رس ہیں کہ انہیں کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اس کے ناقدین کا یہ خیال ہے کہ وہ بحیثیت یہودی عیسیٰ علیہ السلام کا سخت ترین دشمن تھا لیکن اس نے دعویٰ کیا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسے ایک خواب میں نظر آئے تھے جنہوں نے اسے ہدایت کی تھی کہ وہ عیسائیت میں ان خیالات کی تبلیغ کرے۔بظاہر وہ اس حکم کی تعمیل ہی میں سے سب کچھ کر رہا تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ، عیسائیت قبول کرنے کے بعد، اس تعلیم میں اپنے یہودی خیالات کو بھی شامل کرتا جارہا تھا۔ وہ بدستور اپنی عملی زندگی اور فکر کے لحاظ سے ایک یہودی رہا۔وہ اپنی زندگی میں تورات کی تعلیم سے بہت زیادہ متاثر اور عمل پیرا نظر آتا ہے اور ہمیشہ اس امر پر فخریہ انداز میں کہا کرتا تھا کہ بطور ایک یہودی وہ خداوند کا لاڈلا اور منظورِ نظر ہے اور یوں وہ آخرت میں خداوند کے اس انعام کا مستحق ٹھہرایا جائے گا۔'' (ریاض اختر، ۲۰۱۷)۔اس قسم کے تمام تر تنقیدی اور عجیب خیالات کے باوجود امر واقعہ یہ ہے کہ عیسائی دنیا میں اس کا اثر اس قدر مضبوط اور دور رس مضمرات کا حامل ہے کہ عورت کے مقام و مرتبہ اور ذمہ داریوں کے موضوع پر ان خیالات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

اسی طرح عیسائیوں کا ایک اور سینٹ ہے جس کی تعلیمات اور خیالات سے بھی عیسائی دنیا کو کسی قسم کا مفر نہیں ہوسکتا۔اس کا نام سینٹ تھامس ایکوانا (Thomas Aquina) ہے۔اس کے خیالات و افکار کو عورت کے مرتبہ اور مقام کے بارے میں اس قدر اہمیت حاصل ہے کہ عیسائی مذہبی دنیا ان خیالات سے ۴۰۰ سال تک پیچھا نہ چھڑا سکی۔اس کا

موقف ہے کہ چونکہ عورت کی پیدائش آدم علیہ السلام کی پسلی سے ہوئی ہے، اس لیے وہ انسان کے ساتھ ملنے پر طبعاً مجبور محض ہے۔ تاہم چونکہ وہ آدمی/مرد کی پارٹنر (رفیقہ) اس حد تک ہوتی ہے جب تک کہ اس کی جبلت جنسی کا تقاضہ ہوتا ہے یعنی جنسی خواہش کی تکمیل اور اولاد کی پیدائش۔ اس کے خیال کے مطابق چونکہ ایک مرد خاندانی نظام کا سربراہ ہوتا ہے، اس بناء پر اس کا اختیار ہوتا ہے اور ''چونکہ ایک مرد مباشرت میں فاعل کی حیثیت رکھتا ہے اس لیے مرد کی جنس غالب اور اعلیٰ حیثیت کی حامل ہے!''

پروٹسٹنٹ فرقے کا ظہور:

عیسائیوں کے مختلف سینٹس کے صنف اناث کے خلاف اس قدر شدید منافرانہ جذبات اور خیالات جو بہت حد تک رومن کیتھولک چرچ کے غیر فطری اور غیر انسانی جذبات سے مملو تھے، کے خلاف ردعمل ہوا۔ ایک جرمن عیسائی لیڈر مارٹن لوتھر (۱۴۸۳ تا ۱۵۴۶) نے اس تشدد اور ظالمانہ رویہ اور ان خیالات کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی جس نے جلد ہی ایک احتجاجی فرقے (Protestanism) کے طور پر جنم لیا۔ اس کے نتیجے میں رومن کیتھولک چرچ کے بہت سے غیر فطری اور غلط اقدامات کے خلاف مارٹن لوتھر نے علم بغاوت بلند کیا جس میں اہم ترین مذہبی لیڈروں کی شادی پر پابندی کا دستور تھا۔ اس نے از خود بڑھ کر اس کی خلاف ورزی کی اور ایک عورت کے ساتھ شادی رچالی۔ یوں وہ عیسائی دنیا میں ایک ایسے مصلح کے طور پر ابھرا جس نے نکاح کے ادارے پر پابندی کے خلافِ فطرت طریقہ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ اگرچہ وہ رومن کیتھولک چرچ کی تمام تر نام نہاد مذہبی تعلیمات سے نجات حاصل نہ کر سکا۔ تاہم اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ رومن کیتھولک چرچ کو مذہبی لیڈروں پر شادی نہ کرنے کی پابندی کو منسوخ کرنا پڑا۔ وہ از خود شادی/نکاح کی حوصلہ افزائی کرنے لگے تاکہ ایک خاندان وجود میں آ سکے جو کہ اس سے قبل مذہبی لیڈروں (پوپ پادریوں وغیرہ) کے لیے ممکن نہ تھا۔ اگرچہ بعد میں لوتھر بھی چرچ کے موقف کا حامی رہا ہے کہ مرد کو خداوند نے عورت پر فضیلت اور بڑائی دی ہے تاہم اس کی

بغاوت کی وجہ سے کیتھولک چرچ کے لیے اپنے بہت سے طریقوں اور روایات میں تبدیلی لانا ناگزیر بن گیا اور یوں ان کی سوچ میں ایک خوشگوار تبدیلی کی وجہ سے عیسائی دنیا کو اپنی زندگی میں تازہ ہوا کے جھونکے مل سکے۔ مارٹن لوتھر نے مزید اس امر کی وکالت بھی کی کہ مذہب کی تبلیغ و اشاعت کا کام صرف مردوں کا ہی فریضہ نہیں بلکہ کوئی بھی پاک باز مرد یا عورت اس کام کو سرانجام دینے کی اہل ہے۔ اسی طرح طلاق دینے پر پابندی اور طلاق کے بعد دوسری شادی کرنے کی اجازت بھی مختلف پروٹسٹنٹ چرچوں نے دینی شروع کی۔ پس یہ کہا جاسکتا ہے کہ سینٹ پال نے رومن کیتھولک چرچ میں صنفِ اناث کے خلاف جس سخت گیر اور متشدد رویے کی طرح ڈالی تھی، اس میں کمی واقع ہوئی اور یوں مارٹن لوتھر عیسائی مذہب میں ایک مصلح کے طور پر کامیاب ہوا (ریاض اختر ۲۰۱۷ء)۔ کیتھولک چرچ کے اس غیر انسانی اور غیر فطری طرزِ عمل کے بارے میں سید مودودی (۱۹۹۸ء) نے یہ تبصرہ کیا کہ **''صرف یہی ایک ایسا طریقہ تھا ایک غیر فطری جنسی جبلت پر پابندی کو دور کرنے کا۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ اپنی جنسی جبلت کے تقاضوں کی فطری طور پر تسکین نہ کرسکتے ہوں، وہ خفیہ طور پر گناہوں میں ملوث ہوجاتے ہیں جبکہ مارٹن لوتھر جیسے لوگ بغاوت کرنے پر آمادہ ہوجاتے ہیں''** ـــــ عیسائی دنیا کی ناروا پابندیوں اور اصلاحی اقدامات جان لینے کے بعد یہ کہا جاسکتا ہے کہ انسانیت ابھی تک جنسی جبلت اور طبقہ اناث کے بارے میں دو انتہاؤں کے درمیان ہچکولے کھا رہی ہے۔ ضرورت ہے کہ ہم اس سلسلے میں مزید معلومات حاصل کریں۔

انیسویں صدی عیسوی کے اواخر میں طبقہ اناث نے بتدریج ان ناروا اور غیر فطری پابندیوں سے اپنے آپ کو آزاد کرنا شروع کیا جو عیسائیت نے غیر اخلاقی اور غیر فطری طور پر جنسی جبلت پر لاگو کر رکھی تھیں۔ سید مودودیؒ نے اپنی کتاب پردہ (۱۹۹۸ء) میں لکھا کہ ''اٹھارویں صدی عیسوی میں یورپ کے اہلِ علم اور فلاسفروں نے معاشرے کی فرد پر ناروا پابندیوں کے خلاف جب آواز اٹھانی شروع کی اور یوں فرد کی آزادی کا نعرہ بلند کیا۔ انہوں

نے انسانی زندگی کے اس غیر اخلاقی اور غیر فطری طریق کار کے خلاف آواز بلند کی تھی جو عیسائی راہبوں کے نام نہاد مذہبی پابندیوں اور فیوڈل لارڈ (طبقہ امراء) کے ناپاک گٹھ جوڑ کے نتیجے میں ظہور پذیر ہوا تھا۔ تجدید اصلاح کلیسا (Renaissance) کے ان علمبرداروں نے جب یورپ کے اس غیر اخلاقی اور غیر فطری فکر کے خلاف علم بلند کیا، وہ دراصل یورپ میں انقلاب فرانس کی شکل میں منتج ہوا کہ اس کے بعد مغربی تہذیب نے اس جانب نہایت تیزی کے ساتھ دوڑنا شروع کر دیا اور جو بالآخر اس مرحلے میں داخل ہوگئی جسے موجودہ زمانے میں ترقی اور روشنی کا عہد جدید (Progress and enlightment) کہا جاتا ہے۔'' اسی دوران دنیا میں دو ایسے واقعات ظہور پذیر ہوئے جنہوں نے جدیدیت اور روشن خیالی کے اس تصور کے لیے مہمیز کا کام سرانجام دیا اور بالآخر اس تہذیب جدید نے مغربی دنیا کو ایک ایسی انتہا کی جانب دھکیل دیا جس کی نہایت بے ہنگم اور مادر پدر آزادی کے نقطہ نظر سے انسانی تاریخ میں کوئی نظیر نہیں ملتی (Rizvi, SSA 1980)۔ ان دو واقعات کا تعلق یورپ میں صنعتی انقلاب اور دو جنگ عظیم سے ہے۔

یورپ میں صنعتی انقلاب (۱۷۶۰ء تا ۱۸۴۰ء) نے مغربی عورت کو اپنی مشکل ترین حالات سے دوچار کر دیا جس کی نظیر تاریخ انسانی میں ڈھونڈے نہیں ملتی۔ اسی طرح دو عظیم جنگوں کے نتیجے میں، لاکھوں یورپی اور امریکی نوجوان مرد مارے گئے اور یوں ان کے خاندان دنیا میں بے یارومددگار رہنے پر مجبور ہو گئے۔ اس بناء پر عورت کو اپنی نیز دیگر افراد خانہ (ماں/باپ، بچوں) کی زندگی بچانے کے لیے گھر سے باہر نکل کر تگ ودو کرنی پڑی۔ ان اہل خانہ میں وہ زندہ بچ رہنے والے خاوند/بھائی بھی شامل تھے جو جنگ کی تباہ کاریوں کی وجہ سے نہ صرف جسمانی طور پر معذور ہو گئے تھے بلکہ ذہنی اور نفسیاتی طور پر بہت کسمپرسی کی زندگی گزارنے پر مجبور بھی!۔ ان حالات نے عورت کو مجبور کیا کہ وہ گھر سے باہر نکلے۔ چونکہ صنعتی ادارے اور کارخانے شہروں میں تھے، اس لیے مزدوری اور کام کاج کے لیے عورت کو گاؤں/دیہات سے نکل کر شہروں میں کارخانوں کے نزدیک رہنے پر مجبور ہونا پڑا۔

آبادی کے اس تبادلے (Urbanization) کی وجہ سے بہت دور رس مضمرات کا ظہور ہوا جس میں متعدد سماجی، دینی، معاشی اور اخلاقی مسائل کا ایک لامتناہی سلسلہ شامل ہے۔

بڑے شہروں میں رہنے والے باسی، ایک دوسرے سے بہت زیادہ مانوس اور متعارف نہیں ہوتے کہ وہ دور دراز مختلف علاقوں سے آتے ہیں۔ ایسے حالات میں عورت کو شہروں میں ایسی حالت میں رہنا پڑا جہاں گھر میں کوئی مرد ان کی دیکھ بھال کے لیے موجود نہیں تھے (کہ وہ تنہا کام کاج کے لیے آیا کرتی تھیں)۔ اس کی وجہ سے مرد وزن کے اختلاط سے بہت سے اخلاقی مسائل پیدا ہوئے۔ مرد وزن کو بآسانی مواقع حاصل ہوئے کہ وہ اپنی جنسی جبلت کے تقاضے ایک دوسرے کے ساتھ پورا کرلیں ایسے حالات میں کوئی بھی فرد، خاندان کے دیگر جھمیلوں کو برداشت نہیں کرسکتا جبکہ جبلت جنسی کا یوں ایک ایسا آسان طریقہ دستیاب ہو۔ صنعتکار نے بھی طبقہ اناث کی اس کمزوری سے بہت زیادہ ناجائز فائدہ اٹھایا۔ انہوں نے نہ صرف ان سے کم اجرت پر زیادہ کام لیا بلکہ جب اور جہاں موقعہ ملا، انہیں اپنی جنسی ہوس کا نشانہ بنانے سے بھی نہ چوکے۔ ایسے عالم میں ''روشن خیال فرانسیسی دانشوروں / فلاسفروں'' کے اس پرچار کو بھی بہت پذیرائی حاصل ہوئی کہ جبلت جنسی کی تسکین بھی بالکل اسی طرح (بلا کسی اخلاقی پابندی/ جھجک / پشیمانی) کی جاسکتی ہے جس طرح ایک انسان کو جب بھوک پیاس لگتی ہے تو وہ کھا پی کر اس احتیاج کو پورا کرلیتا ہے۔ ''روشن خیالی'' کی اس دلیل نے گویا اخلاقی برائی کو جواز عطا فرمادیا اور یوں خاندان/ شادی/ نکاح کے ادارے کو بہت بڑا دھچکا لگا۔ ادھر سینٹ پال اور اسی ذہن کے متعدد عیسائی مذہبی لیڈروں کی نکاح ثانی پر خود ساختہ پابندیوں نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ یوں مغربی مرد / عورت، اپنی جبلت جنسی کی تسکین کے لیے کوئی دوسرا اخلاقی ذریعہ نہ پاکر اس سیلاب کی رو میں اس طرح مجبور ہوگئے جس میں تمام تر مذہبی پابندیاں اور اخلاقی حس بھی خس وخاشاک کی طرح بہہ کر رہ گئیں!

صنعتی انقلاب کے کڑوے پھل اس شکل میں ظاہر ہوئے کہ طبقہ اناث کو بہت زیادہ

وقت کام کرنا پڑا، ان کی عزت نفس شرم وحیا، اورشرفِ انسانیت پامال ہوا۔ ان حالات نے مغربی عورت کو اس امر پر مجبور کیا کہ وہ اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرے۔ یوں احتجاج، جلسے جلوسوں، بائیکاٹ کی ایک لہر نے میڈیا میں جنم لیا جس کے نتیجے میں عورتوں کو مردوں کے برابر حق معاوضہ ملنا شروع ہوگیا تاہم مکمل مساوات اورآزادی کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا (تفصیل کے لیے دیکھئے باب دہم) تاہم یہ امر مردوں کے لیے ایک طرح سے بہت فائدہ مند ثابت ہوا۔ انہوں نے نہایت چالاکی اور ہوشیاری سے روزی کمانے کے عورتوں کے حق کو یوں استعمال کیا کہ وہ خواتین کے نان نفقہ کا حق ادا کرنے سے نہ صرف دستبردار ہوگئے بلکہ ان پر دہرا بوجھ (گھریلو کام کاج اور بچوں کی پیدائش و دیکھ بھال کی ذمہ داری) بھی ڈال دیا کہ وہ اپنی یہ ذمہ داریاں بھی نوکری کے بعد پوری کریں۔ اس المناک صورت حال کا نقطہ عروج یہ ہے کہ مغربی مرد، طبقہ اناث کی اس دہری خدمت کو پرکاہ اہمیت نہیں دیتا۔ وہ ان کا شکر گزار نہیں ہوتا، وہ ان کے نان نفقے، لباس، صحت اور بھلائی کا کسی طور بھی ذمہ دار نہیں ہوتا اور خواتین کے اس تعاون واشتراک کے بارے میں نہایت ڈھٹائی سے کہتا ہے کہ **(Just Helping) یعنی ''وہ صرف معمولی سی مدد کر رہی ہے!''____ مغربی تہذیب سے آگاہ لوگ ان دو الفاظ پر مبنی طنزیہ تشکر کی کاٹ کے مضمرات سے بخوبی آگاہ ہیں۔**

درج بالا گفتگو ہمیں درج ذیل ان چند نتائج پر غور وفکر کی دعوت دیتی ہے جو ہم نے مغربی/عیسائی اہل قلم اور دانشوروں کے خیالات سے اخذ کیے ہیں۔

O___ عورت (حواءؑ) کی آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدائش کی تھیوری کی بناء پر عورت ایک ثانوی اور کم تر حیثیت کی حامل ہے۔ انسان (آدم علیہ السلام) کی زندگی کا ایک اہم حصہ ہونے کے باوجود وہ مردوں جیسی عقل و فراست نہیں رکھتی اور یوں اختیارات وحقوق میں مرد سے کم تر حیثیت کی حامل ہے!

O___ تورات میں عورت (حواءؑ) کو خداوند کے احکامات کی خلاف ورزی اور قصور کا ذمہ دار

ٹھہرایا گیا ہے۔ ممنوعہ درخت کا پھل نہ صرف خود کھانے پر بلکہ اپنے شوہر (آدم علیہ السلام) کو بھی ورغلانے کی بناء پر جسے عورت کا ''اولین اور اصل گناہ'' (Original sin) کہا جاتا ہے۔

O___ درج بالا ''اولین اور اصل گناہ'' کی بناء پر خداوند کو عورت سے ناراض ہو کر دائمی سزا دینی پڑی کہ ''میں تمہاری حالت حمل میں تکلیفوں/ دردزہ (Labour Pains) میں اضافہ کروں گا، تم اپنے خاوند کی محتاج رہو گی اور وہ تم پر ہمیشہ حکمرانی کرے گا۔''

O___ یہودی لٹریچر میں حضرت حواءؑ کی پیدائش سے قبل للّی ایتھ (Lilith) اور پنڈورا (Pandora) نامی عورتوں کے کردار کا ذکر پایا جاتا ہے۔

O___ عیسائیت (ضمیمہ س،ش) کی تعلیمات کے مطابق، کوئی عورت مذہبی تعلیم دینے کی مجاز نہیں کیونکہ وہ مردوں سے کم تر حیثیت کی حامل ہے۔

O___ تورات میں متعدد خواتین کے نام گنوائے گئے ہیں جو رسول اور پیغمبر بنائی گئی تھیں۔

O___ عورت و مرد کے درمیان رشتہ نکاح (شادی/ بیاہ) کو خداوند سے تقویٰ اور خدمت کے منافی قرار دیا گیا ہے۔

O___ انسان کے لیے زندگی گزارنے کا بہترین طریقہ تجرد (غیر شادی شدہ حالت) ہے۔

O___ طلاق ایک ممنوعہ فعل ہے۔

O___ مذہبی امور میں مشغول افراد کے لیے عورت سے تعلق ممنوع ہے۔

O___ عورتوں کے لیے اپنے شوہروں کی غیر مشروط مکمل اطاعت، بہت ضروری ہے۔

O___ عورتوں کو مذہبی معاملات/ تعلیمات کی مجالس میں دخل اندازی نہیں کرنی چاہیے۔

O___ بطور عورت (حواءؑ) کو تمام گناہوں کا ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے جبکہ مریمؑ، تین خداؤں میں سے ایک خدا کا مرتبہ رکھتی ہیں (Trinity) اس ضمن میں ہماری نظر سے ایک بہت ہی قابل قدر کتاب ''کلیسا میں اذان'' از ڈاکٹر جویریہ شجاع صاحبہ جو آسٹریلیا

میں مقیم ہیں، نظر سے گذری۔ موصوفہ نے قرآن کی تفسیر (تفہیم القرآن از سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ) اور احادیث کی متعدد کتب سے اخذ کر کے عیسائیت کے موضوع پر بہت ہی گرانقدر معلومات پیش کی ہیں!۔ کتاب کے آئندہ ابواب میں ہم ان تمام امور پر کسی قدر تفصیل کے ساتھ گفتگو کریں گے۔

باب سوم:

اسلام میں عورت کا مقام اور خاندانی نظام

گزشتہ صفحات میں دنیا کے دو اہم مذاہب (یہودیت اور عیسائیت) میں عورت کے مرتبہ اور مقام کا مطالعہ کرنے کے بعد، اب ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم اسلام میں عورت کے مرتبہ و مقام اور خاندانی نظام کے بارے میں بھی مختصر معلومات حاصل کریں۔ اگرچہ اس موضوع پر متعدد اہل علم نے تفصیلاً لکھا ہے۔

اسلام میں خاندانی نظام کی بنیاد توحید باری تعالیٰ کے عقیدے پر استوار کی گئی ہے۔ چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات گرامی تمام کائنات کی خالق اور مالک ہے بشمول انسان کے، اس لیے اللہ کے نزدیک تمام انسان مساوی اور یکساں حیثیت رکھتے ہیں۔ س امر کی مزید تصریح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات سے ہوتی ہے جنہوں نے فرمایا کہ کل مسلم اخوۃ۔

دنیا کے دیگر ادیان، تہذیبوں میں خاندان کے ادارے کی تشکیل ذات، برادری، قبیلے، خونی رشتے، رنگ اور جغرافیائی بنیادوں پر کی جاتی ہے، جبکہ اسلام میں مسلم سوسائٹی کی بنیاد عقیدہ توحید پر رکھی گئی ہے۔ دو صنفوں سے تعلق رکھنے والے افراد جو اسلامی تعلیمات پر ایمان رکھتے ہیں، ان کا ایک دوسرے سے نکاح ہوسکتا ہے بشرطیکہ وہ دو گواہوں کی موجودگی میں ایک دوسرے کو بطور زوجین قبول کرنے کا اعلان کردیں۔ اس سادہ شکل کے اظہار کے لیے کسی مذہبی راہ نما (مولوی / پیر وغیرہ) کی ضرورت نہیں۔ اسلام میں ایک بالغ نوجوان لڑکے کا یہ حق گردانا گیا ہے کہ وہ کسی بالغ لڑکی کے لیے نکاح کا پیغام دے اور بالکل اسی طرح ایک بالغ لڑکی کا یہ حق بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے قبولیت کا اظہار کردے۔ تاہم ایک بالغ کنواری لڑکی کے لیے اپنے رفیق حیات کے انتخاب کے لیے

اسے اپنے والد یا گارڈین کی منظوری ضروری قرار دی گئی ہے جو اسے مشورہ/ نصیحت دے سکتے ہیں یا اس کے لیے کسی مناسب رشتے کی تلاش کر سکتے ہیں لیکن بالآخر شادی/ نکاح کا حتمی فیصلہ کرنے میں بالغ لڑکا اور لڑکی کی آزاد ہیں۔ مزید برآں، اللہ کے رسول ﷺ نے ہر دو کو نصیحت کی ہے کہ نکاح سے قبل وہ ایک دوسرے کو دیکھ لیں۔ (ابوداؤد ۲۰۸۲، ترمذی: ۱۰۸۷، مسلم: ۱۴۲۴)

اسلام میں خاندانی نظام سے متعلق چند بنیادی امور:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے سب سے پہلا مرد (آدم علیہ السلام) اور عورت (حواءؑ) کو پیدا فرمایا۔ ہر دو کو زمین میں اپنی نیابت/ خلافت کے لیے بھیجا جانا مقصود تھا ان احکامات اور اصولوں کے مطابق جو اللہ تعالیٰ نے انہیں دینے تھے۔ زمین پر اپنا ارضی خلیفہ بنا کر بھیجنے سے قبل ان دونوں کو آزمائش/ امتحان کی خاطر جنت میں رکھا گیا کہ وہ ایک خاص درخت کے نزدیک نہ جائیں تاہم وہ **دونوں** اس حکم کی تعمیل نہ کر سکے لیکن **انہوں** نے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ تبارک تعالیٰ سے معافی طلب کی جو اللہ رب العزت نے انہیں دے دی۔

قرآنی رو سے آدم علیہ السلام وہ پہلے آدمی تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے راہ نمائی کا منصب عطا فرمایا کہ وہ اس ہدایت کو بطور پیغمبر اپنی اولاد کو سکھائیں، اس کے متعدد مضمرات تھے۔ (سید مودودی: ۱۹۹۹ الف)(Khurshid Ahmed 1999) زمین پر نیابت/ خلافت کا یہ مقام اور کردار ہر دو اصناف (مرد وعورت) کو عطا ہوا جو ان دونوں کے درمیان مساوات کی بنیاد ہے۔

انسان کو اس دنیا میں مکمل طور پر خطا اور غلطی سے مبرا کر کے نہیں بھیجا گیا۔ وہ غلطی کا پتلا ہے تاہم اس کی معافی کی یہ صورت ہے کہ وہ غلطی کے ارتکاب پر اصلاح احوال کے لیے توبہ کرتا ہے اور یوں اللہ رب العزت سے صراطِ مستقیم پر چلنے کی درخواست کرتا ہے۔ قرآن کریم نے اس بارے میں واضح کر دیا ہے کہ دنیا میں ہر دو اصناف کے افراد کو وہی کچھ

ملے گا جس کے لیے وہ دنیا میں کوشاں ہوں گے۔ دنیا میں انسان (عورت اور مرد) کی زندگی ایک آزمائش اور بطور امتحان ہے جس کا وقت معین ہے۔ دنیا میں زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی ہے (آخرت) جہاں انہیں اپنی دنیوی زندگی کے دور میں کئے گئے افعال و اعمال کا حساب دینا ہوگا۔ اور اس کے حساب سے انہیں سزا یا جزا ملے گی۔

آخرت میں حساب اور جوابدہی میں ہر دو اصناف (بطور میاں/ بیوی) اپنے اپنے (انفرادی) طور پر جواب دہ ہوں گے۔ کوئی ایک دوسرے کے اعمالِ دنیا کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جائے گا۔ نیز کسی فرد کو بھی اس کی جنس (مرد یا عورت) کی بناء پر کوئی جزا یا سزا نہیں دی جائے گی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی مخلوق کے ساتھ مساوی اور مبنی بر انصاف سلوک کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں ہر دو اصناف کے لیے عبادات اور فرائض یکساں ہیں۔ **اسلام کی نظر میں عورت کی اپنی انفرادی حیثیت ہے اور وہ ایک ذمہ دار شخصیت کی مالک ہے۔** گزشتہ باب میں طبقہ اناث کے بارے میں یہودیت اور عیسائیت میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے، وہ ان شواہد کی روشنی میں بالخصوص قابلِ غور ہیں۔

انفرادی طور پر عورت ایک ذمہ دار حیثیت سے اس امر کی ضرورت مند / محتاج نہیں کہ وہ کسی بھی مرد (باپ، خاوند، بھائی) کی دست نگر ہو۔ اسی طرح عقیدے (اسلام) کو اختیار کرنے میں بھی وہ کلی طور پر با اختیار ہے کیونکہ عقیدہ اختیار کرنے کے لیے وہ کسی دوسرے کی مدد کی محتاج نہیں۔ (محمد قطب ۱۹۷۲ء)۔ واضح رہے کہ اسلام ایک واحد نظامِ حیات ہے جس نے صنف اناث کو کلی طور پر ایک آزاد اور خود مختار حیثیت دی ہے اس امر کی صراحت کے ساتھ کہ وہ دنیا اور آخرت میں کاملیت کے حصول کے لیے علم و عمل کی ضرورت مند ہے۔ حصول تعلیم ایک ایسا فرض ہے جس کا حصول مرد اور عورت ہر دو پر فرض قرار دیا گیا۔(Hassan Turabi 2000)

درج بالا تصریحات کے بعد، اسلام میں خاندانی نظام کا تفصیلی مطالعہ کرنے سے پہلے یہ ضروری محسوس ہوتا ہے کہ ان چند اعتراضات اور غلط فہمیوں کا جائزہ لیا جائے جو مستشرقین

نے گزشتہ کئی صدیوں سے پھیلائے ہوئے ہیں اور جس کے دامِ ہمرنگ زمین میں بہت سے پڑھے لکھے لوگ، مختلف اسلامی ممالک بالخصوص پاکستان میں پائے جاتے ہیں جو اس قسم کے خیالات کا پرچار بھی کرتے رہتے ہیں۔ تاہم ہماری اس کوشش کے مخاطب، تمام دنیا میں رہنے والے عام انسان ہیں جو اسلامی تعلیمات کو جاننے کے خواہش منداور متلاشی ہیں کہ مسلمانوں کا خاندانی نظام دراصل کیا ہے۔ رہے مغرب کے دانشوراور پڑھا لکھا طبقہ جو اسلام کا مطالعہ رنگین عینک کی مدد سے ان شکوک وشبہات کیساتھ کرنا چاہتا ہے جو مستشرقین اور یہودی / عیسائی راہبوں / ربیوں نے ازمنۂ قدیم سے پھیلائے ہوئے ہیں، ہم ان سے صرف نظر کرتے ہیں۔ ہمیں ایسے نام نہاد اہل علم کا دروازہ کھٹکھٹانے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں!

مغرب میں اسلامی تعلیمات پر غلط فہمیوں کا طائرانہ جائزہ:

مغرب میں مستشرقین کی ایک معتد بہ تعداد مختلف موضوعات کے بارے میں شدید غلط فہمیوں کا شکار نظر آتی ہے کیونکہ ان کے اعتراضات کا جائزہ لینے پر محسوس ہوتا ہے کہ وہ اکثر اپنی ہی کہی بات کی کسی جگہ خود ہی تردید کردیتے ہیں۔ اسی طرح ان کا یہ بھی ایک طریقۂ واردات ہے کہ پہلے وہ کسی دور دراز، خلاف عقل وفہم موضوع کا ذکر کرتے ہیں اور اس سے نتائج اخذ کرکے اسلام پر لاگو کردیتے ہیں۔ ایسے تمام موضوعات میں ان کی زیادہ تر دلچسپی کا دار ومدار ان چند نام نہاد موضوعات از قسم غلامی، باندیوں / لونڈیوں کا مسئلہ، طلاق، پردہ، بچوں کی تعلیم، تعدد ازواج، مہر بطور عورت کی قیمت خرید، مطلقہ / بیوہ کا نکاحِ ثانی، بیوی کو قتل کرنے کی اجازت شوہر کو اگر وہ بدکاری کی مرتکب ہو وغیرہ پر ہے۔ ان موضوعات کے بارے میں ان کے متضاد بیانات کی بنیادی وجہ پڑھے لکھے طبقے میں شکوک وشبہات کا پھیلانا ہے تاکہ دلوں میں ایک کھٹک / خلش پیدا ہوجائے۔ علمی انداز میں سمجھنا یا سمجھانا ان کے ہرگز ہرگز پیش نظر نہیں ہوتا۔ درج بالا موضوعات میں، سب سے زیادہ وہ لوگ جس ذہنی الجھن کا شکار ہیں وہ مسئلہ غلامی اور تعدد ازواج ہے۔ اسی لیے ہم ان موضوعات پر پہلے

گفتگو کریں گے۔

لامحدود باندیوں سے جنسی اختلاط:

اسلام میں نکاح/ شادی کے ادارے کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے مستشرقین کہتے ہیں کہ ◆ ''شادی شدہ زندگی کے علاوہ ایک مسلمان شوہر کو لامحدود تعداد میں باندیوں / لونڈیوں سے جنسی اختلاط (مباشرت) کرنے کی اجازت ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سب سے پہلے تعدد ازواج کو اپنے لیے خاص طور پر جائز قرار دیا (نقل کفر کفر نباشد!) چونکہ ان کی متعدد ازواج تھیں اور اس لیے وہ ہمیشہ اس قسم کی شادیاں کرنے کے لیے نزولِ وحی کا سہارا لیا کرتے تھے تاہم دوسرے لوگوں کے لیے انہوں نے تعدد ازواج کی اجازت کی منظوری نہیں دی۔ کہا جاتا ہے کہ عام لوگوں کے لیے انہوں نے چار سے زائد عورتوں سے شادی کرنے کی ممانعت کی تاہم وہ آیت قرآنی جو اس بارے میں نازل ہو چکی تھی بہت زیادہ واضح نہیں مثلاً اگر وہ خدشہ محسوس کریں، پیغمبر نے کہا (قرآن iv:3) کہ اگر وہ یتیموں کے درمیان انصاف نہ کر سکیں تب انہیں چاہیے کہ وہ ان میں سے دو، تین اور چار کو اپنے نکاح میں لا سکتے ہیں۔ یعنی شادی مت کرو بہت سی عورتوں کے ساتھ اگر تمہیں یقین نہ ہو کہ تم زیادہ بچوں کی کفالت کر سکو گے۔''

انہوں نے مزید کہا کہ ''روایات کی رو سے ایک عام مسلمان بیک وقت چار عورتوں سے شادی کر سکتا ہے لیکن **''خلیفہ اور سلطان''** کو **بحیثیت نائب رسول** کے نو عورتوں کے ساتھ شادی کرنے کی اجازت ہے۔ بہت سی مسلمہ روایات کی رو سے ایک مسلمان کو جس قدر تعداد میں وہ خواہش رکھتا ہو یا انتخاب (Choose) کر سکے، **معمولی سی رقم** ادا کر کے باندیاں / لونڈیاں رکھ سکتا ہے، اس قسم کی لونڈیاں دراصل وہ عورتیں ہوتی ہیں جو ان کی قانونی بیویوں کی خدمت کے لیے رکھی جاتی ہیں۔ پس ان کی وجہ سے ان بیویوں کے لیے ایک بہت ناگوار صورت حال پیدا ہو جاتی ہے۔ لامحدود باندیوں کی اجازت بھی قرآن میں

◆ یہ تمام تر امور Encyclopaedia Britanica سے ماخوذ ہیں۔

نہیں دی گئی۔ اور چند مسلمانوں کے نزدیک یہ صورت حال، ان کے مذہب کی خالص تعلیمات سے مطابقت نہیں رکھتی۔ تاہم یہ ایک ایسی رسم ہے جو اسلام میں عرصہ دراز سے چلی آ رہی ہے جس کا تعلق قدیم ایران کی روایت سے ہے۔ بہت زیادہ بیویوں کا رکھنا ایک ایسی عیاشی ہے جو ایک مالدار/بہت امیر آدمی کے شایانِ شان خیال کی جاتی ہے۔''

اسی طرح تعددِ ازواج کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے وہ رقمطراز ہے کہ:''تعدد ازواج ایک بہت ہی مسرفانہ/قیمتی عیاشی ہے۔ چار منکوحہ عورتوں کو ایک جگہ رکھنا ایک بہت ہی مشکل امر ہے کیونکہ ہر ایک کے لیے علیحدہ مکان فراہم کرنا ہوتا ہے یا کم از کم ایک علیحدہ گھریلو حصہ (Apartment)، خورد و نوش کا بندوبست اور دیگر لوازمات کی فراہمی۔ معاشی مجبوریوں کی بناء پر تعدد ازواج ایک مشکل مسئلہ ہے اس لیے طبقہ امراء ہی اس کا متحمل ہوسکتا ہے۔ ایک عامی مسلمان اور کسان صرف ایک ہی بیوی کا خرچ برداشت کرسکتے ہیں۔ تاہم ایسے لوگ بھی ہوئے ہیں جو شادی کے جھنجھٹ میں پڑنا ہی نہیں چاہتے اور وہ ان باندیوں/لونڈیوں پر ہی گزر اوقات کر لیتے ہیں جنہیں ایک قانونی بیوی کی حیثیت حاصل ہوجاتی ہے بشرطیکہ ان کے ہاں ایک لڑکے کی پیدائش ہوجائے۔ یہ طریق کار قرآن کی آیات (۳:۱۷) جس کی رو سے (اگر تم ڈرتے ہو کہ تم عدل نہ کرسکو گے یعنی یہ کہ تم زیادہ بچوں کی پرورش نہ کرسکو گے) تو پھر کسی ایک عورت یا باندی/لونڈی سے شادی کرلو۔''

ہم نے مستشرقین کے درج بالا طویل اقتباسات صرف اس مقصد کی خاطر انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا سے نقل کیے ہیں تاکہ ہم پر غلط بیانی کی تہمت نہ لگ سکے۔ تاہم ان کی اس تمام تحریر سے درج ذیل نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں کہ

O___ ایک خاوند/مرد کو لامحدود باندیوں کے ساتھ تمتع کرنے (جنسی تعلقات رکھنے) کی اجازت ہے۔

O___ پیغمبر اسلام کی چار سے زائد ازواج تھیں اور انہیں متعدد شادیاں کرنے کے لیے

ہمیشہ ان پر وحی نازل ہو جایا کرتی تھی۔ تاہم انہوں نے اپنے ماننے والے دیگر مسلمانوں کو چار کی تعداد سے زائد بیویاں رکھنے کی ممانعت کی تھی اور خلیفہ اور سلطان/ بادشاہ کو بطور نائب رسول ﷺ نو عورتوں سے شادی کرنے کی اجازت تھی۔

O___ مسلمانوں کو لاتعداد باندیاں/لونڈیاں رکھنے یا انتخاب کرنے کی اجازت دی جس قدر وہ خرید سکیں۔

O___ مستشرقین کے درج بالا تمام اعتراضات / شکوک وشبہات کا باریک بینی سے مطالعہ کرنے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ لوگ قرآن کریم کو وحی الٰہی (احکاماتِ اللہ) کو نہ ماننے کی جانب بھی اشارہ کر رہے جیسے کہ یہ تعلیماتِ پیغمبرؑ اسلام کی خود ساختہ تعلیمات ہیں جیسا کہ اس مقالے کے مصنف نے لکھا کہ اس حکم پر مبنی آیت (قرآن ۱۷:۳) ہے کہ اگر وہ ڈرتے ہیں، ایسا نہ کر سکنے سے پیغمبر نے کہا (قرآنی آیت ۱۷:۳) کہ وہ ایسا نہیں کر سکتے۔'' [1]

اب ہم مستشرقین کے درج بالا تمام اعتراضات / شکوک وشبہات کا یکے بعد دیگرے تجزیہ کریں گے۔

سب سے پہلے ہم اس سوال کو لیں گے کہ کیا قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب ہے یا یہ پیغمبر اسلام ﷺ کے ذاتی فرمودات پر مشتمل کتاب ہے؟

یہودی اور عیسائی مذہبی لوگوں کا یہ بنیادی اصول اور طریق کار ہے کہ وہ لوگوں میں قرآنِ کریم کو ایک الہامی کتاب ماننے کے بارے میں شک وشبہ میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں۔ اس دور میں جب قرآن کا نزول ہو رہا تھا تو مشرکین مکہ اور کفار کی جانب سے بہت سے اعتراضات کیے گئے تھے۔ تاہم قرآن نے ان سب کو چیلنج دیا کہ اگر وہ سب مل کر اس جیسی ایک آیت بھی بنا کر لا سکتے تو لے آئیں۔ اگرچہ وہ (بحیثیت عرب) ایسا نہ کر سکے تاہم مستشرقین ان اعتراضات کو اپنی تحریروں میں بیان کرنے سے باز نہیں آئے اور ایک

[1] یہ حوالہ آیت، انسائیکلوپیڈیا کے مقالہ نگار ہے۔

تسلسل کے ساتھ اس قسم کے اعتراضات کرتے رہے ہیں جس کی لغویت واضح ہے!

جہاں تک، لاتعداد باندیوں سے مباشرت کے الزام کا تعلق ہے تو یہ بات تاریخی طور پر بالکل بے بنیاد ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اس موقعہ پر (مکہ اور مدینہ جہاں قرآن کا نزول ہو رہا تھا) مسلمانوں کے علاقے میں کسی جگہ بھی سینکڑوں / ہزاروں باندیوں کی موجودگی کا سراغ نہیں ملتا جبکہ مستشرقین نے اپنے مقالے میں یہ تمام تر ''حقائق'' انسائیکلو پیڈیا برٹینکا میں تحریر کئے ہیں۔ اغلباً ان کا اشارہ نہ صرف بلادِ عرب بلکہ تمام دنیا میں جاہلیت کے دور میں پائے جانے والے ان غلاموں / باندیوں کی جانب لگتا ہے جو وہاں پائے جاتے تھے۔ اس تاریخی حقیقت سے تو کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا کہ اس دور میں تمام تر گھریلو / سماجی، تجارتی معاشی امور غلاموں کے ذریعے ہی سرانجام دیئے جاتے تھے۔ اس زمانے میں دنیا کے کسی بھی حصے میں ''تنخواہ دار ملازمین'' (Wage Earners) کا وجود نہیں پایا جاتا تھا۔ یاد رہے کہ غلامی کا ادارہ، تاریخ انسانی میں ہزاروں سال سے موجود رہا ہے۔ حالیہ دور میں ''نئی دنیا (New World)'' یعنی امریکہ اور مغربی ممالک میں بھی غلاموں کے وجود کا پتہ بیسویں صدی عیسوی تک ملتا ہے۔ تاہم یہ شرف امریکہ میں صرف ابراہیم لنکن کے دورِ صدارت (۱۸۶۱ء تا ۱۸۶۵ء) کو حاصل رہا کہ امریکہ میں غلامی کے ادارے کو قانوناً ممنوع قرار دیا گیا اور وہ بھی شمالی اور جنوبی ریاستوں میں جنگ کے نتیجے میں! اسی طرح کے حالات تمام دنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں بھی پائے جاتے تھے جن کی موجودہ ظاہری تمام تر شان وشوکت، ان لاکھوں غلاموں کی اموات کی مرہون منت ہے جو افریقہ اور دیگر علاقوں سے جبراً لائے جاتے تھے!

سید مودودیؒ (1997) کے بقول بلادِ عرب میں اسلام کے آغاز پر تین اقسام کے غلام / باندیوں کا وجود پایا جاتا تھا۔

اولاً: جنگوں میں پکڑے جانے والے غلام / باندیاں

ثانیاً: وہ لوگ جن کی غلاموں / باندیوں کے طور پر خرید وفروخت ہوتی تھی۔

ثالثاً: قدیمی غلام

اسلام نے سب سے پہلے قدیمی غلاموں کے مسئلے کو حل کیا اور بعد ازاں غلامی کے ادارے کو ہمیشہ کے لیے بحیثیت مجموعی ختم کرنا طے کیا۔ مستقبل میں غلامی کے مسئلے کو ختم کرنے کے لیے اسلام نے ایک ایسی عظیم الشان اخلاقی مہم کا آغاز کیا جس میں تمام عقلی دلائل، ترغیب و ترہیب دینی دلائل و براہین اور قانونی ذرائع سے کام لیتے ہوئے، عوام الناس کی تعلیم و تربیت کی گئی کہ وہ اپنے گزشتہ گناہوں کی معافی اور آخرت میں بھلائی کے لیے غلاموں کو اللہ کی رضا کی خاطر آزاد کریں۔ اس مہم کے نتیجے میں تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ کے رسولؐ اور ان کے ساتھ صحابہ کرام نے ۳۹۰۰۰ غلام آزاد کیے۔ اس کی انتہا یہ کہ خلافتِ راشدہ کے اختتام تک تمام قدیمی غلام آزاد کر دیئے گئے تھے۔ (مودودی ۱۹۹۹ ج) مزید برآں رسول اللہ نے غلاموں کی خرید و فروخت کو (سوائے انہیں آزاد کرنے کے) حرام قرار دیدیا اور فرمایا کہ ''جو کوئی بھی کسی آزاد (عورت یا مرد) کو فروخت کرے گا، میں ازخود بروزِ قیامت ان کے خلاف ہوں گا۔''

جہاں تک لونڈیوں / باندیوں کی ''لامحدود تعداد'' سے تمتع کا تعلق ہے تو یاد رہے کہ اس دور میں مکہ میں مسلمانوں کی مالی / سماجی حیثیت اس حد تک خستہ تھی کہ وہاں صرف مشرکین مکہ کے دولت مند سردار ہی اتنی تعداد میں باندیاں رکھنے کے متحمل تھے (تاہم لامحدود تعداد شاید کسی کے پاس بھی نہیں تھی)۔ اسی طرح فتوحات ایران / روم کے بہت بعد میں مدینہ میں بھی، اگرچہ مسلمان مالی طور پر کسی قدر بہتر صورت میں تھے تاہم وہاں بھی **کوئی ایک مثال پیش نہیں کی جاسکتی کہ کسی مسلمان کے پاس ''لامحدود تعداد'' میں باندیاں تھیں** کہ وہ اپنی بیویوں کے علاوہ ان سے استفادہ کر سکتے۔ تاریخ کے صفحات اس قسم کے کسی ایک واقعے کی بھی نشان دہی کرنے سے قاصر ہیں۔ انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا کے اس موضوع پر مقالہ نگار (Devaux) شاید جنگی قیدیوں کی جانب اشارہ کر رہا ہو (اگرچہ ''لامحدود تعداد'' میں عورتیں کبھی بھی گرفتار نہیں ہوئیں) اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام میں

جنگوں میں گرفتار ہونے والے (مرد وعورت) کو غلام بنا کر رکھا جا سکتا ہے بشرطیکہ:

اولاً: ان کا مسلمانوں کے گرفتار شدہ مرد وخواتین سے تبادلہ نہ ہو سکے۔

ثانیاً: جو تاوان کی رقم ادا نہ کر سکیں

ثالثاً: وہ لوگ جو کہ ایک تحریری معاہدے کے تحت اپنے مالکان کو ایک خاص رقم، ایک خاص مدت میں روزی کما کر ادا کر سکیں۔ اس طریق کار کو مکاتبت کہا جاتا ہے۔

رابعاً: جنگی قیدیوں کے مالکان کو بھی اس امر کی تلقین وترہیب کی جاتی رہی کہ وہ قدیم غلاموں کو اپنے گناہوں کی معافی یا رضائے الٰہی کے لیے آزاد کر دیں۔

خامساً: مالکان کو اس کی بھی اجازت تھی کہ وہ وصیت کے ذریعے ان غلاموں کو اپنی وفات کے بعد رہا کر سکیں۔

غلامی کے ادارے کے خاتمہ کے لیے اسلامی تعلیمات کی ان تصریحات کے بعد یہ سوال ذہن میں ابھرتا ہے کہ مقالہ نگار نے ''لامحدود غلاموں/ باندیوں کی حقیقت'' کہاں اور کس ذریعہ سے حاصل کیں جو مدینہ میں مسلمانوں کو اپنی بیویوں کے علاوہ حاصل تھیں؟'' **آج تک کوئی ایک بھی مستشرق، اس امر کی نشان دہی کرنے سے قاصر رہا ہے کہ ایسا کہاں، کس طرح واقع ہوا کہ اسے مدینہ کی گلیوں میں اس قدر باندیاں پھرتی نظر آئیں؟ جس طرح کی خواتین، نیویارک اور دیگر مغربی ممالک میں آج کل رات گئے دیر تک کسی ایسے ''رات کے مہمان'' (Night Guest) کی تلاش میں سرگرداں نظر آتی ہیں۔** تاریخ کے صفحات، اسلام کے کسی دور میں بھی مدینہ میں اتنی بڑی تعداد میں باندیوں کے وجود سے خالی ہیں۔

اب ہم جنگی قیدیوں کے مسئلے کی جانب آتے ہیں۔ اپنے درج بالا دلائل کو جاری رکھتے ہوئے، تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ اس تمام عرصہ میں جب مدینہ کی ریاست، کفار مکہ ودیگر قبائل سے حالت جنگ میں تھی، سے فتح مکہ تک (سن آٹھ ہجری تک یہ قریباً دس سال کا عرصہ ہے) کسی ایک واقعہ کی بھی نشان دہی نہیں کی جا سکتی کہ غیر مسلم

عورتوں کی تعداد نے کبھی ''سینکڑوں'' سے بھی تجاوز کیا ہو۔ پس اس حوالے سے ''لامحدود باندیوں کا وجود'' مستشرقین کے ذہن کی اختراع کے علاوہ، کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ یہ کسی یہودی یا عیسائی مذہبی شخص کا مفروضہ تو ہوسکتا ہے لیکن تاریخ کے صفحات اس قسم کے کسی حوالے سے خالی ہیں۔ مغربی مفکرین، اپنے مذہبی جذبے سے مغلوب ہوکر اس قسم کی بے سروپا باتیں کہنے کے ماہر ہیں جن کا مقصد اپنے عوام اور دیگر مسلمانوں کو ورغلانے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا۔ یہاں ہم اپنے قارئین کو یاددلانا چاہیں گے کہ امریکن اور دیگر متحدہ ممالک کی فوجوں نے دو عظیم جنگوں میں مفتوحہ علاقوں میں عورتوں کے ساتھ سلوک کیا، اسے بھی تاریخ کے صفحات میں پڑھ لیں۔ تقسیم ہند کے موقعہ پر ۱۹۴۷ء میں مسلمان عورتوں کے ساتھ جو ظالمانہ اور غیر انسانی سلوک ہندو اور سکھوں نے کیا وہ تو بہت دور کی بات نہیں۔ اسی طرح آج بھی بوسنیا، افغانستان اور عراق میں عورتوں، مردوں، بچوں اور بوڑھوں پر امریکن اور نیٹو فوجیوں کے ہاتھوں ظلم وستم ہو رہا ہے، اس کی جانب بھی دیکھنا ضروری ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ گزشتہ نصف صدی سے زائد عرصہ گزر گیا فلسطین میں عورتوں اور بچوں کے ساتھ جو ظلم وستم روا رکھا جارہا ہے اور کشمیر میں تو آج بھی کوئی لمحہ نہیں گزرتا جب وہاں پر مسلمانوں کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک روا رکھا جارہا ہے اور ان تمام تر واقعات کو مغربی دنیا خاموشی سے برداشت کررہی کیونکہ ان تمام جگہوں پر ارزانی تو خون مسلم کی ہو رہی ہے۔ سوڈان میں عیسائیوں کے لیے علیحدگی کے سوال پر کس قدر سرعت کے ساتھ فیصلہ کیا گیا اور درجن بھر مسلم ممالک پر ظلم وستم کے پہاڑ بھی ٹوٹ رہے ہیں تو عالمی ضمیر خاموش ہے۔ تقدیس آدم اور حقوقِ نسواں کے علمبردار، UNO میں بیٹھے اس ڈرامے کو مسلسل دیکھ رہے!

کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ
دنیا ہے تری منتظر اے روز مکافات!

اس تمام تر صورتِ حال پر دنیا کے تمام منصف مزاج اور غیر متعصب لوگوں کی نظریں مرکوز ہیں لیکن نام نہاد مغربی اہل علم اور مفکرین ہیں کہ دنیائے انسانیت کے سب سے

بڑے محسن (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذاتِ گرامی پر الزامات اور جھوٹا پروپیگنڈہ کرنے سے باز نہیں آتے اور اپنے ان تمام تر کرتوتوں کو معروضی ریسرچ (Objective Research) کے خوبصورت نام سے جاری رکھے ہوئے ہیں۔

تاریخ انسانیت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ واحد محسن اعظم کی صورت میں جلوہ گر ہیں جنہوں نے طبقہ اناث کے لیے ایک ایسا متوازن اور مبنی بر انصاف لائحہ عمل پیش کیا جو نہ صرف ان کے زمانۂ حیات میں عرب عورتوں کے لیے ہی نہیں بلکہ قیامت تک کے لیے آنے والی تمام خواتین اور پسماندہ لوگوں کے لیے پیغام امید ہے۔ آپ ﷺ کی تعلیمات اس حد تک وسعت کی حامل ہیں جس کے سایہ تلے طبقہ اناث بلا کسی تعصب جنس، علاقہ، رنگ و نسل اور وقت کے نہ صرف اس دنیا میں بلکہ آخرت میں بھی سکون و عافیت کے ساتھ رہ سکتا ہے۔

اس موضوع پر گفتگو کے اختتام سے قبل ضروری محسوس ہوتا ہے کہ اسلام نے غلامی کے مسئلے کے لیے مستقل اور دیر پا حل کے لیے مزید کیا اقدامات کیے، ان کا جائزہ لیا جائے۔ بطور ایک اصول، اسلامی تعلیمات کی رو سے یہ طے شدہ پالیسی ہے کہ کسی بھی جنگ میں فتح کے نتیجے میں بچوں، عورتوں کو غلام نہ بنایا جائے۔ مسلمان فوج (ہمیشہ کے لیے) اس امر کی پابند ہے کہ وہ عورتوں کو صرف دو صورتوں میں گرفتار کرنے کی مجاز ہے۔ اولاً اگر وہ دشمن فوج کا حصہ ہوں اور ثانیاً کسی ملک یا جگہ پر وہاں کی تمام آبادی لڑائی میں شریک ہو اور مسلمان فوجیں انہیں شکست دے کر ان پر قابو پا ئیں۔ اس صورت حال میں مسلمان کمانڈر کو اس امر کی اجازت ہے کہ وہ تمام آبادی کو گرفتار کر لیں اور مزید ان عورتوں کو بھی قبضے میں لے لیں جن کے مرد جنگ میں مارے گئے ہیں۔ (سید مودودیؒ ۱۹۹۷ء)

اس ضمن میں یہ امر یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ اس طرح قابو پانے والی عورتوں کو اسلامی ریاست میں بحفاظت رکھا جاتا ہے اور کسی شخص کو بھی اس امر کی اجازت نہیں کہ وہ ان کے نزدیک کسی بری نیت سے جائے۔ اس سے مستشرقین اور مغربی اہل علم کے اس

مغالطے کی بھی تردید ہوتی ہے کہ مسلمان فوجیوں کو اس امر کی اجازت ہے کہ جنگوں میں پکڑی گئی عورتوں کے ساتھ جہاں موقع ہے اور جب چاہیں، جنسی اختلاط کر سکتے ہیں۔ کوئی مسلمان فوجی حتیٰ کہ کسی بھی سلطان/ بادشاہ کو اس امر کی اجازت نہیں کہ ان عورتوں سے کسی قسم کا بھی تعرض کریں الا یہ کہ ایسی عورتیں مسلم ریاست کی جانب سے اس طریق کار کو مکمل کرنے کے بعد (جس کا ذکر ذیل کے صفحات میں آ رہا ہے) فوجیوں میں تقسیم کر دی جائیں۔ اسلام میں مغربی تصور کے برعکس، کوئی ایسا تصور نہیں جو جنگی بیویوں (War Bride) کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

جنگی قیدیوں کے لیے اسلامی تعلیمات:

اسلام میں جنگ میں قید ہونے والے قیدیوں کو قتل کرنے کی ممانعت ہے جس طرح ہم تاریخ کے صفحات میں رومن بادشاہت کے دور میں پاتے ہیں۔ قرآن کریم نے ان قیدیوں کے بارے میں ایک چار نکاتی پروگرام کی ہدایت کی ہے۔ (سیّد مودودی)

اولاً: ایسے تمام جنگی قیدیوں کو بغیر کسی معاوضے کے آزاد کر دیا جائے۔

قاضی سلیمان منصور پوری (۲۰۰۶ء) نے اپنی کتاب میں بہت ہی حیرت انگیز اعداد وشمار دیئے ہیں۔ ان کے بقول آنحضرتؐ کی حیات میں جس قدر غزوات/ سرایا لڑے گئے ان میں قید کیے گئے **افراد کی تعداد ۶۵۶۴ تھی۔ ان میں سے ۶۳۴۷ (۹۷ فی صد) کو فوری طور پر رہا کر دیا گیا تھا۔** ان میں سے کل دو کو قتل کیا گیا ان کے سابقہ جرائم کی بناء پر۔ بقایا ۲۱۵ کو مکاتبت کے ذریعہ رہا کر دیا گیا۔

ثانیاً: انہیں معاوضہ لے کر رہا کر دیا جائے۔ یاد رہے کہ صرف ان دو اقدامات سے ہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن ایک الہامی کتاب ہے جو ایک رحمان اور رحیم خالق کی جانب سے محمدؐ پر وحی کی گئی۔ کیونکہ دنیا میں کسی بھی شخص/فرد/قوم/ملک کے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ اس قسم کا فراخ دلانہ اور مبنی بر رحم سلوک اپنے جنگی قیدیوں سے روا رکھ سکے۔

ثالثاً: ایک تیسری تجویز جواز خود ایک بہت ہی انقلابی نوعیت کی ہے جو آج سے

۱۴۰۰ سال قبل عمل میں آئی جبکہ انسانیت اس تصور سے ہی آگاہ نہ تھی کہ جنگی قیدیوں کا تبادلہ کرلیا جائے۔ان مسلم قیدیوں کے عوض جو دشمن کے قبضے میں ہوں۔

تاہم اگر درج بالا تینوں صورتیں، کسی وجہ سے بھی قابل عمل نہ ہوں، دشمن ملک رفوج کے اتفاق نہ کرنے کی بناء پر یا کسی فوجی ضرورت کے تحت تو پھر چوتھا عمل جو قرآن نے تجویز کیا ہے وہ یہ کہ ایسے تمام جنگی قیدیوں کو غلام بنالیا جائے۔ یاد رہے کہ اس زمانے میں اس قسم کے قیدیوں کو غلام بنا کر رکھنے یا فروخت کرنے کا عام رواج تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانے میں اس طرح غلام بنا کر رکھنے کی اس تجویز پر کسی نے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا۔ بشمول کفار مکہ و عرب، رومن، اہل فارس، حتیٰ کہ اسلام دشمن عیسائی اور یہودیوں اور منافقین کو بھی (تاہم ۱۴۰۰ سال بعد مستشرقین کو یہ انوکھا اعتراض سوجھا)۔ نہ صرف یہ بلکہ یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ان میں سے کسی ایک عورت یا مرد کو آنحضرتؐ کی حیات میں فروخت نہیں کیا گیا مالی فائدہ کے لیے سوائے ایسے لوگ جنہیں خرید کر آزاد کر دیا گیا ـــــ یہ ہے حقیقت اس ''افسانے'' کی جس کے تحت لامحدود تعداد میں باندیوں کا شوشہ اٹھایا گیا ہے۔

اس امر کی صراحت بھی ضروری ہے کہ اسلام کسی بھی معاشرے میں جنسی انارکی ر اباحیت کو پسند نہیں کرتا۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ اسلامی ریاست میں طبقہ اناث کی عزت و حرمت کا بہت زیادہ خیال رکھا گیا ہے۔ کسی کو بھی ان کی عزت وعصمت سے کھیلنے کی اجازت نہیں تھی کہ وہ جنگی قیدیوں کے ساتھ یہ سلوک روا رکھے۔ ایسی تمام عورتوں کے ساتھ کسی بھی شخص کے لیے انفرادی طور پر یا مشترکہ جنسی استحصال کی اجازت نہیں۔ اسلام نے اس کے لیے دو نکاتی پروگرام طے کیا:

اولاً: ایسی تمام عورتوں کو جو جنگ میں پکڑی گئی ہوں، مسلمان فوج میں تقسیم کر دیا جائے اس ہدایت کے ساتھ کہ وہ ان سے کوئی غلط کام (پیشہ) نہیں کرائیں گے کہ انہیں اس طرح حرام آمدنی کا ذریعہ بنالیں۔ ایسی عورتیں جو انہیں دی جائیں وہ اس شخص کے تصرف میں رہیں گی کوئی دوسرا شخص ان سے جنسی تعلق قائم نہیں کرسکتا۔ صرف وہی مسلمان

فوجی ان کے ساتھ مباشرت کرسکتا ہے جس کی تحویل میں وہ دی جائیں گی۔ یہ امر بھی (انسائیکلوپیڈیا برٹینکا کے مقالہ نگار) Devaux کے اس الزام کی تردید کرتا ہے کہ مسلمانوں کو معمولی رقم دے کر عورتوں کو خریدنے کا حق حاصل تھا جس قدر انہیں پسند ہوں۔ **مسلم ریاست مدینہ میں ''کال گرلز'' یا ''مسٹریس'' رکھنے کا رواج نہیں تھا جیسا کہ آج کل مختلف مغربی ممالک میں پایا جاتا ہے جہاں ان کی بیوی کے علاوہ متعدد گرلز سے تعلق رکھنا روا ہے۔**

ایسی عورتوں کے مالک انہیں خوراک، لباس، مکان دینے اور ان کی عزت وعصمت کی نگران ہوتے ہیں۔ نیز اس امر کے ذمہ دار بھی کہ وہ ان کے جنسی تقاضوں کو بھی ذاتی طور پر عزت واحترام کے ساتھ پورا کریں گے تاکہ وہ کسی قسم کی اخلاقی خرابی کا شکار نہ ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایسی عورتوں کو فروخت نہیں کیا جاسکتا اگر ان کے ہاں اولاد ہو جائے اور مزید یہ کہ ایسی عورت، مرد کی وفات کے بعد خودبخود آزاد ہو جاتی ہے۔ اور اس قسم کی خواتین کی اولاد، وراثت کے ان تمام قوانین کے مطابق اس شخص کی جائز وارث تسلیم کیے جاتے ہیں۔ بالکل اس طرح جس طرح اس شخص کی منکوحہ بیوی کے بچے ہوتے ہیں۔

یہاں اس کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ باندیوں کی تعداد کو محدود نہ کرانے کی وجہ لامحدود تعداد سے استفادہ کرنا نہ تھا بلکہ یہ امر کہ جنگوں میں قید ہونے والے افراد کے بارے میں کسی حتمی تعداد کا علم نہ ہونا تھا۔ تاہم ان کی تعداد پر پابندی نہ لگانے کا بھی ہرگز ہرگز یہ امر نہیں کہ طبقہ امراء کے لیے عیاشی کے دروازے کھولنا جائز ہے کیونکہ غلاموں اور لونڈیوں کی خرید کو اسلام نے پہلے ہی حرام قرار دیدیا تھا۔ مزید براں اس حقیقت سے بھی صرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا کہ تاریخی طور پر اس دور میں بہت زیادہ تعداد میں عورتیں کسی جنگ میں پکڑی بھی نہیں گئی تھیں۔

ثانیاً: اس امر کی تاکید بھی کی گئی ہے کہ اگر کسی کو دی گئی باندی رلونڈی کی ضرورت نہیں تو وہ اس کی شادی کسی دوسرے شخص کے ساتھ کرسکتا ہے تاکہ ان کے فطری تقاضے پورے

ہوسکیں۔ تاہم ایسی صورت میں مالک اس لونڈی سے جنسی تعلق نہیں رکھ سکتا۔

اب ہم مستشرقین کے ایک دوسرے اعتراض کے بارے میں گفتگو کریں گے یعنی تعدد ازواج۔

اسلام میں تعدد ازواج:

اس ضمن میں مستشرقین نے یہ غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ روایتوں کے مطابق بادشاہوں/خلیفہ کو بطور نائب رسول، نو عورتوں کے ساتھ شادی کرنے کی اجازت ہے۔ اس اعتراض کے ثبوت میں بھی کوئی حوالہ قرآن/حدیث یا تاریخ سے نہیں دیا گیا۔ جس کے تحت نو عورتوں سے شادی کی اجازت دی گئی ہو۔ بلکہ اس کے برعکس ایک حدیث ہے کہ جب غیلان نامی سردار نے جس کا تعلق طائف سے تھا، اسلام قبول کیا تو اس کی نو بیویاں تھیں۔ تاہم پیغمبر اسلام نے اسے ہدایت کی تھی کہ وہ ان میں صرف چار خواتین کو اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے اور باقی پانچ کو طلاق دیدے۔ اس لحاظ سے مستشرقین کی یہ بات تاریخی طور پر بھی غلط ثابت ہوتی ہے۔

جہاں تک Devaux کے اس الزام کا تعلق ہے کہ پیغمبر اسلام (خدانخواستہ) اپنی متعدد شادیوں کے لیے وحی آنے کا سہارا لیا کرتے تھے۔ یہ ایک ایسا گھناؤنا الزام ہے کہ اس قسم کے الزام میں مقالہ نگار اکیلا نہیں بلکہ مستشرقین کی ایک بڑی تعداد اس الزام کو مسلسل دہراتی چلی آئی ہے۔ اس میں مارگولتھ Margolouth نامی مستشرق نیز متعدد دیگر مستشرقین بھی شامل ہیں(Jabal Muhammad Babuen, 1996)___ شاید اسلامی تعلیمات میں مغربی لوگوں کے لیے بہت ہی اہم موضوع تعدد ازواج ہی رہا ہے۔ مغربی مفکرین کے ذہن میں تعداد ازواج سے ایک ایسے حرم کا وجود ہے جس میں نہایت خوبصورت عورتیں ہر وقت موجود رہتی ہیں جو ہر وقت کسی کے ساتھ دادِ عیش دیتی رہتی ہیں۔ دراصل یہ تصور مغرب میں ان لوگوں نے اپنے کلچر میں موجود ان ہزاروں نائٹ کلبوں، کیسینو(Casino)، شراب خانوں اور طوائفوں کے اڈوں سے اخذ کیا ہے جو امریکہ اور

مغربی ممالک میں ہر جگہ بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ اپنے انہیں ذہنی تحفظات کے ساتھ انہوں نے اسلام میں تعدد ازواج نیز پیغمبر اسلام ﷺ کی ازواجِ مطہرات ؓ کو بھی گمان کیا ہے۔

آہ بیچاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار!

تاہم، ہم یہاں بلا کسی ذہنی تحفظ اس امر کو واضح کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ تعدد ازواج، مسلمانوں کے لیے فرض قرار نہیں دی گئی کہ جس پر عمل کرنا دنیا کے ہر مسلمان کے لیے ضروری ہو۔ پیغمبر اسلام کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک خصوصی رعایت دی گئی تھی کہ وہ چار سے زائد ازواج رکھ سکیں جس کی متعدد وجوہات ہیں۔ آپؐ نے اپنی کل زندگی میں ۱۳ خواتین کے ساتھ شادی کی جس میں سے نو آپ کی حیات میں زندہ رہیں (صفی الرحمن مبارکپوری ۱۹۹۵ء)۔ ذیل میں ہم اس موضوع پر کسی قدر تفصیل کے ساتھ گفتگو کریں گے۔

پیغمبر اسلام کی عائلی زندگی:◆

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی (جب کہ سیدہ کی عمر ۴۰ سال تھی) اور یہ یک زوجگی کی حالت ۲۵ سال تک برقرار رہی۔ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد جبکہ آپؐ ۵۰ سال کے تھے آپؐ نے متعدد خواتین سے شادیاں کیں جن میں سے صرف دو کنواری تھیں یعنی حضرت عائشہؓ اور ماریہ قبطیہ جن کا تعلق مصر سے تھا۔ گوشوارہ نمبر ۱ میں (عبدالقادر جیلانی ۲۰۰۵ء) ہم نے آنحضرتؐ کی ازواجِ مطہرات کے ساتھ شادیوں کی اس طرح تفصیل دی ہے جس طرح وہ شادیاں ہوئیں۔ تاہم ان میں حضرت زینب بنت جحش کے ساتھ شادی کا ذکر کسی قدر تفصیل کے ساتھ کیا ہے کیونکہ آپؐ کی زندگی میں یہ شادی مستشرقین کے لیے ایک اہم موضوع تحقیق رہا ہے جس کی بناء پر بہت سے لوگ مختلف شبہات کا شکار ہوتے رہے ہیں۔ اس تمام دوران آپؐ نے کسی دوسری شادی کی قطعاً ضرورت محسوس نہ فرمائی جبکہ آپؐ کے دیگر دوست احباب، چچا اور ہم

◆ دیکھئے ہماری کتاب ''آنحضرت ﷺ کی عائلی زندگی (۲۰۲۱)

عمر سب کی متعدد بیویاں تھیں۔ سیدہ خدیجہؓ خود بھی دو مرتبہ کی بیوہ تھیں۔

گوشوارہ نمبر ا: ازواجِ مطہرات کے بارے میں چند اہم کوائف

ازواج مطہراتؓ کے اسمائے گرامی	نکاح کرنے کا سال اور حضور ﷺ کی اُس وقت عمر	کیفیت ازواجِ مطہرات	شادی کے وقت بیویوں کی کل تعداد
ا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا	۵۹۵ عیسوی، نبوت سے ۱۵ سال قبل، عمر ۲۵ سال	بیوہ تھیں، دوسری شادی ۴۰ سال کی عمر میں ہوئی اور ۶۵ برس میں وفات ہوئی	ا
۲۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا	نبوت کے دس سال بعد حضور ﷺ کی عمر ۵۰ سال	بیوہ، عمر ۵۰ سال وفات ۲۲ ہجری	ا
۳۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا	۳ ہجری، ۵۶ سال	کنواری، شادی کے وقت عمر ۹ سال، وفات ۵۸ھ،	۲
۴۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا	۳ ہجری۔ ۵۶ سال	بیوہ، عمر ۱۸ سال وفات ۴۵ ہجری	۳
۵۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ	۳ ہجری۔ ۵۶ سال	بیوہ۔ عمر ۳۰ سال، شادی کے چند ماہ بعد انتقال ہو گیا	۴۔ لیکن دوبارہ ۳، ام المومنین کی وفات پر
۶۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا	۴۔ ہجری۔ ۵۷ سال	بیوہ۔ بوڑھی خاتون ۸۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔ ۶۳ ہجری میں	۴

۷۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش	۵ ہجری۔ ۵۸ سال	مطلقہ، ۳۵ سال عمر، ۵۳ سال کی عمر میں ۲۰ ہجری میں وفات پائی	۵
۸۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بنت الحارث	۵ ہجری۔ ۵۸ سال	بیوہ۔ ۲۰ سال عمر، وفات ۵۶ سال کی عمر ۵۰ ہجری میں ہوئی	۶
۹۔ حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا	۶ ہجری۔ ۵۹ سال	مطلقہ۔ ۳۵ سال عمر۔ ۷۳ سال کی عمر میں ۴۴ ہجری میں وفات پائی۔	۷
۱۰۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بنت حیی بن اخطب	۷ ہجری۔ ۶۰ سال	بیوہ۔ ۱۸ سال عمر، ۶۰ سال کی عمر میں ۵۰ ہجری میں وفات پائی	۸
۱۱۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بنت الحارث	۷ ہجری۔ ۶۰ سال	بیوہ۔ بوڑھی خاتون ۵۱ ہجری میں فوت ہوئیں۔	۹

جیسا کہ گذشتہ گوشوارہ نمبر ا سے واضح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گیارہ عورتوں سے شادی کی جن کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ازدواجی تعلقات قائم رہے۔ دو ازواج جن کے ساتھ شادی میں ازدواجی تعلق قائم نہ ہوا، ان میں سے ایک کا تعلق بنی کلاب سے اور دوسری کا تعلق بنی کندہ سے تھا۔ جن کا نام الجہنیہ تھا، (صفی الرحمٰن مبارکپوری، ۱۹۹۵ء)۔

ان کے علاوہ، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو لونڈیاں بھی تھیں۔ پہلی کا نام ماریہ قبطیہؓ تھا جو کہ مصر کی رہنے والی عیسائی خاتون تھیں۔ چھ ہجری میں صلح حدیبیہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

مختلف بادشاہوں، حکمرانوں کو اسلام لانے کی دعوت دینے کے لیے خطوط ارسال کیے۔ اس طرح کا ایک خط مقوقس بادشاہ کو بھی بھیجا گیا تھا جو کہ مصر کا وائسرائے/ گورنر تھا۔ بادشاہ نے آپ ﷺ کی خدمت میں دو باندیاں بھیجیں، جن میں سے ایک ماریہؓ تھیں۔ دونوں نے اپنے مدینہ کے سفر کے دوران ہی اسلام قبول کرلیا۔ حضور ﷺ نے ماریہؓ کو اپنے لیے رکھ لیا۔ جس سے حضور ﷺ کا ایک لڑکا (ابراہیمؓ) بھی پیدا ہوا۔ حضور ﷺ نے حضرت ماریہؓ کو اپنی دیگر ازواج کے برابر ہی رکھا اور انھیں دیگر اُمہات المومنینؓ کی طرح پردہ کرنے کا حکم دیا۔

دوسری لونڈی ریحانہ بنت زید النصیریہ تھیں۔ ان کا تعلق یہودی قبیلے بنوقریظہ سے تھا۔ ان کی شادی ایک یہودی مرد جس کا نام حکم تھا، سے ہوئی تھی جو بنوقریظہ پر حملے کی جنگ میں قتل ہوگیا تھا اور اس طرح یہ جنگی قیدیوں کے ساتھ گرفتار ہوکر مدینہ آگئیں۔ اُن کے والد نے اسلام قبول کرلیا اور حضور ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں شامل ہوگئے تھے، جن سے بہت سی احادیث بھی مروی ہیں۔

حضور ﷺ نے ریحانہ کو آزاد کردیا۔ انھوں نے از خود کہا کہ ''جب میں آزاد ہوگئی تو حضور ﷺ نے مجھے اپنے لیے منتخب کیا اور چند یوم کے لیے مجھے اُمّ المندرؓ بنت قیس کے گھر بھیج دیا۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا انتخاب کرو تو پھر خدا کا پیغمبر ﷺ تمھیں اپنے لیے منتخب کرلے گا۔'' میں نے جواب دیا: ''میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا انتخاب کرتی ہوں۔'' پس جب میں نے اسلام قبول کرلیا، تو آپؐ نے مجھے آزاد کردیا۔ میرے ساتھ شادی کرلی اور مجھے ۱۲ اوقیہ سونا بطورِ مہر دیا جیسا کہ آپؐ اپنی دوسری ازواج کے ساتھ کرتے تھے۔ حضور ﷺ نے اُمّ مندرؓ کے گھر میں میرے ساتھ تخلیہ فرمایا۔ آپ ﷺ نے دیگر ازواج کی طرح میری بھی باری مقرر کی اور مجھے پردہ کرنے کا حکم دیا۔'' حضور ﷺ اُن کے ساتھ اکثر رہتے تھے، اور وہ حضور ﷺ کے ساتھ اپنی موت تک رہیں۔ حضور ﷺ نے انھیں جنت البقیع کے

قبرستان میں دفنایا۔ اب ہم ایک اس شادی کا کسی قدر تفصیل سے ذکر کریں گے جس پر بہت زیادہ اعتراضات کئے جاتے ہیں۔

حضرت زینب بنت جحش:

حضرت زینبؓ، آپؐ کی پھوپھی زاد بہن کے ناطے ان لوگوں میں شامل تھیں جنہوں نے پہلے پہل اسلام قبول کیا تھا۔ آنحضرتؐ نے ان کی شادی از خود حضرت زیدؓ سے کی تھی جو آپؐ کے غلام تھے لیکن آپؐ نے ان کو منہ بولا بیٹا بنالیا تھا۔ حضرت زیدؓ کی جانب سے ان کا مہر بھی آپؐ نے خود ادا کیا تھا۔

حضرت زینبؓ کے ساتھ آپ کی شادی پر اعتراضات کا سلسلہ شادی کے فوراً بعد ہی شروع ہو گیا تھا۔ اس کی دو وجوہات تھیں۔ اولاً یہ کہ رسول اللہ نے اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی سے شادی کر لی اور ثانیاً یہ کہ قرآن کی رو سے یہ چار عورتوں سے زائد شادی تھی جس کی ممانعت تھی۔ پس منافقین کو آپؐ کے خلاف شور و غل مچانے کا ایک بہانہ ہاتھ آ گیا کہ وہ اس اخلاقی برتری کو ختم کر سکیں جو حضور ﷺ کو بالخصوص حاصل تھی اور جو کہ حضور ﷺ کی کامیابی کا اصل راز تھا۔ اس لیے کہانیاں گھڑی گئیں ''محمدؐ (نعوذ باللہ) اپنی بہو کی محبت میں گرفتار ہو گئے اور جب اس کا علم منہ بولے بیٹے کو ہوا تو اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور بعد میں انھوں نے اپنی بہو کے ساتھ شادی کر لی۔''

یہودیوں نے (اور بعد میں عیسائیوں نے بھی جو اُن سے متاثر تھے)، ان دو نکات پر اس قدر زور دیا کہ اُس کی بازگشت آج بھی، مغربی اہل علم کی تحریروں میں سنائی دے رہی ہے، جنھیں اپنے معروضی مطالعے پر بہت ناز ہے اور جیسا کہ ہم نے گذشتہ صفحات میں اُن کے مذموم خیالات کو پڑھا۔ ذیل کے صفحات میں ہم ان دونوں الزامات کے بارے میں بہت ہی غیر جانبدارانہ انداز میں، معلومات پیش کریں گے لیکن آغاز میں اس امر کا اظہار بہت ضروری ہے کہ ہمارا نقطہ نظر کسی صورت میں بھی معذرت خواہانہ نہیں۔ ہمارا موقف اس حقیقت پر مبنی ہے کہ ہمیں تاریخی حقائق کا مطالعہ اُسی طرح کرنا چاہیے جس طرح کہ وہ

تاریخ کے صفحات میں پائے جاتے ہیں، اپنی جانب سے کسی قسم کی ترمیم، اضافے کے بغیر۔ مزید ہم اس امر پر زور دیں گے کہ اگر حضور ﷺ اللہ کے نبی تھے اور انھوں نے اسلام خود ''ایجاد'' نہیں کیا تھا (جیسا کہ اہل مغرب کو سمجھایا گیا ہے) تب ہمیں اس بات کو ماننا پڑے گا کہ جو کچھ حضور ﷺ پر وحی (قرآن) کی صورت میں نازل کیا گیا، اس میں ان کی اپنی مرضی اور ارادے کو کوئی دخل حاصل نہ تھا۔

یہ معاملہ بہت سادہ ہے۔ زینبؓ، کو پیغمبر ﷺ نے از خود زیدؓ بن حارثہ کے رشتۂ مناکحت میں دیا تھا اور اس امر کا کوئی امکان تک نہیں کہ آپؐ نے انھیں کبھی دیکھا بھی نہ ہو، بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ اُن کے بچپن سے جوانی تک کا تمام زمانہ حضور ﷺ کے سامنے گزرا تھا۔ تاریخ کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ حضرت زینبؓ اس رشتے پر راضی نہ تھیں کیوں کہ انھوں نے کہا تھا کہ ''اے خدا کے رسول ﷺ! میں اس رشتے کو ذاتی طور پر بھی پسند نہیں کرتی، کیوں کہ میرا تعلق قریش کے معزز قبیلے سے ہے جب کہ زیدؓ ایک آزاد کردہ غلام ہیں۔'' حضرت زینبؓ کے خاندان والے تمام لوگ بھی اس کے مخالف تھے اور وہ پسند نہیں کرتے تھے کہ قریش کی کسی لڑکی کی شادی ایک آزاد کردہ غلام سے کر دی جائے۔ ابھی یہ بحث جاری ہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی اور سورۃ الاحزاب (آیت: ۳۶) میں فرمایا:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝۳۶﴾ (الاحزاب)

''کسی مؤمن مرد اور کسی مؤمن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول ﷺ کسی معاملے کا فیصلہ کر دے تو پھر اُسے اپنے معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے۔ جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔''

تب حضرت زینبؓ نے اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا

اور کہا ''کہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی نہیں کروں گی اور میں اس کے ساتھ اپنی شادی پر راضی ہوں۔''___ تاہم ان دونوں میں نباہ نہ ہوسکا۔قریباً ایک سال بعد حضرت زیدؓ نے شکایت کی کہ اُن کی بیوی کا رویہ اور سلوک اُن کے ساتھ مناسب نہیں___ ''اگرچہ حضرت زینبؓ نے اللہ اور رسول ﷺ کے حکم کے تحت حضرت زیدؓ کے ساتھ شادی کر لی تھی، تاہم انھیں مسلسل یہ خیال رہا کہ حضرت زیدؓ ایک آزاد کردہ غلام ہیں، جنھیں اُن کے خاندان والوں نے پالا پوسا تھا اور وہ باوجود عرب کے ایک معزز خاندان کی لڑکی ہونے کے، اُن کے ساتھ بیاہ دی گئی ہیں___ اس احساس کے تحت وہ حضرت زیدؓ کو اپنی ازدواجی زندگی میں اپنے برابر (کفو) نہ سمجھتی تھیں اور اس کی وجہ سے ان دونوں کے درمیان تلخی بڑھتی رہی۔'' (سید مودودیؒ، d، ۱۹۹۹ء)

حضرت زیدؓ نے حضور ﷺ کو بتایا کہ وہ حضرت زینبؓ کو طلاق دینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔حضور ﷺ نے انھیں نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں طلاق، جائز امور میں سب سے بری چیز ہے، اس لیے انھیں چاہیے کہ وہ بیوی کے ساتھ نباہ کرتے رہیں۔اس بارے میں قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ ...﴾ (الاحزاب ۳۳۔۳۷)

''اے نبیؐ! یاد کرو وہ موقع جب تم اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے اور تم نے احسان کیا تھا کہ ''اپنی بیوی کو نہ چھوڑ اور اللہ سے ڈر'' ....''

تاہم حضرت زیدؓ نے انھیں طلاق دے دی اور انھوں نے اپنی عدت پوری کی۔اس موضوع کا پس منظر جس پر اُس وقت سے لے کر آج تک شور وغوغا کیا جا رہا ہے، عربوں کی صدیوں پرانی یہ روایت ہے کہ عرب کے لوگ جس بچے کو متبنیٰ بنا لیتے تھے اسے بالکل اُن کی حقیقی اولاد کی طرح سمجھا جاتا تھا، اُسے وراثت ملتی تھی۔اس سے منہ بولی ماں اور منہ بولی بہنیں ویسا ہی خلا ملا رکھتی ہیں جو حقیقی بیٹے اور بھائی سے رکھا جاتا ہے۔اس کے ساتھ منہ

بولے باپ کی بیٹیوں کے اور اُس باپ کے مرجانے کے بعد اس کی بیوہ کا نکاح اسی طرح ناجائز سمجھا جاتا تھا، جس طرح سگی بہن اور حقیقی ماں کے ساتھ کسی کا نکاح حرام ہوتا ہے۔ اور یہی معاملہ اُس صورت میں بھی کیا جاتا تھا جب منہ بولا بیٹا مرجائے یا اپنی بیوی کو طلاق دے دے۔ منہ بولے باپ کے لیے وہ عورت سگی بہو، کی طرح سمجھی جاتی تھی۔''

عرب میں منہ بولے بیٹے کی رسم کے بارے میں بحث کرتے ہوئے، سیّد مودودیؒ (۱۹۹۹ء) یوں رقمطراز ہیں کہ: ''یہ رسم قدم قدم پر نکاح اور طلاق اور وراثت کے اُن قوانین سے ٹکراتی تھی جو اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ اور النساء میں مقرر فرمائے تھے۔ اُن کی رو سے جو لوگ حقیقت میں وراثت کے حقدار تھے یہ رسم اُن کا حق مار کر ایک ایسے شخص کو دلواتی تھی جو سرے سے کوئی حق نہ رکھتا تھا۔ اُن کی رو سے جن عورتوں اور مردوں کے درمیان رشتۂ نکاح حلال تھا، یہ رسم اُن کے باہمی نکاح کو حرام کرتی تھی۔ اور سب سے زیادہ یہ کہ اسلامی قانون جن بداخلاقیوں کا سدباب کرنا چاہتا تھا، یہ رسم اُن کے پھیلنے میں مددگار تھی، کیوں کہ رسم کے طور پر منہ بولے رشتے میں خواہ کتنا ہی تقدس پیدا کر دیا جائے بہرحال منہ بولی ماں، منہ بولی بہن اور منہ بولی بیٹی، حقیقی ماں، بہن اور بیٹی کی طرح نہیں ہوسکتی۔ ان وجوہ سے اسلامی قانون نکاح وطلاق، قانونِ وراثت اور قانونِ حرمت زنا کا تقاضا یہ تھا کہ متبنیٰ کو حقیقی اولاد کی طرح سمجھنے کے تخیل کا قطعی استیصال کر دیا جائے'' لیکن یہ تخیل محض ایک قانونی حکم کے طور پر اتنی سی بات کہہ دینے سے ختم نہیں ہوسکتا تھا کہ **''منہ بولا رشتہ کوئی حقیقی رشتہ نہیں ہے۔''** صدیوں کے جمے ہوئے تعصّبات اور اوہام محض اقوال سے نہیں بدلے جاتے ــــــ اس لیے ناگزیر تھا کہ یہ رسم عملاً توڑی جائے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کو توڑیں۔ کیوں کہ جو کام حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خود کیا ہو، اور اللہ کے حکم سے کیا ہو، اس کے متعلق کسی مسلمان کے ذہن میں کراہت کا تصور باقی نہیں رہ سکتا تھا۔ اسی بنا پر جنگ احزاب سے کچھ پہلے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اشارہ کیا گیا کہ آپؐ اپنے منہ بولے بیٹے زیدؓ بن حارثہ کی مطلقہ بیوی سے خود نکاح کر لیں اور اس حکم کی تعمیل آپؐ نے محاصرۂ بنی قریظہ کے

زمانے میں فرمائی۔''

تاہم اس امر کا بیان کرنا ضروری ہے ہ حضور ﷺ اس بنا پر سخت متردد تھے اور قدم بڑھاتے ہوئے ہچکچا رہے تھے کہ اگر اس موقع پر آپؐ نے حضرت زیدؓ کی بیوی سے نکاح کیا تو اسلام کے خلاف ہنگامہ اٹھانے کے لیے منافقین اور مشرکین، جو پہلے ہی بھرے بیٹھے ہیں کے ہاتھ ایک زبردست شوشہ آجائے گا''۔۔۔۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی کہ وہ اس قسم کے پروپیگنڈے سے پریشان نہ ہوں۔ سورۃ الاحزاب (آیت ۴ اور ۵) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ مَا جَعَلَ اَدْعِیَآءَکُمْ اَبْنَآءَکُمْ ؕ۔ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ۔﴾ (الاحزاب ۴۔۵)

''اور نہ اُس نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا حقیقی بیٹا بنایا ہے۔۔۔۔ منہ بولے بیٹوں کو اُن کے باپوں کی نسبت سے پکارو۔ یہ اللہ کے نزدیک زیادہ منصفانہ بات ہے۔۔۔۔۔''

اس حکم کی تعمیل میں سب سے پہلے جو اصلاح نافذ کی گئی وہ یہ تھی کہ نبی ﷺ کے منہ بولے بیٹے زید کو زیدؓ بن محمدؐ کی بجائے اُن کے حقیقی باپ کی نسبت سے زید بن حارثہؓ کہنا شروع کر دیا گیا۔ (سیّد مودودیؒ، ۱۹۹۹ء)۔ چوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر ﷺ سے یہ خدمت لینا چاہتا تھا، اس لیے قرآنِ کریم (سورۃ الاحزاب، آیت: ۳۷) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَ تَخْشَى النَّاسَ ۚ وَ اللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰى زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَیْ لَا یَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْۤ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝﴾ (الاحزاب ۳۷)

''۔۔۔۔ اُس وقت آپؐ اپنے دل میں جو بات چھپائے ہوئے تھے اسے اللہ

کھولنا چاہتا تھا، آپؐ لوگوں سے ڈر رہے تھے، حالاں کہ اللہ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ آپؐ اس سے ڈریں۔ پھر جب زیدؓ اس سے اپنی حاجت پوری کر چکا تو ہم نے اس (مطلقہ خاتون) کا تم سے نکاح کر دیا۔ تا کہ مؤمنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے معاملے میں کوئی تنگی نہ رہے، جب کہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں۔ اور اللہ کا حکم تو عمل میں آنا ہی چاہیے تھا۔''

ان آیات کی تشریح کرتے ہوئے سیّد مودودیؒ (۱۹۷۹ء۔د) رقمطراز ہیں کہ: ''بعض لوگوں نے اس فقرے کا الٹا مطلب یہ نکال لیا ہے کہ حضور ﷺ خود حضرت زینبؓ سے نکاح کے خواہشمند تھے، اور آپ ﷺ کا جی چاہتا تھا کہ حضرت زیدؓ ان کو طلاق دے دیں، مگر جب انھوں نے آ کر عرض کیا کہ میں بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہوں تو آپؐ نے معاذ اللہ اوپرے دل سے اُن کو منع کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ''تم دل میں وہ بات چھپا رہے تھے جسے اللہ ظاہر کرنا چاہتا تھا'' حالاں کہ اصل بات اس کے بالکل برعکس ہے۔ اگر اس سورۃ کی آیات نمبر ۱، ۲، ۳ اور ۷ کے ساتھ ملا کر یہ فقرہ پڑھا جائے تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ جس زمانے میں حضرت زیدؓ اور ان کی اہلیہ کے درمیان تلخی بڑھتی چلی جا رہی تھی، اسی زمانے میں اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کو یہ اشارہ کر چکا تھا کہ زیدؓ جب اپنی بیوی کو طلاق دے دیں تو ان کی مطلقہ خاتون سے آپ ﷺ کو نکاح کرنا ہوگا۔ لیکن چونکہ حضور ﷺ جانتے تھے کہ عرب کی اس سوسائٹی میں منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے نکاح کرنا کیا معنی رکھتا ہے ــــــ اور وہ بھی عین اس حالت میں جب کہ مٹھی بھر مسلمانوں کے سوا باقی سارا عرب آپ ﷺ کے خلاف پہلے ہی خار کھائے بیٹھا تھا ــــــ اس لیے آپ ﷺ اس شدید آزمائش میں پڑنے سے ہچکچا رہے تھے۔ اسی بنا پر جب حضرت زیدؓ نے بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ ظاہر کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور اپنی بیوی کو طلاق نہ دو۔ آپ ﷺ کا منشا یہ تھا کہ یہ شخص طلاق نہ دے تو میں اس بلا میں پڑنے سے بچ جاؤں،

ورنہ اس کے طلاق دے دینے کی صورت میں مجھے حکم کی تعمیل کرنا ہوگی۔ اور پھر مجھ پر وہ کیچڑ اچھالا جائے گا کہ پناہ بخدا۔ مگر اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اولوالعزمی اور رضا بالقضا کے جس بلند مرتبے پر دیکھنا چاہتا تھا اس کے لحاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ بات اس کو فروتر نظر آئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قصداً زید کو طلاق سے روکا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کام سے بچ جائیں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بدنامی کا اندیشہ تھا۔ حالاں کہ اللہ ایک بڑی مصلحت کی خاطر وہ کام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لینا چاہتا تھا ___ ''تم لوگوں سے ڈر رہے تھے، حالاں کہ اللہ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو'' کے الفاظ صاف صاف اسی مضمون کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔'' مزید اس آیت سے کہ ''ہم نے اس مطلقہ خاتون کا نکاح تم سے کر دیا۔'' اس بارے میں واضح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے شادی کسی ذاتی خواہش کی بنا پر نہیں کی تھی، بلکہ یہ حکم الٰہی کی تعمیل تھی۔''

احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو کہا کہ وہ جا کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو نکاح کا پیغام دیں۔ پس حضرت زید رضی اللہ عنہ آپ کے پاس گئے اور کہا کہ: ''اے زینب رضی اللہ عنہا! خوش ہو جاؤ کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمھیں نکاح کا پیغام بھیجا ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ ''میں اپنے اللہ کے حکم / اجازت کے بغیر کوئی کام نہیں کرتی، پس وہ اُٹھیں اور نماز ادا کی۔ تب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کے گھر تشریف لے گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شادیوں کا وسیع تناظر میں جائزہ:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازدواجی اور خانگی زندگی کا مطالعہ کرنے کے لیے دوسرے متعدد پہلوؤں کا وسیع تناظر میں جائزہ لینے کی بھی ضرورت ہے۔

ہم نے پہلے بھی اس امر کی صراحت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام شادیاں (کسی کو اس مؤقف سے اتفاق ہو یا اختلاف اس سے قطع نظر) کسی قسم کی جنسی خواہشات کی تکمیل کے لیے نہ تھیں، بلکہ یہ تمام شادیاں شریعت اور اُمت کے چند بڑے مقاصد کے حصول کے لیے کی گئی تھیں۔ جیسا کہ ہم درج ذیل سطور میں اس امر کا جائزہ لیں گے کہ ان شادیوں

کا مقصد بہت سے صحابہ کرامؓ اور دیگر قبائل کے ساتھ اپنے ذاتی تعلقات اور روابط کو مضبوط کرنا تھا۔ جو عرب کے مختلف علاقوں میں رہتے تھے۔

ایک انسان ذرا چشم تصور سے دیکھے کہ ایک ۲۵ سالہ نوجوان، ایک ایسے معاشرے میں جو شراب اور زنا اور دیگر فحش امور میں بری طرح سے ملوث تھا کسی ایسے ذاتی رجحان کا اظہار نہیں کرتا کہ اس کی شادی کسی کنواری لڑکی سے ہو بلکہ وہ ایک ایسی خاتون سے شادی کر لیتا ہے جو دو مرتبہ پہلے ہی بیوگی کی زندگی گزار چکی تھی اور اپنی زندگی کا عین شباب کا دور اس عورت کے ساتھ اپنی عمر کے ۵۰ سال تک گزارتا ہے۔ اور اس کے بعد دوسری ایسی عورتوں سے شادی کرتا ہے جن میں سے بیشتر پہلے شادی شدہ زندگی گزار چکی تھیں (اور بیوہ یا مطلقہ تھیں) اور اُس کی خود اپنی عمر ۵۵ سے ۵۹ سال کی تھی۔ مزید، اُن بیویوں کی عمر سوائے دو کے، ۲۰ سال سے زائد تھیں اور پانچ ازواج کی عمریں ۳۶ سے ۵۰ سال کے درمیان تھی ___ ہمیں یقین ہے کہ دنیا میں کوئی بھی صحیح الفکر اور سلیم الطبع آدمی، ایسے شخص پر ''جنسی جذبے کی فراوانی'' کا بے ہودہ اور لغو الزام لگانے سے اتفاق نہیں کرے گا، جس شخص ﷺ نے ایک پاکیزہ زندگی بہت ہی منضبط طریق پر بسر کی ہو۔ اس پر ان الزامات کی حقیقت سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ یہ مذہبی جنون اور ذہنی بے راہ روی کا شاخسانہ ہیں!

ان چند عمومی امور کے علاوہ، پیغمبر ﷺ کے تعدد ازواج کے بارے میں دیگر بہت سے عوامل بھی کارفرما تھے۔ اولاً ___ مختلف عمر کی عورتوں سے شادی کرنے میں اہم ترین مصلحت اور ضرورت دین کی نشر و اشاعت اور معاشرے کے مختلف افراد بالخصوص خواتین کی تعلیم و تربیت تھی۔ یہ واضح رہے کہ اسلام میں عورتوں اور مردوں کے باہمی اختلاط کی ممانعت ہے۔ اور اس خدائی حکم کی موجودگی میں عورتوں کی براہِ راست تعلیم و تربیت کا فریضہ جس کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں، سر انجام دینا ایک امر محال ہے۔ اس لیے پیغمبر ﷺ کو ایسی عورتوں کا انتخاب کرنا تھا جو مختلف عمر کے لوگوں، مختلف صلاحیتیں اور

نفسیاتی پس منظر رکھنے والے افراد (عورت اور مرد) کو تعلیم و تربیت اور اسلامی تعلیمات دینے کی صلاحیتوں سے بہرہ ور ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس غرض سے اپنی ازواجؓ کا انتخاب کیا، انھیں دینی تعلیم سے آراستہ کیا اور ایک منظم طریق پر دیہی (بدوی/قبائلی) اور شہری لڑکیوں، عورتوں اور بوڑھے لوگوں کو تعلیم و تربیت دینے کے کام پر لگا دیا اور یوں اپنے مشن کی کامیابی کے لیے مرد و عورت کی تعلیم و تربیت کا کام بہت سرعت اور مضبوط بنیادوں پر استوار کیا۔ (نعیم صدیقی ۱۹۶۹ء، صفی الرحمٰن مبارکپوری ۱۹۹۵ء)

امہات المومنینؓ نے یہ فریضہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ہی میں نہیں ادا کیا بلکہ، اُن میں سے جو امہات، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد تک زندہ رہیں، وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات اور احادیث کا علم لوگوں تک پہنچاتی رہیں۔ اس ضمن میں بالخصوص حضرت عائشہ صدیقہؓ کے اس احسان کو امت تا قیامت فراموش نہیں کر سکتی جو صدیقہ کائناتؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث روایت کر کے امت پر کیا۔ ◆

ثانیاً: ایک قبائلی نظامِ معاشرت میں کچھ قبائل کا ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور

◆ خواتین کو دینی تعلیم و تربیت کا فریضہ سرانجام دینے میں شریک کرنے اور اُن کے ذریعے طبقہ اناث میں دعوتی سرگرمیوں کو جاری رکھنے کی ضرورت اس نقطہ نظر سے بھی ہے کہ اسلام نے بہرحال مدینہ یا مکہ تک ہی محدود نہیں رہنا تھا بلکہ اسے دنیا بھر میں انسانوں کی راہ نمائی کا فریضہ سرانجام دینا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات تک تو شاید ایسا ممکن ہوتا کہ مدینہ یا مضافات کی عورتیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے براہِ راست معلومات حاصل کر سکتیں، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد کسی بھی بڑے سے بڑے اور نیکوکار مرد کو یہ ذمہ داری سونپنا خطرے سے خالی نہ تھا کہ عورتیں اپنے مخصوص/ ذاتی مسائل کے حل کے لیے اُن سے راہ نمائی کی محتاج ہوں۔ عیسائیت میں عورتوں کا پادری کے سامنے گناہوں کا اعتراف (Confession) ان خرابیوں کو ثابت کرنے کو کافی ہیں جس سے گرجا گھروں میں جنسی آوارگی کا ایک عام چلن ہوا اور یوں عیسائیت کو مغربی دنیا کے دنیاوی معاملات سے علیحدگی کا سامنا کرنا پڑا، جس کے نتائج بد سے نہ صرف مغرب بلکہ تمام دنیا کے انسان ابھی تک دوچار ہیں اور نہیں معلوم کب تک وہ ان گناہوں کا کفارہ ادا کرتے رہیں گے۔

اشتراک کا طرزِ عمل ہوتا ہے، جب کہ کسی دوسرے قبیلے کے ساتھ معاندانہ چپقلش بھی پائی جاتی ہے۔ (جسے بالعموم عصبیت کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس طرزِ معاشرت میں عموماً لوگ اُن قبائل کے لوگوں کے ساتھ محبت و اخلاص اور وفاداری ظاہر کرتے ہیں، جن کے ساتھ اُن کے قبیلے کا تعلق ہو اور اس کے برعکس دوسرے یا مخالف قبیلے کے لوگوں کے ساتھ دشمنی و نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔ اور یہ دونوں جذبے اُن کے اندر بہت گہری اور مضبوط جڑیں رکھتے ہیں۔ اس لحاظ سے حضورؐ کی ذاتِ گرامی مکہ کے ایک معزز ترین قبیلے سے تعلق رکھتی تھی۔ اور مختلف قبائل میں آپؐ کے بہت سے تعلقات اور رشتے داریاں موجود تھیں، جن کا تعلق مکہ اور مدینہ میں ددھیال اور ننھیال سے بالترتیب تھا۔ اسی طرح بنو ہوازن میں رضاعت کی بنا پر تعلق تھا، کیوں کہ حلیمہ سعدیہ کا تعلق بنو ہوازن قبیلے سے تھا۔ حضور ﷺ کی اپنی بیٹیوں کی شادیوں اور اپنی ذاتی شادیوں کی وجہ سے مختلف قبائل/ افراد کے ساتھ رشتے داریاں تھیں۔

حضور ﷺ کی پھوپھیوں میں ہمیں اُمّ حکیمؓ بیضا، اور ایک دوسری امیمہؓ، تیسری عاتکہؓ اور چوتھی صفیہؓ کے نام بھی ملتے ہیں، ان کے بیٹوں اور بیٹیوں نے اسلام قبول کیا اور دین کی بہت شاندار خدمات سرانجام دیں۔ اس امر کی صراحت ضروری ہے کہ قریش مکہ کی معاندانہ سرگرمیوں کے باوجود یہ رشتے اور علائق مسلسل اپنا کردار ادا کرتے رہے۔ ننھیال کی جانب سے، حضور ﷺ کے والد ماجد حضرت عبداللہؓ کا تعلق مدینہ میں بنو نجار کے ساتھ تھا۔ اُن سے پہلے حضور ﷺ کے ایک دادا ہاشم نے بھی مدینہ کے خزرج قبیلے کی عورت سے شادی کی تھی۔ حضور ﷺ کے والد گرامی کی وفات حسرت آیات کے بعد (جن کی قبر مدینہ میں ہے) حضور ﷺ کی والدہ ماجدہ، مدینے میں اپنے رشتے داروں کو ملنے کے لیے جاتی رہتی تھیں۔ اور اسی دوران وہ اپنے خاوند (حضرت عبداللہ) کی قبر پر بھی دعا کے لیے جایا کرتی تھیں۔ ظاہر ہے کہ بنو نجار حضور ﷺ کو اپنا بیٹا سمجھتے تھے اور تاریخ میں یہ موقع بھی ایک یادگار کے طور پر مشہور ہے کہ حضور ﷺ کی پہلی مرتبہ آمد

مدینہ کے موقع پر بنونجار کی چھوٹی چھوٹی بچیوں نے ہی دف بجا کر حضور ﷺ کا والہانہ استقبال کیا تھا۔

چوں کہ حضور ﷺ نے اپنی طفولیت کے دوران ثویبہؓ جو کہ ابولہب کی ایک باندی تھی، کا دودھ بھی پیا تھا تو حضور ﷺ اُن کے لیے لباس بطورِ تحفہ بھیجا کرتے تھے۔ حلیمہ سعدیہؓ جنھوں نے حضور ﷺ کو مستقل طور پر دودھ پلایا تھا، کا تعلق بنوہوازن سے تھا۔ ان رشتے داروں کی بنا پر، غزوۂ حنین کے موقع پر پکڑے گئے تمام قیدیوں (عورت اور مرد) جن کا تعلق بنوہوازن سے تھا، کو مسلمانوں نے آزاد کر دیا تھا۔

حضور ﷺ نے اپنی صاحبزادی سیّدہ زینبؓ کا نکاح مکہ میں ابوالعاص بن ربیعہ کے ساتھ کر دیا تھا جس کی ماں حضرت خدیجہؓ کی سگی بہن تھیں۔ اُن دونوں نے اسلام قبول کیا اور مدینہ ہجرت کی۔ سیّدہ رقیہؓ جو کہ دوسری بیٹی تھیں کا نکاح حضرت عثمانؓ سے کر دیا تھا۔ یہ وہ باسعادت جوڑا ہے جنھوں نے مدینہ کی جانب ہجرت کی۔ اُن کی وفات کے بعد حضور ﷺ نے اُمّ کلثوم (تیسری بیٹی) کا نکاح بھی حضرت عثمانؓ کے ساتھ کر دیا۔ آپ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی سیّدہ فاطمہؓ حضرت علیؓ کے نکاح میں آئیں۔ اس طرح دو خلفاء کی قریبی رشتے داری حضور ﷺ کے ساتھ قائم ہوگئی، جب کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی صاحبزادیاں حضور ﷺ کی ازواج میں شامل تھیں، جن کی بنا پر ان رشتے داریوں نے بھی دعوتِ اسلام کے پھلنے پھولنے میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ صفی الرحمٰن مبارکپوری (۱۹۹۵ء) نے صحیح طور پر کہا کہ ''حضور ﷺ کا طبعاً رجحان، شیخین (حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ) کے ساتھ رشتے داری اور تعلق کو مضبوط کرنے سے تھا جو آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کے ساتھ رشتہ مناکحت کے ذریعے سے کیا اور اپنی صاحبزادیوں حضرت فاطمہؓ کا حضرت علیؓ کے ساتھ اور دوسری دو بیٹیوں کو یکے بعد دیگرے حضرت عثمانؓ کے ساتھ مناکحت کر کے کیا، اس کا واضح مقصد ان تعلقات کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنا تھا، جن کی قربانیوں اور خدمات کو اُمت تا قیامت یاد رکھے گی۔''

اگرچہ مغربی مصنّفین نے حضور ﷺ کی دو درجن سے زائد شادیوں کا بھی ذکر کیا ہے، لیکن معتبر ترین روایات اور تاریخ سے کل گیارہ شادیوں کا پتہ چلتا ہے۔ حضور ﷺ کی عمر کے آخری ایام میں کل نو ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن زندہ تھیں۔ اس امر کی صراحت کی ضرورت نہیں کہ قرآنی حکم جس کے تحت چار سے زائد بیویوں کی ممانعت کر دی گئی تھی، کے بعد، حضور ﷺ نے کوئی اور شادی نہیں کی۔ تاہم حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی طور پر چار سے زائد بیویوں کو طلاق دے کر فارغ کرنے سے منع فرما دیا تھا، کیوں کہ حضور ﷺ کے ساتھ شادی کے نتیجے میں وہ تمام امہات المومنینؓ کے رتبۂ عظیم پر فائز ہو گئی تھیں اور اس طرح کسی شخص کو اُن کے ساتھ شادی کرنے کی اجازت نہ تھی۔ اگر اُن میں سے کسی ایک کو بھی طلاق دی جاتی تو اس طرح وہ ساری عمر کے لیے تنہا رہ جاتیں جو اللہ کریم کو کسی صورت بھی پسند نہ تھا۔

صحیح اسلامی معاشرے میں عورت کا مقام:

اسلام میں خاندانی نظام کے بارے میں درج معلومات کے بعد ضروری محسوس ہوتا ہے کہ ایک صحیح اسلامی معاشرے میں ایک عورت کا کیا مقام اور کردار ہے، کے بارے میں بھی چند امور زیر بحث لائے جائیں۔ جو درج ذیل ہیں:

o......قرآن کا یہ طریق کار ہے کہ جب کسی آیت میں آدم کا لفظ آتا ہے تو وہاں اگر اس کا تعلق کسی فرد کی جنس سے نہیں ہوتا تو پھر اس کا اطلاق مرد اور عورت دونوں پر برابر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں اپنا خلیفہ/نائب بنا کر بھیجا کہ وہ احکامات الٰہی کو دنیا میں نافذ کریں۔ قرآن کریم میں اس امر کی متعدد آیات ہیں جو اس امر کو واضح کرتی ہیں کہ مرد اور عورت دونوں اس منصب پر فائز ہیں۔

o......اسلامی تعلیمات کا یہ ایک اور اہم پہلو ہے کہ اس نے انسان (عورت اور مرد دونوں) کو اس عظیم منصب پر فائز کرنے کی بنیاد اللہ سے تقویٰ (ڈر اور احکام الٰہی کی پیروی) پر رکھا ہے۔ اسلام میں اس لحاظ سے کسی طور پر کوئی تمیز روا نہیں رکھی گئی کہ اس کا

تعلق کسی گروہ، رنگ ونسل، قبیلے، جغرافیائی تعلق یا جنس سے ہو۔ اسلام نے تقویٰ کو بہت واضح الفاظ میں ہر فرد (مرد/عورت) کی بڑائی کا معیار بنایا ہے۔ (آل عمران ۳:۱۹۵، النحل ۱۶:۹۷، الاحزاب ۳۳:۳۵)۔

o......اللہ تعالیٰ کی نظر میں تمام انسان (مرد/عورت) یکساں ہیں اور ہر دو جنس کے افراد کے لیے اللہ تعالیٰ کا معیار انصاف ایک جیسا ہے۔ ہر شخص پر واضح ہونا چاہیے کہ صنف اناث کا تعلق بھی انسان ہونے کے ناطے مردوں کی طرح ہے۔ پس آخرت میں کسی بھی فرد انسان کی کامیابی کا واحد پیمانہ تقویٰ ہے جس کے بغیر کسی کو بھی اللہ کی جانب سے کسی قسم کے انعام کا مستحق نہیں ٹھہرایا جائے گا۔

جیسا کہ باب دوم میں بتایا گیا کہ قرآن کی رو سے مرد اور عورت دو ایسے ہمراہی ہمدم کی حیثیت رکھتے ہیں جن کے ملاپ سے ایک خاندان کی بنا پڑتی ہے۔ ان دونوں کی رفاقت کے نتیجے میں بے شمار بچے (لڑکے اور لڑکیاں) جنم لیتی ہیں اور یوں انسانی آبادی دنیا کے طول وعرض میں ذاتوں، قبیلوں کی شکل میں بالآخر بڑھتے بڑھتے تہذیبوں کا روپ دھار لیتے ہیں۔

یہاں اس امر پر بھی غور کر لینا ضروری ہے کہ جہاں تمام مذاہب اور تہذیبوں میں عورت کو ایک گھٹیا درجے کی مخلوق گردانا گیا ہے (باب دوم) اس تمام کے برعکس، اسلام نے طبقہ اناث کو ایک اعلیٰ مقام عطا کیا ہے۔ اسلام کی نظر میں عورتیں بھی اپنا وہ فطری فرض ادا کر رہی ہیں جس طرح مرد کر رہے ہیں تا کہ تہذیب وتمدن میں ترقی ہو۔ اور خواتین بھی اس دنیا میں عزت وشرف کے ساتھ زندہ رہ سکیں۔ قرآن نے، عربوں کی لڑکیوں کو قتل کرنے کے رسم بد کی سختی کے ساتھ مذمت کی (سورہ التکویر ۸۱:۸)۔ ایک حدیث میں (بدقسمتی سے لبرل طبقے اور مساواتِ مرد وزن کے حامی افراد نے احادیث کو بھی شک وشبہ کی نظر سے دیکھا ہے)۔ عربوں کی اس قبیح اور سخت دلی کا ایک واقعہ کسی شخص نے اللہ کے رسول کے سامنے اپنی لڑکی کو مارنے کا بیان کیا جس پر آپؐ دو مرتبہ اس قدر روئے کہ آپؐ کی داڑھی

آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ (سنن دارمی)

اسلام کا ایک بہت بڑا احسان طبقہ اناث پر یہ ہے کہ اس نے نہ صرف اس قبیح رسم کا خاتمہ کیا بلکہ لڑکیوں کی پیدائش کو منحوس جاننے کے تصور کو بھی نہ صرف غلط ٹھہرایا بلکہ مثبت طور پر واضح کیا کہ جو شخص بھی ان کی پرورش پرداخت میں بھلائی کرے گا، ایسی لڑکیاں، آخرت میں جہنم سے ان کی نجات کا باعث بنیں گی۔ (بخاری: ۱۰۱، مسلم: ۲۶۳)۔ اس موضوع پر مزید تفصیلی گفتگو کے لیے مصنف کی کتاب (۲۰۱۸ء) کا مطالعہ مفید رہے گا۔

ایک دفعہ کسی نے ام المومنین حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ پیغمبرؐ خدا، سب سے زیادہ کس سے محبت فرماتے تھے تو سیدہؓ نے جواباً کہا حضرت فاطمہؓ سے۔ (ترمذی) اسی طرح جب رسول اللہ سے کسی نے پوچھا کہ آنجنابؐ سب سے زیادہ کس کو چاہتے تھے تو آپؐ نے جواب دیا عائشہؓ۔ (ترمذی) اس حدیث کے مطالعے سے کیا یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے جن دو سے اپنی محبت کا اظہار فرمایا ان کا تعلق طبقہ اناث سے ہی تھا!

اس قسم کی احادیث کی موجودگی میں ایک شخص حیران رہ جاتا ہے اس طرز عمل پر کہ لوگوں نے کیوں کر اور کس طرح، تحقیر نسواں کا غلط اور گھناؤنا الزام، اسلام پر لگایا۔ طبقہ اناث کے عزت و شرف کا معاملہ اسلامی تعلیمات کی رو سے اس قدر حسین اور من موہنا ہے کہ اس پر مزید مطالعہ اور غور و فکر کیا جائے۔ صحیح مسلم کی حدیث ہے کہ ایک مرتبہ ایک ام المومنینؓ اونٹ پر سوار تھیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اونٹ کی مہار پکڑ کر چلانے والے کو خصوصاً ہدایت کی کہ وہ اونٹ کی رفتار کو بہت احتیاط کے ساتھ قابو میں رکھے کہ اس پر بہت ہی نازک اور قیمتی ترین سواری مثل آئینہ موجود ہیں۔

درج بالا چند مختصر جھلکیاں، اسلامی تعلیمات کے بیش بہا خزینوں میں سے ہیں جن کی بناء پر عرب کے جاہل اور اجڈ لوگوں کے طرز عمل اور سوچ میں ایک ایسا عظیم انقلاب رونما ہوا کہ جس کی مثال ڈھونڈنے سے نہیں ملتی۔ مزید برآں یہ عظیم الشان تبدیلی، اتنی مختصر مدت میں واقع ہوئی اور آج تک اس کے ثمرات سے تمام دنیا کی خواتین بہرہ مند ہو رہی ہیں کہ

اسلامی معاشروں میں یتیم لڑکیوں کی کفالت (یتیم لڑکوں سمیت) کو ایک بڑی نیکی کا کام سمجھا جاتا ہے۔ درآنحالیکہ اس ہدایت کو دیئے گئے چودہ صدیاں بیت گئی ہیں۔اس حقیقت کے علی الرغم کہ اس تمام دوران میں مسلم معاشرے میں ہندووانہ اور مغربی تہذیب و تمدن کے خیالات بھی بہت بری طرح سے اثر انداز ہوئے ہیں۔

خواتین کے مساوی حقوق:

اسلام نے طبقہ اناث کو مساوی حقوق عطا کیے ہیں۔شریعت کا یہ ایک بنیادی اصول ہے کہ قصاص (بدلہ) لینے کے معاملے میں کسی ظالم سے مرد و زن کے لیے کسی قسم کی تمیز اور تخصیص روا نہیں رکھی جاسکتی۔

حدیث کی مستند ترین کتب (بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، اور نسائی) میں ایک حدیث موجود ہے کہ کسی یہودی نے ایک لڑکی کو سر پر چوٹ مار کر مار دیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کا قصاص اسی طرح اس کو سر پر چوٹ لگا کر مارنے کا حکم دیا۔ مسلمان فقہا کے درمیان اس امر پر اتفاقِ رائے ہے کہ قصاص کے معاملے میں جنس (مرد/عورت) کی بناء پر کوئی فرق نہیں۔

درج بالا اصول کی انتہا کا یہ عالم ہے کہ اگر کسی مسلمان عورت نے کسی غیر مسلم کو امان دیدی ہو تو تمام مسلمانوں (بلکہ اسلامی ریاست) کے لیے بھی اس عہد کا احترام ضروری ہے۔ امام بخاری نے ایک حدیث لکھی ہے کہ فتح مکہ کے موقعہ پر ام ہانیؓ (ایک جید صحابیہؓ) نے ابن ہیرہ نامی کافر کو امان دیدی جبکہ حضرت علیؓ اسے (کسی جرم کی بناء) قتل کرنے کے درپے تھے۔ تاہم جب معاملہ آنحضرت ﷺ کی جناب میں پہنچا تو آنجناب ﷺ نے فیصلہ صادر فرمایا کہ **"اے ام ہانی، ہم بھی اس شخص کو امان دیتے ہیں جسے تم نے امان دیدی ہے۔"**

مرد و زن میں مساوات کے لحاظ سے ایک اور بہت اہم پہلو یہ ہے کہ اسلام نے خواتین کو بھی ملکیت (ہمہ اقسام زمین/مکان/دولت/تجارت) کا حق دیا ہے۔ جس پر مرد/

خاوند کو کسی قسم کا قانونی اختیار حاصل نہیں۔ سورۃ النساء (۴:۳۲) میں اس امر کو واضح کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح اللہ کریم نے از خود وراثت کے قوانین کی وضاحت کرتے ہوئے مختلف معاشرتی حالات میں عورتوں کے حصے کا تعین فرما دیا تا کہ آنے والے دور میں کوئی شخص احادیث کے انکار کی بناء پر اس حکم کی خلاف ورزی نہ کر سکے!

تاریخ انسانیت کے طویل دور کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ طبقہ اناث کو مردوں کے مقابلے میں، زندگی کے تمام پہلوؤں (سماجی، قانونی، معاشی اور تعلیمی وغیرہ) میں کم تر حقوق دیئے گئے ہیں۔ یہودیت، عیسائیت اور ہندو مذہب میں متعدد ایسے رسم و رواج اور قوانین موجود تھے جن کی رو سے ایک جرم کے ارتکاب پر مرد اور عورت میں فرق کیا جاتا ہے۔ ظالم اور مجرم مرد کو کم تر سزا دی جاتی تھی جبکہ اس قسم کے جرم میں عورتوں کو سخت سزا دی جاتی تھی۔ اس صورت حال کے بالکل برعکس، اسلام میں ہر دو اصناف کے لیے ایک ہی قسم کا سلوک/سزا تجویز کی گئی ہے جن کی بنیاد عدل و انصاف اور مساوات کے اصول پر رکھی گئی ہے۔ ایک حدیث کے مطابق جو ابوداؤد اور ترمذی میں روایت کی گئی ہے اس مساواتِ عدل کا ذکر ہے۔ ابن العابدین حنفی (ایک صاحب علم) نے شرعی قوانین کا تفصیلی مطالعہ کرنے کے بعد واضح کیا کہ فرض، واجب، سنت اور ممنوعہ احکام کی کل تعداد ۷۵ ہے جن کا تعلق ہر دو اصناف (مرد اور عورت) سے ہے۔ ان میں ایسے احکام مثلاً مرد اور عورت کو حالت نماز میں کس طرح ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا چاہیے؟ مرد و عورت کو دفنانے کے لیے کس قدر کپڑے کی ضرورت ہے؟ مرد اور عورت میں بلوغت کے کیا آثار/علامات ہیں؟ وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ **ان ۷۵ احکاماتِ فقہ میں صرف ۶ یا ۷ ایسے فقہی احکام ہیں جن میں مرد و زن کے درمیان فرق پایا جاتا ہے مثلاً احکامِ وراثت، عورت کی گواہی وغیرہ جبکہ تمام دوسرے احکامات فقہ میں مرد و زن کے درمیان کسی قسم کی کوئی تفریق نہیں پائی جاتی۔ (جلال الدین عمری: ۲۰۰۸ء)**

عورت اور مرد کے لیے مختلف میدان کار:

اگر چہ اسلام کی نظر میں عورت و مرد بہت سے امور زندگی میں یکساں اور مساوی ہیں تاہم زندگی میں ان دونوں کے لیے میدانِ کار علیحدہ بتائے گئے ہیں۔ عورت کے لیے میدان کار، بنیادی طور پر اس کا گھر ہے جبکہ مرد کے لیے بیرونی کاموں کی ذمہ داری ہے۔ قرآن کی رو سے عورت کو گھر کی ملکہ کی حیثیت سے گھریلو امور کی بجا آوری کا فریضہ سونپا گیا ہے۔ جیسا کہ ہم آئندہ ابواب میں پڑھیں گے کہ مغربی عورت کو گھریلو امور کی بجا آوری بھی کرنی پڑتی ہے اس بیرون خانہ نوکری کے علاوہ جس میں وہ اپنی زندگی کے بیش بہا اوقات صرف کر دیتی ہے اور شام کو جب تھکی ہاری گھر آتی ہے تو کھانا پکانا، لانڈری اور بچوں کی دیکھ بھال نیز خاوند کی خدمت جیسے مسائل سے بھی اسے نبرد آزما ہونا پڑتا ہے۔ اسلام کی نظر میں یہ ایک بڑی زیادتی ہے کہ اسے دونوں محاذوں پر کام کرنے پر مجبور کیا جائے۔ اس لیے اسلام نے مرد کو روزی کمانے کا فریضہ سونپا ہے کہ وہ اپنی نیز دیگر اہل خانہ (بیوی/بچوں) کے لیے کھانے پینے، رہائش، صحت، تعلیم اور دیگر ضروری اخراجات کے لیے کام کرے۔ ہم اس جگہ طبقہ اناث کی فطری جسمانی کمزوری کا تذکرہ نہیں کریں گے تاہم اس حقیقت سے بھی نظریں نہیں چرائی جاسکتیں کہ اس طبقے کو ہر ماہ ایسی صورت حال سے دوچار ہونا پڑتا ہے جس میں ان کے جسم و جان کی بہترین توانائیاں خرچ ہو جاتی ہیں۔ تاہم ایسی صورت میں کہ وہ حاملہ ہو جائیں تو پھر ۹ تا ۱۰ ماہ کا عرصہ مزید ان کے لیے مشکلات کا دور ہوتا ہے۔ بعد ازاں بچے کی پیدائش کی صورت میں مزید ۳، ۴ سال تک بچے کی پرورش اور غور و پرداخت کا مرحلہ بھی بہت جان لیوا معاملہ ہوتا ہے۔ ایسے تمام معاملات کی صورت میں اس کی جسمانی صحت، ذہنی اور نفسیاتی حالت اسے اس قابل نہیں چھوڑتی کہ وہ بیرون خانہ جا کر دکان/دفتر میں کوئی کام کرے۔ اس لیے اس صورت حال کا موزوں ترین اور مبنی بر انصاف حل یہ ہے کہ اسے بیرون خانہ کاموں سے فارغ کیا جائے۔ تا کہ وہ گھریلو امور پر انہماک کے ساتھ توجہ دے سکے۔ جہاں تک خواتین کے گھریلو کاموں میں مصروفیت اور قوتِ کار کا

تعلق ہے تو اس بدیہی امر سے انکار ممکن نہیں کیونکہ گھریلو امور میں اہم ترین مقصد ایک گھر میں ایک نہایت خوشگوار ماحول فراہم کرنا ہے۔ جہاں اس کے اہل خانہ نہایت سکون اور آرام کے ساتھ رہ سکیں۔ اس خوشگوار ماحول کی فراہمی میں اس کے جسم و جان کی بہترین صلاحیتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ موجودہ دور میں مسلم ممالک (بالخصوص مغرب میں) زندگی اس قدر سخت اور گھمبیر مسائل کا شکار ہوگئی ہے کہ ایک انسان کو روزی کمانے کے لیے بے شمار پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ وہ اس قدر تھک کر چور ہوجاتا ہے کہ اسے گھر میں ایک بہت ہی پرسکون ماحول کی ضرورت ہوتی ہے۔ جہاں ایک وفا شعار بیوی اپنے بچوں کے ساتھ محبت اور جذباتِ اشتیاق کے ساتھ اس کی منتظر ہوتا کہ نہ صرف وہ دن بھر کی محنت اور تھکان کو دور کرسکے بلکہ اگلے روز کے لیے اس کی قوت و طاقت ایک بار پھر اسے میدان کارزار میں لے جاسکے۔

بچوں کی پرورش

خواتین خانہ کے لیے گھریلو سطح پر ایک اور نہایت اہم ذمہ داری بچوں کے دورِ طفولیت میں پرورش کے لیے انہیں اپنا دودھ پلانا ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے بچوں کو دودھ پلانا ایک بہت اہم فریضہ ہے۔ **اسلام میں اس کی حیثیت صرف غذا کی فراہمی ہی نہیں بلکہ یہ ایک بہت قیمتی قدر (Value)** ہے جس کی اسلامی شریعت میں بہت اہمیت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ایسی عورت جو اپنے علاوہ کسی دوسری عورت کے بچے کو دودھ پلاتی ہے اسے ''دودھ پلائی ماں'' کا درجہ حاصل ہے اور اس کے اپنے بچے دودھ شریک بھائی بہن کہلاتے ہیں جن کے ساتھ شادی بیاہ کا رشتہ استوار نہیں کیا جاسکتا۔ اسلامی تعلیمات کی رو سے ایسی خاتون کی عزت و تکریم کا بہت زیادہ خیال رکھا گیا ہے۔

ماں کے بچے کو دودھ پلانے سے از خود عورت اور بچے کو ایک ایسی جذباتی محبت اور اطمینان نصیب ہوتا ہے جس کے فوائد کا ادراک بھی ممکن نہیں۔ اس کی وجہ سے جہاں ایک طرف بچے کو طمانیت اور محبت کے جذبات کا احساس ہوتا ہے وہاں ماں کے جسمانی نظام

میں اس قسم کے ماء الحیات (Hormones) بھی پیدا ہوتے ہیں جس کی بناء پر پیدائش کے عمل کے بعد رحم سے ان جھلیوں (Placental Membranes) کا اخراج بھی عمل میں آتا ہے جس کے نتیجے میں بچے کی پیدائش کے لیے رحم اپنی دوبارہ اصل طبعی حالت میں تیار ہوجاتا ہے۔

درج بالا فوائد کے علاوہ موجودہ زمانے میں تحقیق سے پتہ چلا ہے کہ دماغی امراض کے ہسپتالوں میں ۹۰ فی صد ایسے مریض تھے جنہوں نے طفولیت میں اپنی ماؤں کا دودھ نہیں پیا تھا۔ اسی طرح وہ بچے جنہوں نے ابتدائی عمر میں اپنی ماں کا کم از کم ۹ ماہ دودھ پیا تھا، ان کی عقل وفراست کا انڈیکس (IQ) بہتر تھا بہ نسبت ان بچوں کے جنہیں ماؤں کا دودھ نہ ملا تھا یا انہوں نے صرف دو ماہ تک ہی دودھ پیا تھا۔ (ام کلثوم ۲۰۰۰ء)

اسی طرح خواتین کے لیے بچوں کی پرورش وتربیت اور تعلیم کی دیکھ بھال ازخود ایک اس قدر بھاری ذمہ داری ہے جس کی موجودگی میں اسے گھر سے باہر جا کر نوکری کرنے کے جھمیلوں سے فارغ کرنا نہ صرف عدل وانصاف کا تقاضہ ہے بلکہ ملک وملت کے لئے ایک خوشحال اور صحت مند، نئی نسل فراہم کرنا بھی ہے۔

ایک مثالی مسلمان خاتون:

ذیل کے صفحات میں ہم ایک ایسی مثالی مسلم عورت کے بارے میں معروضات پیش کررہے ہیں جو ان تمام صفات اور کردار کی حامل ہوتی ہے جو اسلام کو مطلوب ہے تاکہ موجودہ دور میں ان تمام لوگوں کی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا جاسکے جو یہ کہتے ہیں کہ اسلام میں عورت کو گھر میں قید کر کے رکھا گیا ہے۔ اس ضمن میں درج ذیل چند امور قابل غور ہیں۔

اسلامی تعلیمات کی پابندی:

ایک مسلمان عورت کے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ اس کا تعلق اپنے رب، خالق اور مالک کے ساتھ کس قدر مضبوط ہے۔ وہ نہ صرف اللہ تبارک تعالیٰ کے اس حق کو پہچاننے والی ہوتی ہے کہ اس دنیا میں اسے آزمائش کے طور پر بھیجا گیا ہے جس کا حساب اس سے آخرت

میں لیا جائے گا اور دراصل کامیاب وہ فرد ہوگا جسے آخرت میں رضائے الٰہی کا پروانہ نصیب ہوگا۔ اس کے علاوہ وہ نبی آخر الزماں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت پر بھی ایمان رکھتی ہے۔ مزید براں اسے اسلام کی دیگر تعلیمات کا بھی واضح اندازہ ہوتا ہے اور وہ تمام تعلیمات پر دل وجان سے عمل پیرا بھی ہوتی ہے۔ ان میں اولین حیثیت پانچ وقت کی نماز ہے جس کا ادا کرنا ضروری ہے۔ اسلامی تعلیمات کی رو سے وہ جمعہ کی نماز مسجد میں جا کر دیگر خواتین اسلام کے ساتھ ادا کرسکتی ہے۔ اسی طرح پیغمبرؐ اسلام نے عیدین کے موقعہ پر انہیں نماز پڑھنے کے لیے عیدگاہ جانے کی نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ نوعمر بچیوں حتیٰ کہ حالت حیض میں عید کا خطبہ اور دعا میں شرکت کی اجازت بھی دی ہے۔ اسی طرح مسلم خواتین کو اس امر کی بھی تاکید کی گئی ہے کہ وہ زندگی میں درپیش مسائل کے بارے میں قرآن حدیث اور سیرت طیبہ کے پڑھنے کی وجہ سے دینی احکامات کا علم حاصل کریں اور ان پر عمل پیرا ہوں۔ مسلمان عورتوں پر زکوٰۃ بھی فرض ہے اگر وہ صاحب نصاب ہوں۔ ان پر رمضان المبارک کے روزے رکھنے اور حج (اگر اس کی استطاعت ہو) بھی فرض ہے۔

(ب) عورتوں کے لیے حصول تعلیم:

اسلام میں نہ صرف قرآن وحدیث بلکہ عمومی تعلیم کا حصول بھی عورتوں اور مردوں کے لیے برابر ضروری قرار دیا ہے جو سکولوں/کالجوں اور یونیورسٹیوں میں دی جاتی ہے۔ اور یہ امر ابتدائے اسلام سے ہی ضروری قرار دیا گیا ہے۔ ساتویں باب میں ہم نے نہایت تفصیل کے ساتھ متعدد عالمہ خواتین صحابیات و دیگر کا ذکر کیا ہے۔ ایک مرتبہ خواتین نے اللہ کے رسولؐ سے عرض کی کہ ان کے لیے علیحدہ سے تعلیم کا بندوبست کیا جائے جس پر رسولؐ اللہ نے ایک صحابیہؓ کے گھر میں علیحدہ سے اہتمام کیا۔ مختلف صحابیاتؓ مثلاً اسماء بنت یزید (انصاری خاتون) اور سلیم بنت ملہن نامی نیز متعدد صحابیاتؓ ایسی تھیں جنہوں نے براہِ راست اللہ کے رسولؐ سے مختلف امور پر تعلیم حاصل کی تھی۔ ایسی تمام خواتین نے کبھی جھجک محسوس نہیں کی، حضورؐ سے براہِ راست سوال کرنے اور اپنی معلومات حاصل کرنے

کے لیے۔اس قسم کی ایک بہت واضح مثال ایک خاتون صحابیہؓ کی ہے جو حضرت سعدؓ بن خولہ کی زوجہ تھیں۔ ان صحابی کا انتقال حجۃ الوداع کے فوراً بعد ہو گیا جبکہ ان کی بیوی حاملہ تھیں اور بچے کی پیدائش شوہر کی وفات کے فوراً بعد ہوگئی۔ ایک صحابیؓ نے انہیں بتایا کہ ان کی دوسری شادی عدت کی مہلت ختم ہونے کے بعد ہو سکتی ہے۔ اس خاتون صحابیہؓ نے بعد ازاں ازخود بتایا کہ: ''جب ان صاحب نے مجھے یہ کہا تو میں تیار ہو کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ میں نے آپؐ سے اس امر کے بارے میں استفسار کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ: '' میری عدت تو اس وقت ہی ختم ہو گئی تھی جب بچے کی پیدائش ہو گئی تھی اور مزید فرمایا کہ میں جب چاہوں، کسی کے ساتھ شادی کرنے کی مجاز ہوں۔''____ان صحابیہؓ کا یہ عمل نہ صرف ذاتی طور ان کے لیے باعث رحمت بنا بلکہ آخرت تک کے لیے تمام مسلمان خواتین کے لیے راہ نمائی اور بھلائی کا پیغام ثابت ہوا۔ یہاں اس امر کا تذکرہ بھی باعث دلچسپی ہے کہ پیغمبرؐ اسلام کے اس فیصلے سے امت کے چاروں مسالک کے فقہاء نے اتفاق کرتے ہوئے یہ استشہاد کیا کہ کوئی بیوہ عورت جو حاملہ ہو، کی عدت اس وقت ختم ہو جاتی ہے اور وہ شادی کر سکتی ہے جب اس کے ہاں بچے کی پیدائش ہو جائے چاہے بچے کی پیدائش، خاوند کی وفات کے فوراً بعد ہو جائے اور ابھی خاوند کی نعش کو دفنانے کے لیے غسل بھی نہ دیا گیا ہو۔ فقہائے کرام کی دقتِ نظر اور دینی بصیرت کی داد دینی پڑتی ہے کہ وہ کس طرح رسولؐ خدا کے فرامین سے قوانین اخذ کرتے ہیں تا کہ امت کے لئے ان پر عمل کرنا آسان ہو جائے۔ بدقسمتی سے اس قسم کی کوششوں کو اختلاف کا باعث بنا کر فرقہ بندی کو فروغ دیا گیا ہے اور جس کی بناء پر اعدائے اسلام کو یہ کہنے کا موقع ملا کہ اسلام اختلافات کی وجہ سے شدت پسند مذہب ہے۔ مختلف اہل علم خواتین (Arifa Farida 2006, Riffat Hassan 1999) و دیگر کی جانب سے یہ سوال پوچھا جاتا ہے کہ کیا ماضی بعید یا مستقبل میں ایسی کسی خاتون کی نشان دہی کی جا سکتی ہے جن کے فہم دین اور قوتِ فیصلہ پر مرد حضرات نے اتفاق کیا ہو؟ کاش یہ سوال کسی غیر مسلم خاتون (یہودی، عیسائی، ہندو) نے کیا ہوتا۔ ہم ہر دو

خواتین کے علمی مرتبے اور تعلیم و تعلم کے ساتھ ان کے دیرینہ تجربہ کے قائل ہیں تاہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ اسلامی تاریخ میں ابتدائی دور سے لے کر آج تک ایک نہیں، سینکڑوں خواتین ایسی گزری ہیں جن کی قوت فیصلہ اور فہم و فراست کی داد ہمیشہ امت نے بہت کشادہ دلی کے ساتھ دی ہے حضرت عائشہؓ کے فیصلوں سے متعدد جید صحابہ کرام نے نہ صرف اتفاق کیا بلکہ اپنی رائے سے رجوع کرلیا۔ حالیہ دور میں محترمہ فاطمہ جناح کو ایوب خان کے مقابلے میں صدارت کے لیے اس دور کے جید ترین علماء نے متفقہ طور پر نامزد کیا۔ اس کتاب کے ساتویں باب میں ہم نے ایسی تمام تر تفصیل مختلف گوشواروں کی شکل میں واضح کی ہیں۔ کیا ان کی نظر سے، تاریخ کی یہ گواہی نہیں گزری؟ **ہم یہ ماننے سے انکار کرتے ہیں کہ علم کے جس قدر وافر حصے سے وہ بہرہ مند ہیں، یہ ممکن بھی ہوسکتا ہے۔ ایسے عالم میں یہ سوال ان کی علمی وجاہت پر ازخود ایک سوال کی حیثیت رکھتا ہے۔**

ہم نے ساتویں باب میں اس امر کی وضاحت کی ہے حصول علم کے مسئلہ کا تعلق کسی صورت بھی صنف کا مرہونِ منت نہیں (Gender Specific)۔ علوم کا حصول ہر مرد اور عورت کے لیے ایک فریضہ کی سی حیثیت رکھا ہے تاکہ انسانیت کو فائدہ پہنچایا جاسکے۔ تاہم یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حصولِ علم کی اصطلاح سے کیا مراد ہے؟ اس کا بہت ہی جامع اور مختصر جواب یہ ہے کہ اسلام حصول علم کے بارے میں ایک بہت مثبت رائے کا حامل ہے۔ گزشتہ ادوار میں دینی اور دنیوی علوم کے درمیان جو غیر ضروری بحث کی گئی اس کا اطلاق بہرحال اسلام پر نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن کریم) میں علم کی اصطلاح کو جن وسیع معنوں میں بیان فرمایا ہے، اس کی وسعت، گہرائی اور گیرائی میں ہر وہ علم آتا ہے جو انسان کے لیے نافع ہو اور جس کا حصول اسے اللہ تبارک تعالیٰ کی ذات کا عرفان نصیب کرے۔ اس مختصر بیان سے موجودہ زمانے کے پڑھے لکھے خواتین و حضرات کی یہ غلط فہمی دور ہوجانی چاہیے کہ اسلامی تعلیمات کی رو سے سکولوں/کالجوں/یونیورسٹیوں میں دی جانی والی تعلیم کا حصول غلط ہے۔ اسلام کی رو سے حصول تعلیم کا مثبت مقصد بہرحال

اہم ترین حیثیت رکھتا ہے۔ جس سے گزشتہ ڈیڑھ دو صدیوں میں بہت اغماض برتا گیا ہے اور جس کے نتیجے میں دینی اور دنیوی تعلیم کی غیر ضروری بحث چھڑ گئی۔ (تفصیلات کے لیے دیکھیے محمد آفتاب خان ۲۰۱۷ء اور اسماء آفتاب نیز محمد آفتاب خان ۲۰۲۲ء)

مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک مسلمان خاتون ہر وہ علم حاصل کر سکتی ہے جس سے انسانیت کو فائدہ پہنچایا جاسکے جو فی الوقت مختلف تعلیمی اداروں کے ذریعے دی جا رہی ہے۔

مسلمان خواتین کی تعلیم کے ضمن میں ایک اور اہم سوال یہ درپیش آتا ہے کہ کیا لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے ایک ہی نصاب تعلیم کی پابندی ضروری ہے؟ تاہم یہ ایک غیر ضروری بات ہے کہ ہر دو اصناف کی تعلیم کا نصاب یکساں ہو۔ اس لیے کہ ہر دو اصناف کو اپنی زندگی میں ایسے مسائل سے واسطہ پڑتا ہے جہاں ایک جیسی تعلیم ان کی ضروریات کے لیے ناکافی ہوتی ہے۔ اس امر پر اب بہت زیادہ دلائل کی ضرورت نہیں کہ اب امریکہ جیسے ملک میں بھی اس ضرورت کا احساس کر لیا گیا ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے ایک جیسے مضامین اور نصاب ضروری نہیں اور وہاں یک صنفی سکولوں (Single Sex Schools) کا اجرا ہونا شروع ہو گیا ہے۔ ان ممالک میں بھی مرد و زن کی مساوات کے قائلین اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ مخلوط تعلیمی ادارے ان کی لڑکیوں کے لیے نقصان دہ ثابت ہو رہے ہیں کہ وہاں ان کی عزتِ نفس مجروح ہوتی ہے جس کی وجہ سے نہ صرف ان کا تعلیمی معیار متاثر ہوتا ہے بلکہ وہ ترقی بھی نہیں کر سکتیں۔ وہاں بھی اب والدین یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ سکولوں میں ان کی لڑکیوں کو لڑکوں کی ایذا رسانی، باتونی گفتگوؤں اور لڑکیوں کی چٹیا (Ponytail) کھینچنے کی وارداتوں رشرارتوں سے محفوظ و مامون رکھا جائے۔ مصنف نے اپنی کتاب (۲۰۱۴ء) میں اس موضوع پر بہت تفصیل سے گفتگو کی ہے۔

خواتین کی عمومی تعلیم

یہ امر باعث خوشی ہے کہ مسلم ممالک میں لڑکیوں کی تعلیم روز بروز ترقی پذیر ہے۔ مسلم اہل علم نے طبقہ اناث کی تعلیم کی ضرورت اور اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے مثبت اقدامات کا

ذکر کیا ہے۔ علامہ اقبال نے خواتین کی تعلیم کے بارے میں بہت فکر انگیز نکات پر راہ نمائی دی ہے (باب نہم) سید مودودیؒ (۱۹۸۲ء) نے لڑکیوں کی تعلیم کے بارے میں بہت تفصیل کے ساتھ وضاحت کی ہے۔ حالیہ دور میں مختلف اہل علم اور اداروں کی جانب سے بلوغت اور عائلی زندگی کی تعلیم (Adulthood and Marital Life) کے بارے میں تعلیم کا خاکہ پیش کیا گیا ہے۔

(D. Oyen, F.M, 1996; Iqra trust, 1997; Miehael, J.Aeiss and S.Abdul Mabud, 1998; Khan and Ahsan 2010).

اسی طرح ایک بہت عمدہ کوشش ''خواتین معاشی اختیارات و تعلیم خالد رحمن/ سلیم منصور خالد ۲۰۰۷ء کے نام سے شائع ہوئی ہے جو انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز اسلام آباد کے تحت دو سیمینارز کی سفارشات پر مبنی ہے جو کراچی اور اسلام آباد میں منعقد ہوئے تھے۔ ان سمیناروں کے شرکاء نے نہایت تفصیل کے ساتھ خواتین کی تعلیم کے موضوع پر سیر حاصل گفتگوؤں سے سفارشات مرتب کی ہیں۔ نیز انہوں نے ان عوامل اور مسائل کا بھی جائزہ لیا جو پاکستان میں اس تعلیم کی راہ میں مانع ہیں۔ ان میں سے ایک ماہر ڈاکٹر خاتون (محترمہ شگفتہ نقوی صاحبہ) نے نہایت دقتِ نظر کے ساتھ اس امر کا جائزہ لیا کہ بچیوں کی تعلیم (پرائمری، مڈل، میٹرک، ایف اے، بی اے) کی سطح پر ایسی تعلیم کا بندوبست کیا جائے جو لڑکیوں کی بنیادی ضروریات کی تکمیل کر سکے۔ ان کے مقالے کے چیدہ چیدہ نکات کا خلاصہ ذیل میں درج ہے۔

O___ تمام بچوں (لڑکوں/لڑکیوں) کو دین کی بنیادی تعلیم گھریلو سطح پر دی جانی چاہیے جن میں توحید و رسالت، آخرت، فرشتوں اور قرآن و حدیث کی اہم ترین معلومات دینی ضروری ہیں۔ اس ضمن میں انہوں نے لڑکیوں کے لیے سورۂ نور کی چند آیات سکھانے/ پڑھانے کی ضرورت پر زور دیا (سنن دارمی کی روایت کے تحت)۔

O___ بچیوں کو قرآن کی چند آیات کو بمعہ معنی یاد کرنے، حدیث کی کسی آسان کتاب اور سیرتِ طیبہ کا مطالعہ نیز امہات المومنین کی زندگی کے حالات سے آگاہی دینی ضروری ہے۔ ہم نے اس کتاب کے باب نہم (اقبال اور عورت) میں حضرت فاطمہؓ کے اسوۂ حسنہ کے بارے میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے بطور زوجہ حضرت علیؓ اور حسنؓ و حسینؓ کی ماں کے۔ ضرورت ہے کہ بچیوں کو سیدہ بتولؓ کی زندگی سے روشناس کرایا جائے۔

O___ بچیوں کے لیے حفظان صحت اور طہارت کے بنیادی اصولوں کی تعلیم (وضو، دانتوں کی صفائی، لباس وغیرہ) ضروری ہے۔ یاد رہے کہ اس قسم کی تمام تر تعلیم گھریلو سطح پر دی جاسکتی ہے۔ اس ضمن میں وقت کی پابندی کے بارے میں بھی تاکید ضروری ہے۔

O___ خاندان کے دیگر افراد، ہمسایوں وغیرہ کے ساتھ خوش اخلاقی کی تربیت بھی گھریلو سطح پر دی جانی چاہیے۔

O___ اکثر والدین کو اس حقیقت کا ادراک نہیں ہوتا کہ بچپن/ طفولیت، عمر کا ایک ایسا دور ہوتا ہے جب بچے میں اخذ کرنے کی صلاحیت اپنے عروج پر ہوتی ہے۔ تاہم یہ زبانی جمع خرچ کرنے سے نہیں بلکہ والدین کو اپنے ذاتی عمل سے یہ تعلیم دینی ضروری ہے۔ والدین کی ایک بہت بڑی تعداد اس امر سے آگاہ ہی نہیں کہ اس عمر میں وہ بچوں کی دینی تعلیم پر کتنا وقت صرف کرتے ہیں اس طریق پر جس طرح ان باتوں کو وہ سمجھ سکے۔ اکثر والدین بچوں کے کھلونوں، تفریح، کپڑوں، جوتوں پر بے شمار وسائل/اخراجات کرتے ہیں تاہم انہیں کبھی یہ خیال بھی نہیں ہوتا کہ وہ بچوں کو ایسا ہلکا پھلکا اور ان کی عمر اور ذہنی بلوغت کے مطابق لٹریچر (کہانیاں، نظمیں، چٹکلے وغیرہ) پڑھنے کو دیں۔ بچوں پر ایسے عمدہ لٹریچر کے پڑھنے سے کس قدر اہم اور خوشگوار اثرات مرتب ہوتے ہیں اکثر و بیشتر والدین اس امر سے آگاہ ہی نہیں ہوتے ''روشنی اور ترقی کے اس دور'' میں بھی حتیٰ کہ مغرب میں بھی اس کا بہت کم شعور لوگوں کو ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ تاکید فرماتے تھے کہ بچوں کو عمدہ اشعار یاد

کرائے جائیں جس سے ان کا ذہنی افق وسیع ہو جاتا ہے!

O___ حال ہی میں بہت سے افراد اور تنظیموں نے ایسا عمدہ لٹریچر بچوں کے لیے تیار کیا ہے جو پری سکول سے لے کر ہائی سکول کے بچوں کے لیے نہ صرف موجودہ سکولوں میں تعلیمی نصاب کے مطابق ہے بلکہ بہت خوبصورت رنگین تصاویر وغیرہ کے ذریعے بھی بچوں کے لیے باعث دلچسپی ہوتا ہے۔ اس ضمن میں ایک خاتون ڈاکٹر محترمہ ثمینہ معراج صاحبہ نے اپنی پیشہ ورانہ مصروفیات کے علاوہ **ایسا نصابی مواد بھی تیار کیا ہے جو Pakistan Home Schools کے نام سے انٹرنیٹ پر دیکھا جا سکتا ہے۔ نیز انہوں نے اس کا عملی مظاہرہ بھی ویڈیو کی صورت نیز سکول جا کر بچوں کو تعلیم دینے سے کیا ہے۔**

O___ اسی طرح کا ایک دوسرا سلسلہ آفاق نامی تنظیم کر رہی ہے جنہوں نے نہ صرف پری سکول، پرائمری، مڈل ہائی سکولوں اور انٹرمیڈیٹ کے لیے عمدہ نصابی کتب شائع کی ہیں بلکہ بچوں کی انسائیکلو پیڈیا کے تحت چار موضوعات پر مستقل سلسلہ بھی شروع کیا ہے۔ جانوروں (چیونٹی سے لے کر وہیل مچھلی) ایجادات (سوئی سے لے کر ایٹم بم) شخصیات (قدیم و جدید) اور ممالک ر جغرافیہ و تاریخی حالات پر مشتمل ہیں۔ یہ مختصر (۸ ورقہ) معلومات عمدہ کاغذ پر رنگین طباعت کے ساتھ نہایت ارزاں قیمت پر دستیاب ہیں۔

O___ ڈاکٹر شگفتہ نقوی صاحبہ نے مزید واضح کیا کہ درج بالا بنیادی تعلیمات کے بعد جو گھریلو سطح پر دی جا سکتی ہیں، لڑکیوں کے لیے بالکل علیحدہ سے تعلیم کا بندوبست کرنا ضروری ہے۔ لڑکیوں کو بالخصوص ان مضامین کی خصوصی تعلیم دینی چاہیے جو ان کی زندگی میں عملاً ان کے لیے مفید اور معاون ثابت ہو یعنی گھریلو خانہ داری اور بچوں کی پرورش و نگہداشت کی تعلیم۔ اس ضمن میں انہوں نے وضاحت کی کہ:

O___ بچیوں کو کھانے پکانے کی تربیت دی جائے۔ گھریلو سطح پر سلائی بنائی کی تربیت، خوراک کی حفاظت (شربت رچٹنی رمربہ وغیرہ) بنانے کے طریقے نیز بسکٹ وغیرہ

بنانے کی ترکیبوں سے آگاہی ضروری ہے۔

O___ بچیوں کو گھریلو اخراجات کا بجٹ بنانا بھی بہت ضروری ہے۔

O___ اسی طرح فرسٹ ایڈ کی تعلیم تاکہ معمولی تکالیف میں فوری مدد دی جاسکے، بھی ضروری تعلیم کا حصہ ہونا چاہیے تاکہ وہ افرادِ خانہ کی خدمت کرسکیں بوقت ضرورت۔

O___ اسی طرح گھریلو سطح پر صفائی، عمدہ آرائش، بچوں کے لباس کی تیاری وغیرہ کی تربیت بھی ضروری ہے۔

لڑکیوں کے لیے اعلیٰ تعلیم کا حصول:

اعلیٰ تعلیم کا مسئلہ بھی مسلم خواتین کے لیے ممنوع نہیں قرار دیا جاسکتا تاہم اس ضمن میں اس امر کا خیال کرنا بہت ضروری ہے کہ وہ دورانِ حصولِ تعلیم (اندرونِ ملک یا بیرون) اسلامی تعلیمات کی بنیادی اخلاقی پابندیوں پر عمل پیرا رہیں گی۔ ان کی تمام تر علمی و عقلی، نفسیاتی اور سماجی ترقی کے حصول میں ان کا اصل محور ان بنیادی اغراض و مقاصد کو نظروں سے اوجھل نہیں ہونا چاہیے جو اسلام نے بطور عورت ان کے لیے وضع کیے ہیں۔ امت مسلمہ میں صالح اور مفید افراد کا اضافہ، وہ بنیادی ذمہ داری ہے جو ان پر بطور ماں، بہن، بیوی اور بیٹی کے ان سے توقع کی جاتی ہے۔ ان کے پیش نظر ہمیشہ یہ ہدایت رہنی چاہیے کہ وہ انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے ہر آن کوشاں رہیں کہ رسولِ خدا نے فرمایا کہ: ''اللہ اس شخص سے محبت کرتا ہے جو اپنا کام بہترین طریق پر سرانجام دیتے ہیں۔'' (مفہوم حدیث)

O___ خواتین کی اعلیٰ تعلیم کے بہترین مواقع میڈیکل، تعلیم و تربیت، آرٹس، سماجی علوم، سائنس مضامین، صحافت، قانون، ہوم اکنامکس وغیرہ ہیں۔ اگرچہ علم و ہنر کے کسی بھی شعبے میں اعلیٰ ترین مقام کا حصول ان کے لیے کسی طور بھی ممنوع نہیں تاہم ہر آن ان کے پیش نظر اسلامی تعلیمات پر عملاً کاربند رہنے کے ساتھ تعلیم کا حصول بہت ضروری ہے۔ تاکہ ان کی ازدواجی اور عائلی زندگی ایک خوشگوار، پرسکون اور محبت و مودت کے جذبات سے گزرے۔

مسلمان عورت اور تعمیر معاشرہ/ امت:

چونکہ قرآن کریم کی رو سے ایک مسلمان مرد اور عورت دونوں یکساں طور پر اس امر کے ذمہ دار ہیں کہ وہ دینی تعلیمات کو لوگوں تک پہنچائیں یعنی دعوت دین کو عام کریں، اس لیے ایک مسلمان عورت کبھی بھی اس فریضہ سے غافل نہیں رہ سکتی۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اس فریضے کی ادائیگی کے لیے اپنے عزیزوں، رشتے داروں، ہمسایوں سے میل جول رکھے۔ اور اس ضمن میں وہ ایک ایسے پروگرام/ لائحہ عمل پر باقاعدگی سے عمل پیرا رہے جس کی تعلیم اور تربیت اسے سکول/ کالج/ یونیورسٹی میں اس قسم کی سرگرمیوں میں مصروف رہنے کی وجہ سے ملی تھی اور یوں وہ اسلامی تعلیمات کو دوسروں تک پہنچانے میں کوئی کوتاہی نہ کرے۔ اس کے لیے وہ اپنے گھر یا کسی دوسری جگہ پر قرآنی تعلیم دینے کے لیے کلاسز کا اجراء کر سکتی ہے جہاں نہ صرف نوجوان لڑکیوں کو انگریزی/اردو/سائنس مضامین کی تعلیم دے سکتی ہے بلکہ اسلامی تعلیمات سے بھی روشناس کرا سکتی ہے۔ گزشتہ صفحات میں ہم نے ایک ایسی خاتون ڈاکٹر کا ذکر کیا ہے جو نہ صرف گورنمنٹ اور پرائیویٹ سکولوں میں جا کر مفت تعلیم دیتی ہیں بلکہ انہوں نے مختلف ویڈیوز/ آڈیوز بھی تیار کی ہیں جن کے ذریعے وہ بچوں کو مختلف مضامین کی تعلیم سے بہرہ مند کرتی ہیں اور یہ تمام امور وہ اپنی پیشہ ورانہ خدمات کے علاوہ بلا معاوضہ سرانجام دیتی ہیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ مسلم خواتین جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے فہم سے نوازا ہے، وہ اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس طرح بسر کر سکتی ہیں جسے یادِ الٰہی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اور یہ امر ہی ان کی روحانی بالیدگی کا سبب بنتا ہے۔

O___ دین سے بہرہ مند خواتین نہ صرف اپنی زندگی میں ہر کام نہایت، سنجیدگی، متانت اور خوش اسلوبی سے سرانجام دیتی ہیں کہ یوں وہ دوسرے لوگوں کے بہت سے کاموں میں بھی ان کی معاون و مددگار رہوتی ہیں۔

O___ ایسی خواتین کی یہ بھی خصوصیت ہوتی ہے کہ رشتے داروں، ہمسایوں اور دیگر بھلائی کے کاموں میں سبقت لے جانے کی ہر ممکن کوشش کرتی ہیں۔ نہ صرف دوسرے

لوگوں کی خوشیوں میں شرکت کرتی ہیں بلکہ ان کے دکھ درد اور موت وغیرہ پر ان کے ساتھ تعزیت کا اظہار بھی بھرپور طریقے پر کرتی ہیں۔ ہمارے علم میں ایسی خواتین بھی ہیں جو دنیاوی طور پر باوجود بہت متمول اور مخیر ہیں بلکہ جاننے والے لوگوں کے گھر جا کر مردہ خواتین کو غسل دینے اور تجہیز و تکفین میں بھی مدد کرتی ہیں۔ ایسی خواتین دراصل اسلامی تعلیمات کا ایک ایسا من موہنا اور حسین نمونہ ہوتی ہیں کہ جنہیں دیکھ کر ایک انسان کے منہ سے بے ساختہ اظہار ہوتا ہے۔

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست!

باب چہارم:

مسلم معاشرے میں شادی/ نکاح

موجودہ دور میں مسلم معاشرے میں شادی/ بیاہ بھی ایک ایسا متنازعہ موضوع بن گیا ہے جس پر بہت اعتراضات کیے گئے ہیں۔ وہ مسلمان (مرد وزن) جو مغربی فکر سے متاثر ہوکر مساوات مرد وزن کا پرچار کرتے ہیں، انہوں نے بظاہر انسانی حقوق اور ہر دو صنفوں کے درمیان مساوات کے تصورات کے تحت مختلف اعتراض اور شکوک وشبہات ظاہر کرنے شروع کیے ہیں۔ انہیں تعدد ازدواج پر اعتراض ہے، شادی/ بیاہ کے معاہدے کی شرائط بھی ان کے لیے قابل قبول نہیں۔ طلاق کے بعد عورت کی کفالت، عورت کو تفویض طلاق اور عورتوں کو بیرون خانہ نوکری کرنے کے حقوق نہ ملنے پر بھی اعتراض ہے۔ پاکستان میں ۱۹۶۱ء میں جو فیملی قوانین نافذ کیے گئے تھے، ان میں ان تمام تر اعتراضات کی جھلک دکھائی دیتی ہے اور اس قانون میں درج تمام تر تصریحات کو مرد وزن کی مساوات اور عورتوں کے حقوق کی بازیابی کے لیے بہت اہم شمار کیا جاتا ہے۔

تاہم ان تمام اشکالات اور خامیوں کے باوجود یہ ایک خوش آئند امر ہے کہ ان اعتراضات کی وجہ سے صحیح الفکر مسلم اہل علم میں بیداری کی لہر پیدا ہوئی ہے اور یوں متعدد ایسی کتب کی اشاعت ہوئی ہے جن میں اسلام کی صحیح تعلیمات کی وضاحت کی گئی ہے اور ان تمام تر خامیوں اور نقائص کے بارے میں جو اس قانون میں پائے جاتے ہیں۔ وضاحت کی گئی ہے۔ ان تمام کوششوں کے باوجود شاید یہ کہنا غلط نہ ہو کہ اس قسم کے صحیح لٹریچر کی اشاعت اس قدر محدود پیمانے پر ہو رہی ہے بمقابلہ ان سینکڑوں کتب کے جو دھڑا دھڑ مغربی ممالک سے شائع ہو رہی ہیں۔ یہ امر مسلم اہل علم کے لیے آنکھیں کھولنے والا ہونا چاہیے

تا کہ وہ ایسے موضوعات کے بارے میں عوام وخواص کی راہ نمائی کے لیے زیادہ سے زیادہ کوششیں کریں کیونکہ یہ چند ایسے مسائل پر مبنی موضوعات ہیں جو موجودہ نسل کے ذہنوں پر بری طرح سے اثر انداز ہورہے ہیں جو کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اس لیے ضرورت ہے کہ ان موضوعات کا سنجیدگی اور توجہ کے ساتھ مطالعہ کیا جائے۔ ذیل کے صفحات میں ہم نے ان چند موضوعات کے بارے میں معروضی مطالعہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

اسلام میں شادی کے بنیادی اصول:

قرآن کی رو سے کائنات میں موجود ہر ذی روح اجسام میں ازواج (Spouses) کا تصور پایا جاتا ہے یعنی نر اور مادہ صنفوں کا وجود (سورہ آل عمران، النساء)۔ شادی کی صورت میں باہمی (جنسی) ملاپ کے نتیجے میں زوجین کو وہ سکون و عافیت اور مسلم معاشرے کو ترقی اور بھلائی حاصل ہوتی ہے جو شادی کے ادارے کی بنیاد ہے۔ اسلام کی نظر میں خونی رشتے اور عائلی زندگی کے (جنسی) تعلقات کے نتیجے میں اس خاندانی نظام کی بنیاد پڑتی ہے جو مطلوب اسلام ہے۔ اس طرح خونی رشتوں کے درمیان جو تعلق پیدا ہوتا ہے اس سے بڑھ کر کسی دوسرے فطری طریقے کا وجود ہی نہیں جس کے ذریعے مختلف خاندانوں کے معرضِ وجود میں آنے سے ایک معاشرہ بنتا ہے۔ اسی طرح دو انسانوں (مرد و زن) کے درمیان کسی ایسے پاکیزہ جنسی تعلق کی نشان دہی نہیں کی جاسکتی ہے جو شادی کے نتیجے میں دو افراد کے درمیان جائز اور حلال (قانونی) قرار دیا جاسکتا ہو۔ (سورۃ المومنون ۷ تا ۲۳، سورۃ النور ۲۴: ۳۰ تا ۳۱، سورۃ المعارج ۷۰: ۲۲ تا ۳۵)۔ جہاں تک انسان کی عقل وفہم کا تعلق ہے اس طریقے کے علاوہ کوئی ایسا دوسرا مناسب طریقہ معلوم نہیں ہوا جس کے ذریعے اس قدر پائیدار اور مستقل بنیادوں پر مرد اور عورت کے درمیان تعلق کو استوار کیا جاسکے۔ اس لیے اسلامی نقطہ نظر سے عورت اور مرد کے درمیان یہ وہ عقلی اور جائز طریقہ ہے جسے اسلام نے ایک خاندان کی بنیاد کے طور پر جائز قرار دیا ہے۔

(Hammudah abd al ati, 1997)۔قرآن کریم نے شادی/نکاح کو میثاقِ غلیظ یعنی محکم اور پختہ معاہدے سے موسوم کیا ہے۔(سورۃ النساء ۴:۲۱)۔ان آیات کا یہ مطلب ہے کہ شادی/ نکاح ایک مقدس عہد ہے۔ یہ امر مغربی دنیا کے برعکس جہاں شادی کو مرد وعورت کے درمیانی جنسی تعلق قائم کرنے کے لیے ایک کاغذی کارروائی اور پرزے سے زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی، اسلام میں شادی/ نکاح راستی پر مبنی عمل ہے جسے عبادت کا درجہ بھی حاصل ہے۔ اس طرح انسانوں (مرد اور عورت ہر دو) کی عصمت و عفت کی حفاظت کے لحاظ سے قرآن نے اسے ایک قلعہ یعنی حصن (Castle) سے تشبیہ دی ہے (سورہ النساء ۴: ۲۴) جو کنوارہ پن کی ایک ایسی حالت ہے جس کی حفاظت کا حکم شادی سے پہلے ہر مرد اور عورت کو دیا گیا۔ اس لیے ایسے باعفت مرد کو محصن اور عورت کو محصنہ کہا جاتا ہے۔

شادی کی مختلف اقسام:

عرب میں اسلام کی آمد سے قبل ایک درجن سے زائد شادی کی مختلف اقسام تھیں جن پر لوگ عمل کرتے تھے (بخاری: ۵۰۹۰، مسلم: ۱۴۶۶) تاہم اسلام میں عقد نکاح کے طریقے کو جائز قرار دیا جو آج تک مستعمل ہے۔ نیز جنگوں میں گرفتار ہونے والی ان لونڈیوں کے ساتھ بھی تمتع کی اجازت دی گئی جو ریاست کی جانب سے مسلمان سپاہیوں میں مختلف شرائط پر عمل درآمد کے ساتھ دی جاتی تھیں۔ تاہم شیعہ فقہ کے مطابق متعہ بھی عارضی شادی کا ایک طریقہ سمجھا جاتا ہے جبکہ پیغمبرؐ اسلام نے اپنی آخری عمر میں اس کی ممانعت کردی تھی جسے بعد میں **حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں اعلان عام کے ذریعے اسے مطلقاً ممنوع قرار دیا گیا۔**

اسلام میں شادی/نکاح کے ادارے کی اہمیت اور عملی افادیت کا اندازہ، مغربی ممالک میں شادی کے مختلف طریقوں کے تقابلی جائزہ سے بآسانی کیا جاسکتا ہے۔ امریکی مرد اپنی جنسی تسکین متعدد نت نئے طریقوں سے حاصل کرنے کے لیے بہت مشہور

(Adventurous) ہیں۔ ان میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ مرد اور عورت بغیر چرچ میں تقریب رچائے/ عہد کرنے، اکٹھا رہنا شروع کر دیتے ہیں کہ چرچ میں عہد و پیمان بعد میں کر لیے جائیں گے۔ پہلے اپنی جبلت کی تسکین کا سامان تو کر لیں جسے ان کی اصطلاح میں انفرادی تسکین (Know togather) کہا جاتا ہے۔ یوں شادی کا ایک نیا تصور وجود میں آ گیا جس کے تحت امریکہ اور دیگر یورپین ممالک میں چار مختلف طریقوں پر عمل کیا جاتا ہے جنہیں سیریل یک زوجگی (Serial Monogamy)، مادر پدر آزاد شادی کا تصور، (بیویوں کا تبادلہ) (Wife Swinging) متعدد عورتوں سے بیک وقت تعلقات (Polymarry) کا طریقہ جو کی کلب (Key Club) میں استعمال کیا جاتا ہے کہ رات کے اندھیرے میں ایک جگہ کار کی چابیاں ڈھیر کر دی جاتی ہیں۔ پھر جس کے ہاتھ میں جس کی چابی آئے، وہ عورت اس مرد کے لیے اپنا دامن وا کر دیتی ہے۔ ان طریقوں کے علاوہ مغربی ممالک اور امریکہ میں اجتماعی شادیاں رچانے، ہم جنس پرستی (Gayism/ Lesbianism) کا عام رواج ہے۔◆ شاید یہاں اس امر کی وضاحت کی ضرورت نہیں کہ ان تمام طریقوں سے خاندانی نظام کے تحت قائم ہونے والی حالت سکون واطمینان اور محبت کبھی بھی حاصل نہیں ہوسکتی جو ایک مرد اور عورت کے درمیان نکاح جو قانونی طور پر چرچ میں عہد و پیمان کے ذریعے قائم ہوتا ہے۔ ان تمام طریقوں میں انسانی فطرت اور اس کے روحانی پہلوؤں کو مطلقاً نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ تاہم انسانیت کی یہ بہت بڑی بدقسمتی اور المیہ ہے کہ عالمی سطح پر ادارہ اقوامِ متحدہ کی سرپرستی میں ایک معاہدہ بیجنگ پلس کانفرنس کے نتیجے میں معرض وجود میں لایا گیا ہے جس کے تحت CEDAW ۱۹۷۹ء میں متعدد سفارشات منظور کی گئی ہیں جن میں سے اہم ترین سفارش یہ ہے کہ خاندان کی تعریف میں ہم جنس پرستی کے ذریعے قائم ہونے والے تعلق کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ (گوشوارہ س، ش) یہاں ہم اپنے قارئین کی دلچسپی اور اطلاع کے لیے یہ بتانا ضروری سمجھتے ہیں کہ امریکہ اور

◆ مزید تصیلات کے لئے دیکھیے مصنف کی انگریزی کتاب (۲۰۰۶) اور اس کا اردو ترجمہ (۲۰۱۴)

دیگر متعدد یورپین مما لک نے سیڈا کے اعلامیہ کی سفارشات کو قبول نہیں کیا۔ تاہم یہودی سیاست کا یہ کمال بھی ملاحظہ ہو کہ اس کانفرنس کی صدارت کے لیے انہوں نے بے نظیر بھٹو کو نامزد کیا تھا کہ یوں پاکستان اس اعلامیہ کی پابندی کرنے پر مجبور ہو جائے گا باوجود دیگر مسلم مما لک کی مخالفت کے۔ اس لیے عالمی طاقتیں اس امر کی کوشاں ہیں کہ پاکستان میں مسلمانوں کے خاندانی نظام کو تباہ کر سکیں اور اسے ان بنیادوں پر استوار کر سکیں جو مغربی مما لک کا شعار ہے تاکہ بعدازاں اسے دیگر مسلم مما لک کے لئے بطور مثال پیش کر سکیں!

شادی/ نکاح کا مقصد:

انسانی زندگی میں اسلام، شادی/ نکاح کے ادارے کو جس قدر اہم اور ضروری سمجھتا ہے، اس کا اندازہ درج ذیل مقاصد سے بآسانی لگایا جا سکتا۔ امام غزالیؒ (۵۰۵ ہجری) اور متعدد دیگر فقہائے کرام نے شادی/ بیاہ کے مقاصد کے بارے میں بہت تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ اسلامی تعلیمات کی رو سے شادی/ بیاہ:

O___ ایک انسان کے جذباتی اور جنسی جذبات کی تسکین کا ذریعہ ہے۔

O___ انسانوں کی زندگی میں ذہنی دباؤ اور خلجان کو دور کرنے کا اہم طریقہ ہے۔

O___ معاشرے میں جائز طریق پر پیدائش کے ذریعے افرادی قوت میں اضافہ اسی طرح ممکن ہے۔

O___ یہ ایک معاشرتی ضرورت ہے۔

O___ مختلف طبقات اور خاندانوں کے درمیان مضبوط تعلق استوار کرنے کا ذریعہ ہے۔

O___ انسانوں میں باہمی اتفاق و محبت کے لیے ضروری ہے۔ (Hammudah bd-al Ati) (۱۹۷۷ء) نے ان تمام مقاصد کے بارے میں بہت عمدہ وضاحت یوں کی ہے کہ ''اسلامی تعلیمات میں نمایاں شادی/ نکاح کا نمایاں ترین پہلو یہ ہے کہ درج بالا مقاصد کے علاوہ اور شاید ان مقاصد کی وجہ سے اس کا اولین اور اہم ترین مقصد اس تقوی/

پرہیزگاری کا حصول ہے جو اس کے ذریعے وجود میں آتا ہے۔ انسانی زندگی میں جبلت جنسی پر قابو پانا ایک اخلاقی عمل ہو سکتا ہے۔ تولید و تناسل سماجی/معاشرتی ضرورت کے لیے نہایت ضروری ہے اور انسان کا صحت مند ہونا اس کے ذہنی اطمینان اور سکون کا سبب ہو سکتا ہے تاہم یہ تمام امور ایک اچھوتے معنی کی جانب اشارہ کرتے ہیں جب شادی/نکاح کو اللہ کی ذات کے حوالے سے موسوم کیا جائے کہ یہ ایک مقدس مذہبی فریضہ ہے اور روحانی طور پر اللہ تبارک تعالیٰ کا انعام ہے۔ اسلامی تعلیمات میں یہ تصور ہی درحقیقت وہ مرکزی نکتہ ہے جو درج بالا مقاصد کے حصول کا ذریعہ ہے اور دیگر مقاصد کی نفی بھی نہیں کرتا۔ قرآنی آیات کے انداز میں کہا جا سکتا ہے کہ یہ ایک ایسی ضرورت ہے جس کے ذریعے انسانوں کو اللہ کے فرامین کے تابع کیا جانا چاہیے۔ وہ اللہ جس نے تمام انسانوں کو ایک جسد واحد سے پیدا کیا اور پھر اسی کے لیے ایک ہمدم اور رفیقہ حیات کو پیدا فرمایا تا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر باہمی محبت اور سکون کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ (سورۃ الاعراف ۷:۱۰۷) نیز یہ امر، اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی بھی ہے کہ اس کریم ذات نے انسانوں کے لیے انہی میں سے ایسی رفیقہ حیات کو پیدا کیا جو ایک دوسرے کے ساتھ محبت و مودت کے ساتھ رہ سکیں۔ (سورۃ الروم ۳۰:۲۰)

انہوں نے مزید لکھا کہ ''عائلی زندگی کے مشکل ترین مرحلے (تنازعہ/عدم استحکام) اور ان تمام تر قانونی اور عدالتی کارروائیوں کے عین درمیان بھی قرآن ہر دو ازواج/فریقین کو اللہ تبارک تعالیٰ کا یہ فرمان یاد دلاتا ہے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے مہربان اور وسعت قلبی کا مظاہرہ کریں۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر۔ (سورۃ البقرہ ۲:۲۲۶ تا ۲۳۷، النساء ۴:۱۹ تا ۲۱، ۳۴ تا ۳۶، ۱۲۷ تا ۱۳۱، سورہ الطارق: ۶۵:۱ تا ۷)''

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ اسلام میں شادی/ بیاہ ہر دو اصناف (مرد اور عورت) کے لیے ضروری ہے۔ مثال کے طور پر اگر تجرد کی زندگی، مرد کے لیے ضروری نہیں تو عورت بھی تجرد کی زندگی بسر نہیں کر سکتی۔ اور شاید یہ امر عورت کے لیے زیادہ ضروری

ہے کہ وہ دیگر امور کے علاوہ نسبتاً معاشی خوشحالی کی زیادہ ضرورت مند ہوتی ہے تاہم طبقہ نسواں کی یہ معاشی ضرورت، شادی کے ادارے کو کسی طور بھی صرف ایک معاشی معاہدہ کی حیثیت سے نہیں دیکھتی۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اسلام کی نظر میں عورتوں کی معاشی ضرورت، کسی طور بھی شادی/نکاح کے لیے بہت زیادہ اہمیت نہیں رکھتی قطع نظر اس کے کہ دیگر مذاہب یا جگہوں پر یہ جس قدر بھی اہمیت کی حاصل ہو۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ ایک عورت سے بالعموم شادی اس کی دولت کی وجہ سے کی جاتی ہے، اس کے حسن وخوبصورتی کی بناء پر کی جاتی ہے یا اس کے اعلیٰ حسب نسب کی بناء پر یا اس کی علم دین کی بناء پر کی جاتی ہے۔ تاہم آپؐ نے فرمایا کہ خوش قسمت اور مبارک ہے وہ شخص جو اپنی زوجہ کے طور پر نیکی، پرہیزگاری اور دین کو ترجیح دے۔ (بخاری: ۵۰۹۰، مسلم: ۱۴۶۶)

قرآن کریم نے ایسے غیر شادی شدہ افراد کو شادی کرنے کی تاکید کی ہے اگرچہ وہ غربت/ بدحالی کا شکار ہوں یا غلام/ باندی ہی کیوں نہ ہوں۔ (سورۂ النور: ۲۴: ۳۲)

دوسری جانب، ایک شوہر اپنی ہونے والی بیوی کو جو کچھ بھی مہر میں دیتا ہے، وہ مکمل طور پر اس کی ملکیت ہوتا ہے اور ہر وہ چیز جو شادی سے قبل یا بعد میں اسے دی جائے، وہ بھی مطلقاً اس کی ملکیت ہوتی ہے۔ مزید برآں، یہ شوہر کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے خاندان کی معاشی ضروریات کا کفیل ہو۔ بلکہ بیوی لازمی طور پر ان تمام سہولتوں کو حاصل کرنے کی قانوناً مجاز ہے جس کی وہ شادی سے قبل عادی تھی۔ چند فقہاء کے نزدیک، ایک بیوی اس امر کی بھی پابند نہیں کہ وہ روزانہ گھریلو امور بھی سرانجام دے اگرچہ وہ بالعموم ایسے تمام امور سرانجام دیتی ہے جس کی خاندان کو ضرورت ہوتی ہے۔ (سورۂ البقرہ ۲: ۲۲۳، النساء ۴: ۳، ۲۳، الروم ۳۰: ۲۰)

اسلام میں شادی کے قانونی پہلو:

جیسا کہ بتایا گیا کہ شادی کی حیثیت اسلام میں ایک الہامی ادارے کی سی ہے۔ (Hammudah bd-al Ati 1997) تاہم قبل ازیں کہ نکاح کے بعد شوہر اور بیوی

ایک دوسرے سے تخلیے میں ملاقات کریں، چند قانونی تقاضوں کو پورا کرنا نہایت ضروری ہے۔

ایجاب وقبول:

نکاح کے لئے یہ ضروری ہے کہ زوجین کے درمیان ایجاب وقبول کیا جائے۔ بالعموم لڑکی کے بزرگ حضرات کی جانب سے نکاح خواں، لڑکے کو اس لڑکی کے ساتھ نکاح کرنے کو کہتا ہے جسے لڑکا ان شرائط پر جس کا اعلان کیا جاتا ہے اور اپنے ایجاب کا عندیہ دیتا ہے۔

مسلم فقہاء کے درمیان اس امر میں اتفاقِ رائے پایا جاتا ہے کہ ایجاب وقبول کے الفاظ صیغہ ماضی میں ادا کیے جاتے ہیں مثلاً ہونے والا شوہر کہتا ہے کہ میں نے تم سے شادی کی اور ہونے والی بیوی کہتی ہے کہ میں نے قبول کیا۔ اس کی یہ وجہ ہے کہ صیغہ ماضی میں کہی گئی بات کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ دونوں نکاح کے اس معاہدے کو نبھانے میں سنجیدہ ہیں۔

(Mansoori, M.T 2006)

درج بالا معاہدے کے لیے دو بالغ اور ذمہ دار اشخاص کی گواہی ضروری ہے جو اولاد کے جائز حقوق کی حفاظت کے لیے نہایت ضروری ہے۔

مہر:

معاہدۂ نکاح کے انعقاد کے لیے یہ امر بھی ضروری ہے کہ دولہا کی جانب سے دلہن کے لیے ایک تحفہ (مہر) کی شکل میں ادا کیا جائے جو اس عورت کی ذاتی ملکیت شمار ہوتا ہے۔ تاہم وہ اس امر کا قانونی اختیار بھی رکھتی ہے کہ تحفے کو معاف کر دے، اس میں کمی کر دے یا اپنے خاوند کو واپس کر دے یا اسے اپنے استعمال میں لے آئے جس طرح وہ چاہے۔ اس تحفے کی شکل نقد رقم، جائیداد، سونے کے زیورات، یا کوئی بھی قیمتی چیز ہو سکتی ہے۔ اسلامی تعلیمات کی رو سے مہر ایک الہامی حکم کی مانند ہے نہ کہ ایک رسم۔ نیز وہ اس عورت کی ذاتی ملکیت ہوتی ہے جسے (خدانخواستہ) بعد میں طلاق کی صورت میں واپس نہیں لیا جا سکتا۔ سید مودودیؒ (۱۹۹۹ء، الف) نے واضح کیا ہے کہ حضرت عمرؓ اور قاضی شریح کے نزدیک اگر کوئی عورت اپنے مہر کا کچھ حصہ یا مکمل مہر شوہر کو معاف بھی کر دے تاہم بعد ازاں اگر اس کی

جانب سے واپسی کا مطالبہ ہو تو شوہر اس امر کا پابند ہے کہ وہ اسے واپس کرے کیونکہ عورت کا مہر کی واپسی کا مطالبہ اس امر کو لازم قرار دیتا ہے کہ وہ اس نے اپنی آزادانہ مرضی سے معاف نہیں کیا تھا۔ جہاں تک کسی شوہر کا اپنی ہونے والی بیوی کی خدمت بطور مہر کرنے کا تعلق ہے تو حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ ایک صحابی کسی عورت سے شادی/نکاح کا خواہاں تھا لیکن اس کے پاس مہر کی ادائیگی کے لیے کچھ بھی نہ تھا۔ پیغمبر اسلام نے اسے ہدایت کی کہ وہ اپنی بیوی کو وہ تمام قرآنی آیات یاد کرا دے بطور ادائیگی مہر جو اسے خود یاد ہیں۔ (سنن نسائی: ۳۲۰۰، ۳۲۸۰)

درج بالا تصریحات کے پیش نظر مہر کا انحصار حالات و واقعات سے ہے جسے افہام و تفہیم کے تحت سادہ طریقے پر طے کر لینا چاہیے۔ چونکہ مہر کی رقم کے لیے کسی بڑی سے بڑی رقم کا ذکر نہیں تھا اس لیے حضورؐ کے وصال کے تھوڑے ہی عرصہ بعد مہر کے لیے بڑی رقوم مانگنے/ دینے کا رواج شروع ہو گیا۔ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ اس رجحان کو صحیح نہیں سمجھتے تھے اور انہوں نے ایک دفعہ مسجد میں اس کا اظہار بھی کیا۔ وہ مہر کی رقم کو ایک ایسی معقول سطح پر لانے کا ارادہ رکھتے تھے تاکہ ہر کس و ناکس، غریب اور امیر کے لیے نکاح کرنا آسان ہو جائے۔ تاہم ایک بوڑھی خاتون جو اس مجلس میں موجود تھیں نے کہا کہ ''اے امیر المومنین آپ کیونکر ہمیں اس حق سے محروم کرنا چاہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عنایت کیا ہے؟'' ___ جب اس خاتون نے سورۃ النساء (۴: ۲۰) کی آیات تلاوت کیں تو حضرت عمرؓ نے اتفاق کیا کہ وہ غلطی پر تھے اور وہ اپنی تجویز سے باز آ گئے۔ یہ اس امر کی ایک اور مثال ہے کہ دور اولین میں خواتین (بلکہ ایک بوڑھی خاتون) کی بات کو خود خلیفۃ المسلمین نے قبول کیا۔

عائلی زندگی میں مہر کے دو عملی مضمرات ہیں۔ اولاً یہ کہ کسی معاشرے میں ایک مناسب مہر، شاید رشتہ نکاح کے لیے دوام اور استقلال کا باعث ہوتا ہے جبکہ مہر کی بھاری رقوم سے ایک معاشرے میں متعدد معاشرتی طبقات (غریب، امیر وغیرہ) کا ظہور ہو سکتا

ہے۔موجودہ دور میں یہ دولت اور امارت کی ایک علامت کے طور پر سمجھا جاتا ہے جبکہ اسلام کسی بھی معاشرے میں طبقاتی نظام کو برداشت نہیں کرتا ہے۔موجودہ پاکستانی معاشرے میں اس طبقاتی نظام کا وجود، ہندوؤں کے ساتھ ایک طویل عرصہ تک رہنے کی وجہ سے اختیار کرلیا گیا ہے کہ یہ ہندو مذہب اور کلچر کا حصہ ہے۔اس کے نتیجے میں مسلم معاشرے میں غریب اور متوسط طبقے کی لڑکیاں شادی رنکاح سے محروم رہ کر گھروں میں بیٹھی رہ جاتی ہیں۔ لوگ، معاشرے میں اپنا سر اونچا رکھنے کے لیے کاغذات میں بھاری رقوم بطور مہر موجل لکھواتے ہیں جبکہ وہ اس مہر کی ادائیگی کا نہ ارادہ رکھتے ہیں اور نہ ہی ایسے وسائل جو بھاری رقوم ادا کرنے کے متحمل ہوسکیں۔پیغمبر خدا، مہر کی ادائیگی کے بارے میں اس قدر حساس اور محتاط تھے کہ آپؐ نے کسی ایسے شخص کو جو مہر کی ادائیگی کا ارادہ نہ رکھتا ہو، ایک زانی کی حیثیت سے پکارا۔امر واقعہ یہ ہے کہ مہر کی بھاری رقوم اس لیے رکھی جاتی ہیں کہ شوہر، اس لڑکی کو طلاق نہ دے سکے۔لیکن ایسے حالات میں کہ ازواج کے درمیان کسی امر پر اختلاف ہوجائے اور جب یہ بھی واضح ہوجائے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بطور میاں بیوی نہیں رہ سکتے تو پھر ایسے حالات میں مہر کی یہ رقم عورت کے گلے کا طوق بن جاتا ہے۔ خاوند رمرد ڈرتا ہے کہ طلاق دینے کی صورت میں عورت عدالت سے رجوع کرنے کا حق رکھتی ہے۔اس لیے وہ طلاق دینے سے گریز کرتا ہے اور یوں عورت کو خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔جو اس کے لیے طویل عرصے تک سزا کا باعث بن جاتا ہے۔

طبقہ نسواں کے حقوق کی پاسداری اور حفاظت کے لیے سید مودودیؒ (۱۹۷۶ء) نے جہاں اس قبیح رسم اور طریقے کی مذمت کی وہاں تجویز کیا کہ ایسی حالت میں کہ مہر کی رقم فوری طور پر ادا کی جارہی ہو (مہر معجّل، جلد یا عجلت میں ادا کیا گیا مہر) تو پھر فریقین کے لیے اجازت ہے کہ وہ جو چاہتے ہیں، اس پر عمل کریں لیکن ایسی حالت میں کہ مہر کی رقم تاخیر (مؤجل) سے دینی ہوتو پھر یہ ضروری ہے کہ یہ امر سٹامپ پیپر (قانونی طور پر لکھا جانے والا کاغذ جو قیمتاً ملتا ہے) جو کل مہر کی رقم کے کم ازکم ۵۰ فی صد پر لکھنا چاہیے۔توقع کی جاسکتی

ہے کہ اس طریق پر عمل کرنے سے مہر کی بھاری رقوم لکھنے کا قلع قمع ہو جائے یا مہر کی ادائیگی میں تاخیر کے ذریعے عورت کو مستقبل میں کسی حالت تکلیف اور پریشانی سے دوچار کرنے کا ازالہ ہو جائے۔

مہر کے بارے ہی میں ہمارے متمول اور کھاتے پیتے (نیز آزاد خیال طبقے) لوگوں میں ایک اور بہت بڑا مغالطہ **''شرعی حق مہر''** کے نام پر رواج پا گیا ہے جن کے معنی بہت ہی معمولی رقم شرعی حق مہر کے نام سے لکھوائی جاتی ہے تاکہ عورت کو جائیداد یا دولت، صنعتی کارخانے، سکنی/ زرعی زمین وغیرہ جو مرد کے پاس ہوتی ہے، سے محروم کیا جا سکے۔ واضح ہو کہ اسلامی تعلیمات میں اس قسم کی کوئی اصطلاح موجود نہیں ہے۔ یہ دراصل ایک حیلہ اور چال ہے جو ماڈرن طبقے اور متمول لوگوں نے اختیار کیا ہوا ہے اور اس کا نہایت افسوسناک پہلو بلکہ المیہ یہ ہے کہ کسی NGO کو (جو حقوق نسواں کی علمبردار ہیں) کبھی اس کے خلاف بولنے کی توفیق نصیب نہیں کہ ایسے تمام لوگوں کو اپنے مفادات کے خلاف آواز اٹھانا کسی طور بھی گوارا نہیں ہوتا۔

شادی کے لیے سرپرست یا میرج گارڈین شپ:

نکاح/ شادی کے لیے کسی گارڈین/ سرپرست کا سوال بھی حالیہ دور میں مغربی تعلیم و تہذیب کے زیر اثر بہت شد و مد کے ساتھ اٹھایا گیا ہے۔ حالیہ دور میں لڑکے اور لڑکیوں کے درمیان ''معاشقے'' (Love Marriage) کا بھی چلن عام ہو گیا ہے۔ یوں لڑکا اور لڑکی، جو بلوغت اور شباب کے دور میں بہت زیادہ جذباتی ہوتے ہیں، عدالت میں جا کر نکاح کر لیتے ہیں۔ گذشتہ چند سالوں میں ایسے معاملات اعلیٰ عدالتوں تک بھی پہنچے۔ اور بیرونی طاقتیں، اپنے مذموم مقاصد کے لیے ایسے جوڑوں کو پناہ بھی دیدیتے ہیں تاکہ اسلام اور وطن کو بدنام کیا جا سکے۔

درحقیقت نکاح کے سرپرست کا وہ قانونی اور شرعی استحقاق ہے جو کسی متعلقہ شخص کو حاصل ہوتا ہے تاکہ وہ کسی ایسے فرد کے حقوق کی حفاظت کر سکے جو خود اپنے حقوق کی

آزادانہ حفاظت نہیں کرسکتا۔ دراصل یہ ایک باپ یا کوئی قریب ترین رشتے دار ہوتا ہے جو اپنے نابالغ رچھوٹے بچے (لڑکی رلڑکے) یا ناتجربہ کار فرد کے حقوق کی حفاظت کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ تاہم کتب فقہ میں بہت زیادہ اہمیت لڑکیوں رخواتین کے حقوق کے بارے میں دی گئی ہے کیونکہ لڑکے رمرد تو اپنے حقوق کی حفاظت از خود کرسکتے ہیں (Hammudah Aba, al ati, 1977)۔ان تمام افراد میں معتبر ترین شخصیت والد کی ہوتی ہے جبکہ اس کی غیر موجودگی میں دادا یا قریب ترین ددھیالی رشتے دار از قسم بھائی، چچا وغیرہ سرپرست ہوسکتا ہے۔ مختلف مکاتیب فکر کے فقہائے اسلام کے درمیان، ان امور کے بارے میں بہت دلچسپ، فکر انگیز اور طویل گفتگو، امت کی بھلائی کے لیے کی گئی ہیں جسے موجودہ زمانے میں متعدد اہل علم نے اپنی کتب میں تفصیلاً بیان کیا ہے۔ (حمودہ عبدالاتی ۱۹۷۷ء، طاہر منصوری ۲۰۰۶ء، محمود غازی ۱۹۹۹ء) حمودہ کے خیال میں چند فقہاء کی یہ رائے ہے کہ والد/ سرپرست کو چاہیے کہ وہ اس کی شادی/ نکاح کرنے سے قبل کنواری لڑکی کی اجازت حاصل کرے دراصل یہ وہ مسنون/ طریقہ ہے جو آنحضرتؐ نے خود واضح فرمایا ہے کہ آپؐ اپنی بیٹیوں سے ایک پردے کے پیچھے سے استفسار فرماتے تھے کہ فلاں اور فلاں شخص نے شادی رنکاح کا عندیہ دیا ہے۔ اگر لڑکی ر بیٹی نے خاموشی اختیار کی تو اسے آپؐ ان کی رائے رقبولیت پر محمول فرماتے تھے لیکن پردے کو ہلانے پر آپؐ ان کے انکار کو سمجھ کر اس تجویز نکاح کا انکار فرمادیتے تھے۔ ابوداؤد نے روایت کی کہ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ ایک بیوہ، مطلقہ عورت کو اپنے بارے میں فیصلہ کرنے کا زیادہ اختیار ہے بہ نسبت اس کے سرپرست کے جبکہ ایک کنواری لڑکی سے اجازت طلب کرنی چاہیے، اگر وہ خاموش رہے تو یہ اس کی جانب سے رضا کی علامت ہے۔ (بخاری: ۵۱۳۶، ۵۱۳۷)

لڑکیوں رعورتوں سے اجازت یا ان کی مرضی معلوم کرنے میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ یہ امر ان کے لیے باعث خوشی اور اطمینان ہوتا ہے اور فریقین کے درمیان بہترین اور خوشگوار تعلقات کو پروان چڑھانے میں ممد ومعاون ثابت ہوتا ہے۔ ابن قدامہؒ کی رائے

میں یہ بھی مناسب ہے کہ لڑکی کی ماں سے بھی رائے طلب کی جائے کہ وہ بھی لڑکی کے باپ کی طرح بطور ماں اپنی لڑکی کی بھلائی اور خوشگوار مستقبل کی متمنی اور خواہش مند ہوتی ہے۔ یہاں اس امر پر غور کرنا بھی بہت ضروری ہے کہ پیغمبر اسلام طبقہ اناث کے لیے کس قدر جذبات محبت اور ہمدردی رکھتے تھے اور اسلام نے کس طریق پر لڑکیوں/عورتوں کے حقوق کا خیال رکھا ہے ایک ایسے اہم معاملے میں جس کا تعلق ان کی زندگی کے ایک طویل دور سے ہوتا ہے تاکہ وہ مستقبل میں ایک نہایت خوشگوار اور پائیدار زندگی بسر کر سکیں۔

اسی طرح ایک عورت نے پیغمبر اسلام سے اپنے والد کی شکایت کی جس نے اس کی مرضی کے بغیر اس کا رشتہ اپنے رشتے دار لڑکے کے ساتھ کر دیا تھا۔ آنحضرتؐ نے اسے اجازت دی کہ اس رشتے کا انکار کر سکتی ہے اگر وہ چاہے تاہم اس نے کہا کہ اسے یہ رشتہ قبول ہے لیکن وہ یہ چاہتی تھی کہ طبقہ نسواں اس امر کو جان لے کہ ان کے والد/سرپرست کو اس بات کی مطلقاً اجازت نہیں کہ ان کی شادی/نکاح ان کی مرضی معلوم کیے بغیر از خود کر دیں۔ (ابن ماجہ: ۱۹۸۴)

یہاں ایک بہت واضح اور جرأت مندانہ پیغام ہے، مرد و زن کی مساوات کے حامی خواتین (Feminists) کے لیے جو نہایت ہی بودی اور بے بنیاد باتوں پر مسلمان خواتین کو گھر سے باہر نکلنے کی دعوت دی رہی ہیں لیکن انہیں ان ''الہامی ہدایات'' کا قطعاً خیال نہیں جو طبقہ نسواں کو آزادی رائے، عمل اور اختیار دے رہے ہیں۔ مزید برآں، اس میں امت کے بڑے بزرگوں کے لیے بھی ہدایت کا پیغام ہے کہ وہ بھی پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ان فرمودات پر ان کی روح کے مطابق عمل کریں اور لڑکیوں کو اپنی ذاتی انا کی بھینٹ نہ چڑھائیں۔

اس ضمن میں زمانہ حال کے ایک بڑے اہل علم (Mansoori, M.T, 2006) نے واضح کیا کہ ''اگر ہم علم حدیث اور سیرت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مطالعہ کریں جس میں بچپن (نابالغ) کی شادیوں کی اجازت دی گئی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ فقہائے اسلام کا ولی کا

اپنی لڑکی/لڑکے کی شادی کے لیے متفق ہونے کا اختیار کسی بھی قرآنی آیت یا حدیث سے اخذ کردہ نہیں ہے۔ سید مودودیؒ (۱۹۹۹ء) نے بھی صراحت کی کہ ''یہ فقہاء کی صرف اپنی رائے ہے۔'' اس طرح Hammudah (۱۹۷۷ء) نے بھی لکھا کہ ''قرآن یا کسی بھی قول رسولؐ سے ولی کو اس قدر ظالمانہ اختیارات (Coercive Authority) حاصل ہونے کی تصدیق نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس ایسی متعدد احادیث ہیں جن کے تحت جب والد نے اپنی لڑکی کی اجازت کے بغیر شادی کردی (شاید بھلائی اور خیر کی نیت کے برعکس) اور اگر کسی عورت نے اس امر کی شکایت آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کی تو اس قسم کی شادی/نکاح کو رسول خدا نے منسوخ فرما دیا۔ مزید براں، اس قسم کی کسی رپورٹ (حدیث/عمل) کا سراغ نہیں ملتا جب کہ جبری شادیوں کو جاری رکھا گیا ہو۔''

شادی سے قبل دیکھنا اور اعلان نکاح:

شادی/نکاح کے لیے عورتوں کی اجازت کے علاوہ بھی دو امور بہت اہم ہیں یعنی ہونے والے زوجین کا ایک دوسرے کو دیکھنا اور نکاح/شادی کا اعلان عام۔ اسلام میں کسی عورت کو اس امر کا پابند نہیں کیا گیا کہ ان کی مرضی کے بغیر ان کی شادی ایسے مرد کے ساتھ کردی جائے جسے وہ پسند نہیں کرتیں۔ اس امر کے لیے کہ شادی/بیاہ ان باہمی مطابقت کے امور (خوبصورتی، عادات، مزاج، پسند و ناپسند اور خواہشات) جسے عرف عام میں کفو کہتے ہیں، خیال کر کے کی جانی چاہیے جو فریقین کے درمیان محبت اور مودت کا اہم سبب بن سکتی ہیں۔ اس لیے اسلام نے عورت اور مرد دونوں کو اس امر کی اجازت دی ہے کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ لیں قبل ازیں کہ رشتہ طے پا جائے۔ ایک حدیث کی رو سے پیغمبر اسلام نے ایک صحابی کو تاکید کی کہ ''وہ جا کر اپنے ہونے والی بیوی کو ایک نظر دیکھ لیں جو ان دونوں کے درمیان محبت و الفت کا سبب بن سکتا ہے۔'' (ابوداؤد: ۲۰۶۰، ترمذی: ۱۰۸۷، مسلم: ۱۴۲۴/الف)

مسلم فقہاء نے اس امر کو ضروری جانا ہے کہ کسی عورت کو ایک نظر دیکھ لینا چاہیے اگر

اس کے ساتھ شادی رنکاح کا ارادہ ہوتا ہم ابھی تک پیغامِ نکاح نہ دیا گیا ہو۔ یہ اس لیے ضروری ہے کہ عورت کی عزت نفس مجروح نہ ہونے پائے اگر کسی بناء پر مرد اپنا ارادہ بدل لے۔ مسلم فقہاء نے اس امر کی بہت وضاحت کی ہے کہ عورت کے کس جسمانی حصے کو دیکھنے کی اجازت ہے اور کس حد تک۔ (تفصیلی مطالعے کے لیے مصنف کی کتاب (۲۰۱۴ء) کا مطالعہ مفید رہے گا۔)

یاد رہے کہ یہ اجازت صرف مرد کے لیے ہی نہیں بلکہ عورتوں کو بھی اس کی واضح اجازت ہے کہ وہ بھی مرد پر نظر ڈال لیں۔ مزید چند فقہاء کی رائے میں عورتوں کے لیے مرد کو دیکھنا بہت ضروری ہے کیونکہ کسی مرد کے لیے تو طلاق کے ذریعے عورت کو جدا کرنا آسان ہے جبکہ کسی عورت کے لیے مرد سے خلع کا حصول کسی قدر مشکل ہے۔ اس لیے دیکھ کر اپنی تسلی کرنی نہایت ضروری ہے۔

شادی/ نکاح کا اعلان عام بھی درحقیقت ایک گواہی رشہادت کے طور پر ہے۔ چونکہ نکاح ایک عمر بھر کا معاملہ ہوتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ اس کی زیادہ سے زیادہ تشہیر کی جائے۔ چند اہل علم کے نزدیک فریقین کا شادی کے معاہدے کو خفیہ رکھنا اس معاہدۂ نکاح کی تنسیخ کے مترادف ہے جبکہ دوسرے اہل علم کا خیال ہے کہ معاہدہ تو قانونی ہے لیکن یہ عمل دینی تعلیمات کے خلاف ہے۔ یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ اعلان عام سے لوگوں کو عورت اور مرد کے باہمی تعلقات کے جائز اور ناجائز ہونے کا علم ہو جاتا ہے۔ شاید یہی وہ حکمت کا پہلو ہے جس کے تحت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دعوتِ ولیمہ کا حکم دیا اور شادی کے موقع پر دف بجا کر خوشی کے اظہار کی اجازت مرحمت فرمائی۔ (بخاری: ۵۱۵۵)

شادی رنکاح کے نتیجے میں زوجین کے درمیان حقوق اور فرائض رذمہ داریوں کے بارے میں، اسلام میں بہت تاکیدی احکامات ہیں۔ ذیل کے صفحات میں ہم ان کے بارے میں مختصر مطالعہ کریں گے۔

زوجین کے درمیان حقوق وفرائض:

اسلام کے معاشرتی نظام میں شادی/نکاح کی بہت اہمیت ہے۔ اسلام میں اس کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ مسلم فقہاء خاندانی نظام کی تشکیل کو ان پانچ بنیادی مقاصد میں شمار کرتے ہیں جو شریعت نے وضع کیے ہیں۔ اسلام میں معاشرتی نظام ہر دو اصناف کے باہمی ملاپ کے نتیجے میں وقوع پذیر ہوتا ہے جس میں خاص ذمہ داریوں اور اس خاص کردار کی وضاحت کی گئی ہے جو مرد اور عورت کو بطور میاں بیوی ادا کرنے ہوتے ہیں۔ شریعت نے مرد اور عورت کے کرداروں کا تعین ان کی فطرت کے مطابق کیا ہے۔ اس کی رو سے مرد کو وہ سماجی اور سیاسی اختیار حاصل ہے اور نقل وحرکت کی اجازت جس کی وجہ سے وہ ان تمام ذمہ داریوں کو ادا کرنے کا ذمہ دار ہے جو خاندان کے نظام کو ان تمام بیرونی دباؤ اور اثرات سے بچانے کا ذمہ دار ہے جو معاشی طور پر یا دیگر وجوہات کی بناء پر خاندان کو متاثر کرسکتے ہیں۔ ''اگرچہ دنیا کے بڑے دائرے میں ایک مرد/ خاوند/ منتظم (نگران) ہوتا ہے تاہم گھریلو سطح پر اس کی حیثیت ایک درویش (Priest) عبادت گزار کی سی ہوتی ہے۔ یوں وہ اپنے خاندان میں اس حیثیت سے زندگی گزارتا ہے کہ گھریلو معاملات میں وہ اپنی بیوی کے کردار کو بنظر تحسین دیکھتا ہے اور اس کا احترام کرتا ہے۔'' (Nasr s.w. 1966)؛ (حمودہ ۱۹۷۷ء) نے صراحت کی کہ ''شوہر کا کردار فطری طور پر اس اصول کے گرد گھومتا ہے کہ وہ اپنے خدا کے سامنے اس امر کا پابند ہے کہ اپنی بیوی کے ساتھ خندہ پیشانی اور خوش دلی کا مظاہرہ کرے۔ اسے عزت واحترام کے ساتھ رکھے یا پھر بصورتِ دیگر اسے شادی/نکاح کے بندھن سے آزاد کردے (طلاق کی صورت میں) اور اس عورت کے لیے کسی قسم کی پریشانی یا تکلیف کا باعث نہ بنے۔'' (سورۃ البقرہ، ۲:۲۲۸)

قرآن کی رو سے عورت/بیوی کا کردار یہ ہے کہ جہاں اس کے کچھ حقوق ہیں وہاں اس کے ذمہ فرائض بھی ہیں جن کی وہ استطاعت رکھتی ہے۔ تاہم مرد کو ان پر ایک فوقیت حاصل ہے جیسا کہ سورۃ البقرہ (۲:۲۲۸) میں بیان ہوا۔ تاہم اس برتری/فوقیت کو اہل علم

نے ان دوسری تصریحات کے ساتھ مشروط کیا ہے جن کی رو سے، چند دیگر امور کے علاوہ، مرد، عورتوں کے معاملات کے نگران رمنیجر ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں چند امور میں برتری دی ہے اور کیونکہ وہ عورتوں کے کفیل بھی ہیں۔ پس ایک راستی پر قائم عورت کو چاہیے کہ وہ اپنے شوہر کی وفادار اور تابع رہے اور ان تمام معاملات کی حفاظت کرے جن کی حفاظت کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ (النساء، ۴: ۳۴)

پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بالخصوص مردوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنی بیویوں کے ساتھ بہترین حسن سلوک کا مظاہرہ کریں، شاید خاندانی امور میں ان کے اہم کردار اور صبر و حوصلے کی بناء پر۔ اس کی وضاحت ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ: ''تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنے اہل خانہ کے لیے بہترین ہے۔ میں اپنے اہل خانہ کے ساتھ تم سے زیادہ مہربان اور حسن سلوک کرتا ہوں۔'' (سنن، ترمذی: ۳۸۹۲)۔ زوجین کے حقوق کو ہم درج ذیل میں تقسیم کر سکتے ہیں:

الف: بیوی کے حقوق (خاوند کے فرائض)

ب: خاوند کے حقوق (بیوی کے فرائض)

ج: زوجین کے درمیان مشترک حقوق

اب ہم ان اقسام کے بارے میں مختصراً بیان کریں گے۔

(الف) بیوی کے حقوق:

ذیل میں بیوی کے وہ حقوق درج کیے جا رہے جو شوہر پر لاگو ہوتے ہیں جو اس امر کا ثبوت ہیں کہ اسلام نے طبقہ نسواں کے حقوق کا کس قدر خیال رکھا ہے۔

۱۔ مہر

۲۔ نفقہ رکفالت

۳۔ حسن سلوک

۴۔ جنسی تعلقات

۵۔ دینی تعلیمات دینا

۶۔ جسمانی ایذا کا نہ دینا

۷۔ زوجین کے معاملات پرائیویسی

۸۔ تعدد ازواج میں انصاف

اب ہم ان کے بارے میں کس قدر تفصیلاً غور کریں گے۔

ا۔حق مہر:

حق مہر، عورت کا حق ہے جو شوہر کو ادا کرنا واجب ہے۔اس بارے میں کسی حد تک گفتگو گزشتہ صفحات میں ہوچکی۔

۲۔نفقہ/کفالت:

شوہر کی اہم ترین ذمہ داری، بیوی (اور دیگر اہل خانہ بچے وغیرہ) کی کفالت اور نان نفقہ کا بندوبست کرنا ہے گویا یہ شوہر ہونے کے اعزاز کا اہم ترین پہلو ہے۔اہل علم نے لکھا ہے کہ:

> ''خاوند کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ بیوی کے نان نفقہ کا بندوبست کرے جس کے لیے وہ مکلف ہے نہایت خوش دلی کے ساتھ، بغیر کسی پریشانی یا ایذا رسانی کے (Hammudah, 1977)۔ بیوی کا یہ حق، قرآن کی رو سے قائم کردہ ہے۔(سورۃ النساء، ۴: ۳۴)۔ نیز یہ سنت، فقہاء اور عقل کا متفقہ فیصلہ بھی ہے بغیر کسی استثناء کے کہ بیوی مسلم یا غیر مسلم، غریب ہے یا امیر اور چند دیگر اہل علم کے نزدیک کم عمر ہے یا بالغ، تندرست ہے یا بیمار'' ___ نان نفقہ اور کفالت بیوی کے متعدد پہلوؤں میں رہائش، لباس، خوراک اور عمومی دیکھ بھال شامل ہیں۔ ذیل میں ہم کفالت کے ان متعدد پہلوؤں پر حمودہ عبدالاتی (۱۹۷۷ء) کے حوالے سے گفتگو کریں گے کیونکہ انہوں نے اس موضوع پر بلا کسی ذہنی تحفظ کے بہت اہم اور فکر انگیز معلومات فراہم کی ہیں۔''

۳۔مناسب رہائش:

ایک خاوند کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی بیوی کے لیے اپنے ذرائع کے مطابق مناسب رہائش کا بندوبست کرے۔ اسے چاہیے کہ وہ اسے اپنے ساتھ وہاں ہی رکھے جہاں وہ خود رہائش پذیر ہوتا ہے۔ بیوی کے لیے رہائش اس قدر ہو کہ وہ اس میں اپنی ذاتی پرائیویسی برقرار رکھ سکے، اس کی رہائش آرام دہ اور علیحدہ ہو تاکہ وہ تخلیہ میں رہ سکے۔ مسلمانوں کے تینوں مذاہب فکر/فقہی مسالک کے نزدیک اس کی یوں وضاحت کی ہے کہ رہائش، میاں بیوی کے معیار زندگی سے مطابقت رکھنے والی ہونی چاہیے۔ اسے بیوی کی حیثیت کے مطابق بھی ہونا چاہیے جہاں اسے مکمل طور پر اختیارات حاصل ہونے چاہئیں۔ رہائشی ضروریات میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ اس قدر فرنیچر سے آراستہ ہونا چاہیے جس میں گھر کی بنیادی ضروریات از قسم صحت وصفائی اور کھانا پکانے وغیرہ کا مناسب انتظام بھی ہونا چاہیے۔(Muhammad Abdul Rauf 1955)

اس ضمن میں اہل علم نے یہاں تک واضح کیا ہے کہ اگر نکاح نامے میں اس نے دیگر رشتے داروں کے ساتھ رہنے سے اتفاق کیا ہے تو پھر اسے اپنے وعدے کی پابندی کرنی چاہیے تاہم ایسی صورت میں اسے کم از کم ایک علیحدہ کمرہ مہیا کرنا از حد ضروری ہے جہاں وہ اپنے سسرالی رشتے داروں کی ہر قسم کی مداخلت کے بغیر سکون وآرام سے رہ سکے۔ اس کا اہم ترین مقصد یہ ہے کہ وہ نہایت آرام واطمینان سکون سے رہ سکے جو شادی شدہ زندگی کے قیام اور استقلال کے لیے نہایت ضروری ہے۔ شوہر کی یہ ذمہ داری ہے کہ مناسب رہائش کی فراہمی کے ضمن میں وہ اپنی بیوی پر کوئی قدغن اور پابندی عائد نہ کرے جو اس کے مزاج اور عادت کے خلاف ہو کہ یہ امر قرآنی ہدایت کے عین مطابق ہے۔(سورہ الطلاق، ۶۵: ۵ تا ۶)

۴۔لباس اور خوراک وغیرہ کی فراہمی:

سورۃ النساء، ۴: ۳۴ سے استشہاد کرتے ہوئے، یہ اخذ کیا گیا ہے کہ خاوند کو اپنی بیوی کے لیے لباس کی فراہمی، خوراک وغیرہ کا مہیا کرنا از حد ضروری ہے اپنی استطاعت اور

بساط کی حد تک اس معاشرتی معیار کے مطابق جو کسی معاشرے میں رائج الوقت ہو۔ جب کسی شخص نے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) سے استفسار کیا کہ: ''ہم پر ہماری بیویوں کا کیا حق ہے؟'' تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ: ''خاوند کو چاہیے کہ وہ بیوی کو کھلائے جب وہ خود کھانے لگے اور لباس مہیا کرے جب وہ اپنے لیے لباس بنوائے، نیز اس کے چہرے پر کبھی ضرب نہ لگائے، اسے بدصورت نہ کہے اور یہ کہ اس سے بائیکاٹ نہ کرے سوائے اپنے گھر کے۔''

یاد رہے کہ یہ تمام لوازمات بغیر کسی تکلف، ظاہری نمود و نمائش یا کنجوسی کے سرانجام دینے چاہئیں۔ نیز اگر بیوی کو کسی نوکرانی کی مدد لینے کی عادت ہو یا اگر وہ گھریلو امور کی سرانجام دہی کرنے کی سکت نہ رکھتی ہو تو پھر یہ امر بھی شوہر کی ذمہ داری میں داخل ہے کہ وہ اس کے لیے نوکرانی کا بندوبست کرے اگر وہ اس کی استطاعت رکھتا ہو۔ اس کی یہ وجہ ہے کہ فقہا کرام کی یہ متفقہ رائے ہے کہ ایک شوہر اپنی بیوی کو تمام تر گھریلو امور سرانجام دینے پر شرعاً مجبور نہیں کر سکتا۔ ان کی یہ رائے ہے کہ نکاح کا معاہدہ، رفاقت باہمی کا معاہدہ ہے نہ کہ خدمت گزاری کا تاہم اگر بیوی اپنی مرضی سے گھریلو امور سرانجام دیتی ہے تو یہ اس کا ذاتی فراخ دلانہ عمل ہے۔

۵۔ حسن سلوک:

بیوی کی آرام و آسائش کے لیے متعدد ضروریات کی فراہمی کے علاوہ، ایک شوہر کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کرے، نیز دونوں کے درمیان باہمی یگانگت اور عفو و درگزر سے کام لینے کی عادت ہو۔ پیغمبر اسلام فرمایا کرتے تھے کہ: ''اللہ تبارک تعالیٰ کسی بدخو شخص کو پسند نہیں کرتے جو لاف زن اور بیوی کے لیے ترش رو ہو۔'' ہر شب، رسولؐ خدا اس زوجہ کے گھر میں تمام ازواجِ مطہراتؓ کے ساتھ کچھ وقت گزارتے تھے، جہاں آپ نے شب باشی کرنا ہوتی تھی۔ ازواجِ مطہراتؓ کے ساتھ کھانا تناول فرماتے (نہایت سادہ اور خفیف مقدار میں) اور بعد ازاں نماز عشاء کی ادائیگی

کے بعد آپ چند لمحات ان زوجہ کے ساتھ گفتگو کرنے کے بعد، (صلی اللہ علیہ وسلم) سونے کے لیے لیٹ جاتے تھے۔ ایک شوہر کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ پیار محبت کا سلوک روا رکھے۔ ایک دوسرے کے ساتھ نرم خو ہونا اور محبت سے رہنا چند ایسی خصوصیات ہیں جو ہمیشہ یاد رکھنی چاہئیں۔ الاسود سے روایت ہے کہ: ''میں نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) گھر میں قیام کے دوران کیا کرتے تھے؟'' سیدہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ'' آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) گھریلو کاموں میں مدد کیا کرتے تھے اور جب آپ اذان کی آواز سنتے تو نماز کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔'' (بخاری)

خاندان میں زوجین کے درمیان خوشگوار تعلقات قائم رکھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ خاوند، اپنی بیوی کی غلطیوں اور فروگذاشتوں کو نظر انداز کریں۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ ان کی فطرت کو بدلنا بہت مشکل کام ہے۔ بہت سے شوہروں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ ان کی بیویاں، ہر لحاظ سے مکمل اور ارفع ہوں تاہم ایسے معیار کا حصول ممکن نہیں۔ عائلی زندگی میں کامیابی کا انحصار صبر اور حوصلے کے ساتھ عفو و درگزر کا رویہ اختیار کرنے پر ہے۔

اس طرح یہ بھی ضروری ہے کہ اپنی بیویوں کو دیکھ کر ایک خاوند کو مسکرانا چاہیے اور اس کے ساتھ بغل گیر ہونا ضروری ہے۔ کسی کو بھی دیکھ کر مسکرانا ایک صدقہ ہے اور ایک انسان کی بیوی اس کا زیادہ استحقاق رکھتی ہے کہ وہ بھی امت مسلمہ کا حصہ ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیشہ گھر میں داخل ہوتے وقت مسکراتے چہرے کے ساتھ داخل ہوتے تھے۔ مسلمان خاوندوں کو رسول اللہ کا یہ طرز عمل حرز جان بنا لینا چاہیے کہ آپ نماز کے لیے باہر تشریف لے جاتے تھے تو ازواج کا بوسہ لیا کرتے تھے چاہے آپ نے روزہ ہی رکھا ہو۔ (سنن ابی داؤد: ۱۷۹)

۶۔جسمانی تعلقات

عائلی زندگی کو خوشگوار اور تازہ رکھنے کے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ زوجین کے درمیان جسمانی/جنسی تعلقات تسلسل کے ساتھ جاری ہیں۔نفسیاتی اور روحانی تسکین کے لیے ایک مرد کو عورت کی اور ایک عورت کو اپنے شوہر کی ضرورت محسوس ہوتی رہتی ہے۔ جو ان کی شخصیتوں کی تکمیل کے لیے ضروری ہے۔ یہ امر باعث خوش قسمتی ہے کہ انسانوں میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرنے کی صلاحیت فطری طور پر پائی جاتی ہے۔ایک حدیث کی رو سے حضرت عثمانؓ بن مظعون کی بیوی نے اللہ کے رسولؐ سے شکایت کی کہ ان کے شوہر کو اپنی بیوی کی ضرورت نہیں۔دن کے اوقات میں وہ روزہ رکھتے ہیں اور تمام رات نماز پڑھتے رہتے ہیں۔آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان سے پوچھا کہ: ''کیا میں تمہارے لیے اسوۂ حسنہ نہیں کہ میرا اتباع کیا جائے؟'' انہوں نے جواباً کہا:''یقیناً میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں'' تب رسولِ خدا نے انہیں تلقین کی ''جہاں تک تمہاری ذات کا تعلق ہے، رات کو عبادت ضرور کرو اور دن کے وقت روزہ رکھو لیکن تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے جسم کا تم پر حق ہے عبادت بھی کرو اور آرام بھی کرو اور روزہ رکھو اور روزہ نہ بھی رکھا کرو۔'' (سنن نسائی: ۳۲۱۷)

طبقہ نسواں کے حقوق کا ایک بہت ہی اہم پہلو یہ ہے کہ وہ اپنی بنیادی شناخت اور حیثیت کو تبدیل کرنا نہیں چاہتیں۔وہ اپنا اصل (خاندانی) نام سے پکارا جانا پسند کرتی ہیں۔ انہیں اپنے مذہب (بمعنی مسلک) سے بھی محبت ہوتی ہے۔اور اپنی قانونی حیثیت کو برقرار رکھنے کی بھی خواہاں ہوتی ہیں۔

۷۔معاشی حقوق:

مہر کے علاوہ، اسلام میں ایک عورت چاہے وہ کنواری ہو یا شادی شدہ، اسے اس امر کا قانونی اختیار حاصل ہے کہ وہ آزادانہ طور پر اپنی ذاتی جائیداد، مال دولت رکھ سکے یا اسے فروخت کر سکے۔ یہ امر کہ اسلام نے عورت کو یہ حق آج سے ۱۴۰۰ سال قبل دیا، اکثر اوقات

حیرت انگیز اور نمایاں ترین نظر آتا ہے۔(Hammudah bda-al Ati 1977) نے متعدد مغربی اہل علم کا حوالہ دیا جنہوں نے عورت کو دیئے گئے اس قرآنی حکم کو طبقہ نسواں کے لیے ایک بہت اہم اقدام کے طور پر سراہا ہے بمقابلہ مغربی ممالک کے قوانین کے۔

(ب) خاوند کے حقوق:

قرآن کریم کی سورت الفرقان (۲۵: ۷۴) میں اللہ کے بندوں کی اس دعا کا ذکر ہے جو وہ اللہ تبارک تعالیٰ سے کرتے ہیں۔''یہ ایک ایسی بہترین مثال ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں عورتوں اور بچوں کے کیا حقوق ہیں۔ چونکہ نکاح رشادی کا اہم ترین مقصد زوجین کے درمیان محبت ومودت اور رحم کا پیدا کرنا ہے۔(سورۃ الروم، ۳۰: ۲۱) اور جو صرف اس طریق پر ہی حاصل کیا جاسکتا ہے اگر میاں بیوی کے درمیان باہمی موافقت اور یگانگت کے جذبات موجود رہیں۔ باب سوئم میں ہم نے ایک مسلمان خاتون کی ان صفات کا مطالعہ کیا ہے جو اسلامی تعلیمات اس میں پیدا کرتی ہیں۔اور جن پر اگر اخلاص کے ساتھ عمل درآمد کیا جائے تو عائلی زندگی کو نہ صرف نہایت خوشگوار اور حسین بنایا جاسکتا ہے۔مسلمان خواتین کے لیے ام المومنین حضرت عائشہؓ صدیقہ کی زندگی ایک بہترین نمونہ کی حیثیت رکھتی ہے۔سیدہؓ جب رسولؐ خدا کے ساتھ حج کو تشریف لے جاتی تھیں تو آپ از خود رسول خدا کی خدمت بجالاتی تھیں،آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو احرام باندھنے سے پہلے اور بعد از احرام اپنے ہاتھوں سے خوشبو لگاتی تھیں۔خاوند کے حقوق درج ذیل ہیں:

۱۔ اطاعت شوہر
۲۔ جسمانی/جنسی تعلقات
۳۔ کسی غیر شخص کو گھر میں آنے کے لیے خاوند کی مرضی اور اجازت کا حصول
۴۔ بیرون گھر جانے کے لیے خاوند سے اجازت لینا
۵۔ گھریلو امور کی نگرانی
۶۔ شوہر کے لیے جذبات تشکر

اب ہم ان کے بارے میں مختصر معلومات پیش کریں گے:

۱۔اطاعت شوہر:

یہ موضوع بھی ان چند موضوعات میں بہت اہم ہے جن پر مستشرقین اور آزاد خیال لوگوں کو اعتراضات ہیں۔ تاہم حمودہ الباقی (۱۹۷۷ء) نے اس بارے میں واضح کیا کہ ''بیوی کا شوہر کی اطاعت دو پہلوؤں کے تحت آتی ہے۔ اولاً یہ اطاعت ان اعمال سے مشروط ہے جو شرعاً فرض قرار دیئے گئے ہیں۔'' ثانیاً یہ اطاعت، ان تمام حقوق کے تحت ہے جو خاوند کے حقوق ہیں۔ یہاں اس امر کی صراحت ضروری ہے کہ میاں بیوی کے درمیان تعلقات جس گہرائی اور گیرائی کے حامل ہیں اور وہ اس قدر متنوع اور حسین ہیں کہ انہیں قانونی موشگافیوں اور دلائل کی بھینٹ نہیں چڑھایا جاسکتا ہے۔ نیز عائلی زندگی ایک ایسا حساس، نازک اور اہم ترین سماجی پہلو ہے جسے کسی بھی ایک فرد کی سمجھ بوجھ/ذاتی سوچ اور خواہشات کے تناظر میں نہیں دیکھنا چاہیے۔ اگرچہ عائلی/ خاندانی زندگی کے چند مہمات (Major) پہلو قانونی پابندیوں اور احکامات کے تحت ضرور آتے ہیں لیکن اس کے علاوہ خاندانی زندگی میں زوجین کے تعلقات اس قدر حساس اور نزاکت کے حامل ہوتے ہیں کہ انہیں حل کرنے کے لیے ان عمومی دینی اور اخلاقی اصولوں پر عمل کرنا بہت ضروری ہے جو شریعت نے ہر انسان بالخصوص زوجین کے لیے وضع کیے ہیں۔''

سورۃ النساء ۴: ۳۴ کے احکامات اور فرامین کی روشنی میں (جیسا کہ درج بالا صفحات میں صراحت کی گئی) کہ ایک صحیح اور متوازن ذہن کی عورت اپنے خاوند کی ہمیشہ اطاعت کرتی ہے بشرطیکہ وہ احکاماتِ الٰہی کے منافی نہ ہو۔ مسلمان عورت اپنے خاوند کی ہمہ وقت عزت و احترام کو ملحوظ خاطر رکھتی ہے اور اس کی یہ مسلسل کوشش ہوتی ہے کہ وہ اسے ہمیشہ خوش رکھ سکے۔ ایک مسلمان بیوی کا یہ طرز عمل دراصل ایک حدیث سے واضح ہوتا ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ: ''کیا میں تمہیں ایسی بیویوں کے بارے میں نہ بتاؤں جو جنت میں ہوں گی؟'' صحابہ کرامؓ نے عرض کی ''ضرور یارسولؐ اللہ۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ

''وہ زیادہ بچے پیدا کرنے والی اور محبت کے بھرپور جذبات کی حامل ہوتی ہیں۔ اگر وہ کسی بات پر ناراض ہوجاتی ہے یا اس کے ساتھ برا سلوک کیا جائے یا اس کا خاوند اس کے ساتھ ناراض ہوجائے تو وہ یہ کہتی ہے کہ ''میرا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں ہے (یعنی میں اطاعت گزار ہوں) میں اس وقت تک نہیں سوؤں گی جب تک کہ آپ مجھ سے خوش نہیں ہوجاتے۔''

ایک مسلمان عورت، اپنے خاوند کیلئے آرائش (میک اَپ) اور اچھے لباس کا استعمال کرتی ہے تاکہ وہ اپنے خاوند کی نظروں میں حسین اور جاذب نظر ہوں جسے دیکھ کر ان کے دل میں زیادہ محبت کے جذبات جاگزیں ہوں۔ اپنے خاوند کے جذبات محبت ومودت کو ابھارنے کے لیے ایک اور طریقہ جو ایک مسلمان عورت کو اختیار کرنا چاہیے وہ ہمیشہ اس کے ساتھ خوش مزاج، ملنسار، اور دوستانہ انداز میں رہتی ہے تاکہ خاوند کی زندگی ہمیشہ اور ہر وقت مسرت وشادمانی کے جذبات سے سرشار رہے۔ بیوی کو چاہیے کہ جب خاوند دفتر/کام سے واپس گھر آئے تو وہ اس کا استقبال خندہ پیشانی اور محبت کے جذبات سے مسکراتی ہوئی کرے۔

عائلی زندگی میں اپنے خاوندوں کے ساتھ ایک پر مسرت اور بھرپور زندگی بسر کرنے کا یہ بھی ایک طریقہ ہے کہ بیوی اس کی خوشیوں اور پریشانیوں میں برابر کی شریک ہو۔ بیویوں کو ان کا غم گسار ہونا چاہیے کہ وہ ان کے ذاتی امور، کام کاج اور دیگر امور میں برابر کی شریک ہو جیسے اگر خاوند کو سیر یا ورزش کا شوق ہے یا وہ مطالعہ کرنے کے عادی ہیں یا علمی و ادبی گفتگو اور مجالس میں حاضری کو ضروری سمجھتے ہیں تو ایک بیوی کو ان کا ساتھ دینا چاہیے۔ یوں وہ اپنے خاوندوں کو یہ تاثر دینے میں کامیاب ہوجاتی ہیں کہ وہ اپنے خیالات، اعمال اور دلچسپیوں میں تنہا نہیں بلکہ ان کی عقلمند، وفادار اور محبت کرنے والی رفیقۂ حیات ان تمام امور میں اس کا ساتھ دے رہی ہیں۔ اسی طرح خاوند کے مسائل اور پریشانیوں میں بھی ان کا ساتھ دینا، ان سے تبادلہ خیال کرنا اور اپنے طور پر تجاویز اور مشورے دینا بھی ضروری ہے تاکہ خاوند اپنی بیوی کی عقل وفہم اور سوچ سے بہرہ مند ہوسکیں۔

۲۔ جسمانی/جنسی تعلقات:

عائلی زندگی میں زوجین کے درمیان جسمانی/ جنسی تعلقات کے ضمن میں حمودہ عبدالاتی (۱۹۷۷ء) نے بہت واضح طور پر لکھا کہ ''مسلم فقہاء اور معاشرتی علوم کے ماہرین نے ہمیشہ زوجین کے درمیان جسمانی رجنسی تعلقات کو برقرار رکھنے کی اہمیت اور ضرورت کو پیش نظر رکھا ہے کہ ان کے نزدیک خاندانی نظام کو تسلسل کے ساتھ قائم رکھنے میں ان تعلقات کا ایک اہم کردار ہے۔ اس لئے بیویوں کے لیے یہ ایک ضروری امر ہے کہ وہ اپنے خاوندوں کی جنسی خواہش اور ضرورت کو پورا کرنے میں تندہی کے ساتھ ان کا ساتھ دیں اور وہ نہ صرف اپنے آپ کو بناؤ سنگھار کے ذریعے جاذب نظر بنائیں بلکہ ان معاملات میں ان کے ساتھ تعاون راشتراک کریں۔ ایک بیوی کو اپنے خاوند کو کسی صورت بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ قرآن کی رو سے وہ ایک دوسرے کے لیے مودت ورحمت اور سکون اور اطمینان قلب ونظر کا سامان ہیں۔ تاہم اس بارے میں ضروری ہے کہ دونوں صحت و تندرستی کے ساتھ ایک بھرپور عملی زندگی گزاریں۔ مزید براں، ایک بیوی کے لیے قطعاً اجازت نہیں کہ وہ کوئی ایسی حرکت رعمل کرے جو اس کے خاوند کے لیے ان تعلقات سے زیادہ سے زیادہ حظِ نفس اٹھانے میں مانع یا حائل ہو۔ اسی طرح ایک خاوند کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے طور پر کسی ایسے طریقے پر عمل نہ کرے جس سے بیوی کے لیے جنسی عمل میں حظ وانبساط کا پہلو نظر انداز ہو۔ مثال کے طور پر، خاوند کو عزل وغیرہ کوئی ایسا مانع حمل طریقہ استعمال نہیں کرنا چاہیے اپنی شریک حیات کی اجازت کے بغیر کیونکہ اس طرح وہ اس لذت/ حظ کے جذبات سے بہرہ مند نہیں ہوسکتی جو اس عمل کا مقصد ہیں۔ نیز اس طرح بچوں کی پیدائش سے بھی ایک عورت غیر ضروری طور پر محروم ہو جاتی ہے۔ زوجین کے لیے اس عمل میں شریک ہونے کے لیے پیار ومحبت سے بغل گیر ہونا، بوسے لینا اور دیگر ایسے طریقوں (Foreplay) پر عمل کرنا ضروری ہے جس سے وہ برانگیختہ ہو کر زیادہ سے زیادہ حظ حاصل کرسکیں۔ اسی طرح خاوند کو چاہیے کہ وہ اپنی شریک حیات کو بھی اس حظ میں

شریک کرنے کوشش کرے جس سے وہ خود ہمکنار ہونا چاہتا ہے کیونکہ مسلسل اس عمل کو نہ دہرانے سے عورت میں سرد مہری کے جذبات پروان چڑھ سکتے ہیں جو عائلی زندگی کے اطمینان اور سکون نیز قیام اور تسلسل کے لیے سم قاتل سے کسی طرح بھی کم نہیں۔ (محمد آفتاب خان ۲۰۱۴)

۳۔ کسی فرد کو گھر میں آنے کے لیے شوہر کی اجازت:

عائلی زندگی میں زوجین کی خوشگوار زندگی کے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ خاوند کی مرضی، منشاء اور اجازت کے بغیر کس فرد کو بھی گھر میں داخل ہونے دیا جائے یا کسی کے دیئے گئے تحائف قبول کئے جائیں۔ اسی طرح عورت کے لیے یہ بھی مناسب نہیں کہ وہ گھریلو کوئی شے خاوند کی مرضی کے بغیر کسی کو دیدے یا فروخت کردے۔

شریعت کی رو سے خاوند کو اس امر کی بھی اجازت ہے کہ وہ اپنی بیوی کو بغیر اس کی اجازت باہر جانے سے روک دے۔ اگر (خدانخواستہ) کسی وقت ایسی صورت حال واقع ہو جائے کہ خاوند کو بیوی کے والدین سے ملاقات پر اختلاف ہو یا اُسے بیوی کا اپنے والدین/عزیزوں سے ملاقات کرنے پر اعتراض ہو تو بیوی کے لیے بہتر ہے کہ وہ اپنی عائلی زندگی کی بہتری کے لیے خاوند کے حکم کی پیروی کرے۔ تاہم خاوندوں کے لیے بھی بہت ضروری ہے کہ وہ ایسے معاملات میں فراخدلی اور وسعت قلبی کا مظاہرہ کریں۔

خاوند کے حقوق کے بارے میں یہ حق بھی شامل ہے کہ اس کی پہلی بیوی، خاوند کی دوسری شادی کرنے پر اسے روک نہیں سکتی یا خاوند کو طلاق دینے کے حق سے محروم کرے الا یہ کہ اس امر کا اقرار اور تحریر شادی سے قبل کیا گیا ہو کہ خاوند ایسا نہیں کر سکتا۔

گھریلو امور سرانجام دینا:

عام طور پر شادی کے بعد بیوی گھریلو کام کاج، کچھ عرصہ گزرنے کے بعد خود بخود سرانجام دینا شروع کر دیتی ہیں۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانے میں بھی خواتین اور بالخصوص ازواجِ مطہراتؓ گھریلو امور از قسم کھانا پکانا، کپڑے دھونا اور گھر کی صفائی

کے کام سرانجام دیا کرتی تھیں۔ تاہم اگر کسی کو غلام/ باندی کی سہولت حاصل ہوتی تھی تو اسے اللہ تعالیٰ کا انعام سمجھا جاتا تھا کہ وہ ان کاموں کو سرانجام دینے میں ممد ومعاون ہوں۔ تاہم فقہائے کرام نے واضح کیا ہے کہ شرعاً ایک خاوند، اپنی بیوی کو یہ تمام امور سرانجام دینے کے لیے مجبور نہیں کرسکتا۔ ایک بیوی قانونی طور پر اس کی پابند نہیں کہ وہ گھریلو امور ضرور سرانجام دے کیونکہ اس امر کی تصریح عقد نکاح کا قطعاً قانوناً حصہ نہیں اور نہ ہی یہ امر نکاح/ شادی کے مقاصد میں شامل ہے تاہم یہ مناسب گردانا گیا ہے کہ وہ معمول کے یہ امور ازخود سرانجام دینا شروع کرے کیونکہ یہ عمل نہ صرف ایک فطری طریقہ ہے بلکہ زوجین کے تعلقات کو استوار کرنے میں بھی ممد ومعاون ہے اور صحت کی بحالی کے لیے بھی ضروری ہے۔

(ج) زوجین کے مشترک حقوق:

عائلی زندگی میں زوجین کے درمیان درج ذیل مشترک ہیں جن کی ادائیگی ہر دو کے لیے ضروری ہیں:

۱۔ زوجین کا باہمی ایک دوسرے سے محبت اور حظ ولطف حاصل کرنا

۲۔ اولاد کے حسب ونسب کا تعین اور ان کی پرورش

۳۔ وراثت جو دونوں کو ایک دوسرے سے ملتی ہے

۴۔ ایک خاوند کے لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ وہ اپنی صحت وسلامتی اور جسمانی طاقت کو قائم ودائم رکھنے کی کوشش کرے۔ رسولؐ خدا سے بڑھ کر کسی کو بھی اس امر کا بہت زیادہ احساس نہیں تھا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنت کا تقاضہ ہے کہ ہر امتی اپنی ذاتی صحت وصفائی اور تندرستی کا خیال رکھے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمیشہ مسواک کا استعمال فرمایا۔ اور ہمیشہ خوشبو کو پسند فرمایا۔ ابن عباسؓ نے اس امر کی وضاحت بہت خوبصورت انداز میں یوں کی کہ: ''لازماً میں اپنی ذات کے لیے خوبصورتی اور تندرستی کو پسند کرتا ہوں تاکہ میری بیوی مجھ سے محبت کرتی رہے۔ اسی طرح میں یہ چاہتا ہوں کہ میری بیوی بھی اپنے آپ کو تندرست وتوانا اور خوبصورت

رکھے اللہ تعالیٰ نے ہر دو زوجین کو ایک دوسرے کے لیے مساوی اور ہمدرد بنایا ہے۔''

بچوں کے حقوق:

اسلام نے والدین پر بچوں کے حقوق کے بارے میں بھی بہت تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ حال ہی میں ایک کتاب ڈاکٹر ام کلثوم (۲۰۰۰ء) نے شائع کی ہے جس میں بچوں کے حقوق و ذمہ داریوں پر تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے۔ نیز حال ہی میں پروفیسر ڈاکٹر محمد منیر نے بھی ایک کتاب ''اسلام میں بچوں کے حقوق'' شائع کی ہے۔

بچوں کی نگہداشت:

رسولِ خدا نے فرمایا کہ: ''بچوں کو دی جانے والے بہترین چیز وہ نگہداشت اور تربیت ہے جو ایک باپ اپنے بچوں کو دیتا ہے۔'' بچوں کے لیے اہم ترین امر یہ ہے کہ شادی/نکاح کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اولاد کو اپنے حسب نسب کا علم ہو۔ والدین کی وجہ سے انہیں وہ تمام قانونی حقوق اور مراعات ملتی ہیں، جن کی اس دنیا میں ضرورت ہوتی ہے۔ وہ اپنے خاندان اور والدین کی نسبت سے نہ صرف پکارے جاتے ہیں بلکہ معاشرے میں ایک باعزت مقام بھی حاصل کرتے ہیں۔ بچوں کی وہ پرورش جو ایک ماں ان کے عہد طفولیت میں کرتی ہے جب کہ وہ کسی کام کے کرنے کے قابل نہیں ہوتے، اسے ''حسنہ'' (نیکی) قرار دیا گیا ہے۔ اسلامی قانون کے چاروں مکاتیب فکر (فقہی مدارس) کا اس امر پر اتفاق رائے ہے کہ ماں کا بچوں پر حق فائق ہے۔ پیغمبر اسلام کی متعدد احادیث میں ایک روایت یوں ہے کہ ایک عورت نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئی اور یوں گویا ہوئی کہ:

> **''یہ میرا بیٹا ہے جس کے لیے میرا بطن ایک برتن کی مانند تھا، میری چھاتیاں اس کے لیے پانی کا مشکیزہ تھیں اور میری گود اس کی جائے پناہ تھی۔ اس کے والد نے مجھے طلاق دیدی ہے اور اب اس بچے کو مجھ سے چھین لینا چاہتا ہے۔ یہ سننے کے بعد پیغمبر خدا نے**

فرمایا: تم اپنے بیٹے کی زیادہ حق دار ہو جب تک کہ دوسری شادی نہ کرو۔''

ایک خاتون کی اس گفتگو کے ادبی حسن وخوبی پر ایک شخص کو جھوم جانا چاہیے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں عرب کی عام عورتوں کو اپنے خیالات کے اظہار کی کس قدرت حاصل تھی۔ اس کے پیش نظر جدید خواتین کا یہ خیال کس قدر وقعت رکھتا ہے کہ اسلام نے عورت کو پسماندہ رکھا ہے؟

چونکہ عہد طفولیت میں بچے کو اپنی ماں یا کسی دوسری عورت کی نگہداشت اور مدد کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے قرآن کریم نے بچوں کو اپنا دودھ پلانے کی ہدایت کی ہے دو سال تک۔ (سورۃ البقرہ، ۲: ۲۳۳) میں ارشاد ہے کہ ''مطلقہ عورت اپنے بچے کو دو سال تک دودھ پلائے اگر خاوند چاہتا ہو کہ بچے کو دودھ پلایا جائے۔'' یاد رہے کہ اسلامی تعلیمات کی رو سے ماں کا بچے کو دودھ پلانے کا ایک خاص مقام اور مرتبہ واہمیت ہے۔ اسلام کی نظر میں یہ صرف ایک فراہمی غذا کا عمل ہی نہیں بلکہ اسلام اسے ایک قدر (Value) سمجھتا ہے اور یہ ایک ایسا خاص تعلق (Bond) ہے کہ سگی/ اصل ماں کے علاوہ جو کوئی دوسری عورت بھی بچے کو اپنا دودھ پلاتی ہے، اسے اسلامی قانون میں ایک خصوصی مقام ''دودھ پلائی ماں'' کا حاصل ہو جاتا ہے۔ ایسی عورت کے اپنے بچے اس بچے کے ''دودھ شریک بھائی بہن'' بن جاتے ہیں۔ ایسی عورت کو اصل ماں کے قائم مقام کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے شریعت کے چند دیگر شرعی قوانین از قسم شادی/ بیاہ کے سلسلے میں یعنی دودھ شریک بھائی بہن' ایک دوسرے کے ساتھ رشتہ مناکحت میں نہیں آسکتے۔ (سگے بھائی بہنوں کی طرح)

بچوں کو دودھ پلانے کا عمل ایک اور پہلو سے بھی اہم ہے۔ ایسے عالم میں کہ اگر زوجین کے درمیان طلاق کی بناء پر جدائی واقع ہو جائے تو والد پہ فرض ہے کہ بچے کی ماں

کے تمام تر اخراجات برداشت کرے اگر وہ اس بچے کو دودھ پلائے۔

مزید براں عمر کے اس ابتدائی دور میں ماں کا دودھ پینے سے بچوں کو اعتماد کی ایک ایسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جو ان کی آئندہ عمر میں مفید ثابت ہوتی ہے۔ دنیا میں بڑے لوگوں کا وجود کسی عظیم ماں کے دودھ کا ہی اثر ہوتا ہے۔ حضرت فاطمہؓ کی گود میں پلنے والے دو بچے کون تھے؟ حضرت زینبؓ کی شخصیت کے پیچھے کس عظیم ماں اور باپ کا ہاتھ تھا؟ یہ تو دو مثالیں ہیں جو فوری طور پر نوک قلم پر آ گئیں وگرنہ اگر اس موضوع پر تحقیق کی جائے تو شاید کئی ضخیم کتب تیار ہو سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ بچے کو دودھ پلانے کے اس عمل کا ماں کی صحت و تندرسی پر بھی ایک نہایت خوشگوار اثر پڑتا ہے۔ ایک عرصہ گزرا مغرب میں خواتین اس شبہ میں مبتلا ہو گئی تھیں کہ بچے کو دودھ پلانے سے ان کی خوبصورتی متاثر ہوتی ہے اور یوں انہوں نے بچوں کو اپنا دودھ پلانا بند کر دیا تھا (مصنوعی دودھ کی فراہمی اربوں/کھربوں کی ایک صنعت بن گئی ہے) تاہم سائنس کی جدید تحقیقات سے یہ غلط ثابت ہوا کہ بچوں کو اپنا دودھ پلانے کے کوئی مضر اثرات صحت اور خوبصورتی میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ اس ضمن میں تحقیق سے پتہ چلا کہ ۹۰ فی صد بچے، جو دماغی امراض کے ہسپتالوں میں زیر علاج ہیں، یہ وہ بچے ہیں جنہیں اوائل عمر میں اپنی ماؤں کا دودھ پینے کو نہیں ملا تھا۔ اسی طرح وہ بچے جنہیں کم از کم ۹ ماہ تک اپنی ماؤں کا دودھ پینے کا موقعہ ملا تھا، وہ ذہنی ترقی کے معیار (IQ) میں بہت بہتر تھے بہ نسبت ان بچوں کے جنہیں ماؤں کا دودھ پینے کو نہیں ملا تھا۔ (ام کلثوم ۲۰۰۰ء)

اس تمام گفتگو کو سمیٹتے ہوئے حمودہ الاتی نے مزید لکھا کہ اسلامی تعلیمات کی رو سے بچوں کی پرورش و نگہداشت اور ان کے ساتھ شفقت و محبت سے لبریز محبت کا سلوک بہت ضروری ہے۔ ایسی صورت میں کہ کسی بچے کے ماں باپ نہ ہوں تو اس کے قریبی رشتے داروں کا یہ فرض ہے کہ وہ اس کی دیکھ بھال کریں تاہم ایسی صورت میں کہ ایسے رشتے دار بھی موجود نہ ہوں تو ایسے بچے مسلم امت یا اسلامی ریاست کی ذمہ داری بن جاتے ہیں۔

بچوں کی ذمہ داریاں/ ماں باپ کے حقوق:

اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بعد، ماں باپ کی اطاعت اور فرمانبرداری بچوں پر فرض قرار دی گئی ہے۔ سورۂ لقمان (۳۱: ۱۴) میں اس کی وضاحت کی گئی ہے۔ ایک حدیث کی رو سے کسی اولاد کے لیے اس کے بہترین سلوک کی مستحق اس کی ماں ہے اور اس بات کو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تین مرتبہ تاکیداً دہرایا۔ نہ صرف یہ بلکہ اولاد کے لیے یہ حکم بھی ہے کہ وہ نہ صرف ماں بلکہ ماں کی بہن (خالہ) کی بھی اس طرح عزت واحترام اور تابعداری کریں جس طرح وہ اپنی ماں کی کرتے ہیں اگر ماں کا انتقال ہوگیا ہو۔ اسی طرح دودھ پلائی ماں کا عزت واحترام کرنا ہے۔ قرآن کریم نے سورۂ بنی اسرائیل (۱۷: ۲۳) میں بچوں کو ہدایت فرمائی کہ وہ یہ دعا کیا کریں:

> ''اے ہمارے رب، ہمارے ماں باپ پر رحم فرما جس طرح انہوں نے بچپن میں ہمارے ساتھ رحم کیا تھا۔''

اولاد کا فرض ہے کہ اپنے والدین کی مالی امداد کریں اگر وہ اس کے ضرورت مند ہوں۔ ماں باپ، قطع نظر مذہبی عقائد اور خیالات، اولاد کی جانب سے ضروریاتِ زندگی پورا کرنے کے حق دار ہیں۔ (Hammud al Ati 1977) نے والد کے ایک بہت ہی اچھوتے حق کی جانب بھی توجہ دلائی ہے کہ اولاد اپنے باپ کے لیے شادی کا بندوبست کرنے کا اہتمام بھی کریں اگر یہ امر والد کے سکون اور آرام کے لیے ضروری ہو۔

اسلامی تعلیمات میں ''احسان'' کا تصور کس قدر وسیع معنی کا سمندر اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے کہ اس کی رو سے ایک شخص اخلاقی اور مذہبی طور پر مکلف ہے کہ وہ اپنے ضرورت مند بھائی بہنوں کی بہترین مدد اور خدمت کرے۔ مزید براں، مسلمانوں کو اس امر کا حکم ہے کہ وہ اپنے تمام رشتے داروں کا خیال کریں چاہے وہ دور پار کے رشتے دار ہی کیوں نہ ہوں۔ اسلام میں احسان کی اصطلاح ایک ایسے وسیع وعریض معنوں کو سمیٹے ہوئے ہے کہ

اس کا دائرہ تمام انسانیت کو اپنے محیط میں لیے ہے۔ اور ایک صحیح باعمل مسلمان کے لیے ضروری قرار دیتا ہے کہ ان کی مدد کی جائے جب بھی انہیں کسی مدد کی ضرورت ہو۔ اور اس امر میں ذات پات، رنگ و نسل، جنس، عقیدے اور جغرافیائی حد بندی کا خیال رکھنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں!

باب پنجم:

نظریۂ مساواتِ مرد وزن: ایک طائرانہ جائزہ

اسلام میں عورت کے مرتبہ ومقام کے بارے میں عالمی سطح پر بہت بحث مباحثہ کیا گیا ہے۔ مغربی ممالک میں، اگر اس کے بارے میں چند مغالطے پائے جاتے ہیں تو وہ قابلِ فہم ہیں۔ اغلباً یہ گیارہویں صدی عیسوی کی صلیبی جنگوں (۱۰۹۶ تا ۱۲۷۱) میں مذہبی تعصب کی بناء پر کیے جانے کا تسلسل ہے۔ یہ جھوٹا پروپیگنڈہ، چرچ نے یہودیوں کی شہ پر مسلمانوں کی ان فتوحات کو روکنے کے لیے شروع کیا تھا جو صلیبی جنگوں میں مسلمانوں کو حاصل ہو رہی تھیں۔ تاہم پروپیگنڈہ کی یہ مہم نسل در نسل ''تہذیبوں کے درمیان تصادم'' (Clash Between Civilization) کے نئے نام سے آج بھی دوبارہ جاری ہے۔ یہود و نصاریٰ کی ان کوششوں کے علی الرغم، حیرت اس بات پر ہے کہ بہت سے مسلمان دانشور (مرد و خواتین) بھی اس پروپیگنڈے کا شکار ہو گئے ہیں۔ وہ اپنی تحریروں اور گفتگوؤں میں اسلام کی ان بنیادی تعلیمات کا مذاق اڑاتے ہیں جو قرآن کریم اور حدیث میں بیان کی گئی ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ غیر ضروری طور پر جلد از جلد اسلام کی ایک ایسی تصویر کشی کرنا چاہتے ہیں جس سے وہ تعلیمات، مغرب کی نظر میں قابل قبول ہو جائیں۔ مسلم اہل علم کے ان خیالات کو جاننے کے بعد، جس کی نشر و اشاعت وہ بہت سرگرمی کے ساتھ مسلم ممالک کے پڑھے لکھے طبقے کو گمراہ کرنے کے لیے کر رہے ہیں، سب سے پہلا تاثر جو ذہن میں آتا ہے کہ یہ سب کچھ مستشرقین کے خیالات اور اعتراضات کی بازگشت (Echo) ہے جو وہ ماضی بعید میں اپنے مذہبی عقائد اور تعصب کی بناء پر کرتے رہے ہیں۔ ذیل کے صفحات میں ہم ان چند اعتراضات کا جائزہ لیں گے جو انہوں نے عورت کے مقام اور حیثیت کے

بارے میں کیے ہیں۔

(ا) مستشرقین نے اسلام کے خاندانی نظام پر بہت سے اعتراضات کیے ہیں اور اس موضوع کے تحت متعدد ضمنی موضوعات تعدد ازواج اور بالخصوص آنحضرت ﷺ کی عائلی زندگی پر[1] کیچڑ اچھالنے کی جسارت کی ہے بالخصوص حضرت زینبؓ کے ساتھ آپ ﷺ کی شادی۔ تاہم ان موضوعات کے بارے میں ہم نے تفصیلاً گزشتہ باب (چہارم) میں جائزہ لیا ہے۔

دوسرا اہم ترین موضوع جس پر مستشرقین نے یہودی اور عیسائی مذاہب کی خودساختہ عقائد جو حضرت آدمؑ کی پسلی سے حضرت حوا کی پیدائش کا واقعہ ہے، اسے بھی نہایت چالاکی اور ہوشیاری کے ساتھ بیان کیا ہے اور بدقسمتی سے نہ صرف قدیم مفسرین نے (اپنی علمی دیانت اور بلاتعصب ذہن کی وجہ سے) اُسے بھی اپنی کتب میں نقل کردیا ہے اور جس کی بنیاد پر حالیہ دور میں مسلم اہل علم کی ایک معتدبہ تعداد ان کے جالِ ہم رنگ زمین کا شکار ہوگئی اور انہوں نے عورت کے بارے میں بائبل کے وہ تمام تر خیالات، قرآنی تعلیمات کے علی الرغم، اسلام پر چسپاں کردیئے ہیں جس میں اہم ترین ''عورت کا گناہ اولین'' (جو پسلی کی روایت بائبل سے ماخوذ ہے) ''جہنم کا دروازہ'' اور دیگر بہت سے نازیبا الفاظ ہیں جو عیسائی پادریوں بالخصوص سینٹ پال نے حضرت حوّا کے حوالے سے طبقہ نسواں کو بدنام کرنے اور عیسائیت میں عورت کے مقام اور مرتبہ کو کم تر کرنے کے لیے لگا دئے ہیں۔ یاد رہے کہ سینٹ پال کے بارے میں یہ بتایا جاچکا ہے کہ وہ دراصل یہودی النسل تھا جس نے عیسائیت کو بدنام کرنے کے لیے عیسائی مذہب اختیار کرلیا تھا تاہم اس کا اثر اور نفوذ عیسائی مذہب میں اس قدر ہوا کہ تعلیماتِ عیسوی مسخ ہوکر رہ گئیں جس کے خلاف بغاوت عیسائیوں کے ایک دوسرے شخص مارٹن لوتھر نے کی۔ یہاں ہم اپنے اس حیرت کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ بدقسمتی سے کسی بھی لبرل یا مساواتِ مرد و زن کے حامی فرد (مرد اور عورت) نے

[1] دیکھیے ہماری تازہ ترین کتاب ''آنحضرت ﷺ کی عائلی زندگی (۲۰۲۱)''

تخلیق آدم اور حوا کے بارے میں قرآن کریم کے بیان کردہ حقائق اور معلومات پر توجہ نہیں دی اور دیارِ مغرب سے آنے والے بیان پر آمنا وصدقنا کہہ بیٹھے۔ مزید ان میں سے کسی نے بھی احادیثِ نبویؐ اور اسوہ حسنہ کا مطالعہ کرنے بالخصوص آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عائلی زندگی کے حقائق کو جاننے کی کوئی مثبت کوشش نہیں کی وگرنہ ناممکن تھا کہ وہ گلستان مصطفویؐ کے ان سدا بہار پھولوں سے اپنے مشام جان کو معطر نہ کر سکتے!

(۳) جیسا کہ درج صفحات میں واضح کیا گیا کہ عیسائی راہبوں کی خودساختہ روایت کہ حضرت حواؑ کی پیدائش آدمؑ کی پسلی (Rib theory) سے ہوئی کہ انہوں نے حضرت آدم کو ورغلانے اور اللہ کے احکام کی نافرمانی کی ترغیب دی، اس تھیوری کے تسلسل میں مساوات مرد وزن کے حامی افراد نے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا ہے کہ چونکہ توریت اور بائبل کی تالیف اور ترتیب مرد (یہودی/عیسائی) مذہبی لوگوں نے کی تھی تو اس میں انہوں نے مرد کی بڑائی کا پہلو داخل کر دیا ہے۔(Male Chauvinism) اور یوں صنف اناث کو حقیر اور کم تر گردانا گیا۔ اس وجہ کی بناء پر یہ نہایت ضروری ہو گیا کہ تورات و بائبل کی تشریح وتوضیح کا کام دوبارہ اس طریق پر کیا جائے کہ اس میں طبقہ اناث کے خیالات کی ترجمانی ہو۔ چونکہ وہ یہ جانتے ہیں کہ یہودی اور عیسائی مذہب کی طرح، اسلام بھی ایک الہامی ہدایت ہے اس لئے مسلم مرد و خواتین کو بھی قرآن کریم پر اسی طرح طبقہ نسواں کی ترجمانی کے نکتہ نظر سے دوبارہ غور کر کے اس میں موجود ایسے تحقیر آمیز مواد کی اصلاح کر دینی چاہیے۔ اسی ضمن میں چند خواتین اور مردوں نے اس امر کا بھی اعادہ کیا ہے کہ اسلام کے ۱۴۰۰ سالہ دور میں کسی ایک مفسر عورت کا وجود بھی نہیں پایا جاتا جس کی تشریح وتعبیر کو مسلم اہل علم کے حلقے میں پذیرائی حاصل ہوئی ہو۔

(۴) چونکہ عیسائیت میں عورتیں اتوار کے روز چرچ میں عبادت کرنے کے لیے جاتی ہیں اس لیے مسلمان عورتوں کو بھی پانچ وقت مسجد میں جا کر نماز کی ادائیگی کرنی ضروری ہے۔ اس سے ایک قدم مزید بڑھاتے ہوئے چند مسلمان خواتین کا تو یہ مطالبہ بھی سامنے آیا

ہے کہ عورتوں کو مساجد میں جا کر مرد حضرات کی نماز کی امامت بھی کرانی چاہیے (تا کہ وہ یوں بھی مردوں کے شانہ بشانہ یہ خدمت سرانجام دے سکیں)۔

(۵) کچھ خواتین نے مزید الجھنیں پیدا کرنے کی غرض سے غیر ضروری طور پر تصوف (صوفی ازم) کا شوشہ بھی چھوڑا ہے۔ اور اس ضمن میں حضرت رابعہ بصریؒ کی صوفیانہ (متقیانہ) زندگی کو طبقہ نسواں کے لیے ایک معیار (Ideal) کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ تاہم ابھی تک اس قسم کی زندگی بسر کرنے کا عملی مظاہرہ نظر نہیں آیا کہ عیش وعشرت کی وہ زندگی جو اس قسم کی خواتین/ مردوں کی زندگی کا مقصود اولین ہے، اسے چھوڑ کر عسرت وتنگی کی زندگی بسر کرنے کے لیے بہت بڑے دل گردے کی ضرورت ہے!

درج بالا صفحات میں ہم نے امکان بھر کوشش کی ہے کہ ان تمام اعتراضات اور شکوک وشبہات کو مختصراً سمیٹ لیا جائے جو ماضی بعید میں مستشرقین نے عیسائی مذہبی منافرت کے جذبے سے سرشار ہو کر مختلف کتب از قسم انسائیکلو پیڈیا بری ٹینکا، امریکانہ وغیرہ میں بیان کیے ہیں اور جن کی ایک جھلک روبن لیوی (۱۹۶۲ء) کی کتاب میں نہایت عمدگی کے ساتھ دیکھی جا سکتی ہے۔ تاہم یہ امر حیرت کا باعث ہے کہ پاکستان اور دیگر چند مسلم ممالک کی خواتین اور مرد حضرات نے وہ تمام تر اعتراضات/شکوک وشبہات (بہت حد تک اغیار کی زبان اور لہجہ میں) اپنے ذاتی خیالات کی صورت میں پیش کر دیئے ہیں۔ اگرچہ ہمیں اپنی ان قابل احترام اہل علم کے بارے کسی قسم کی بدگمانی نہیں۔ تاہم مقامِ حیرت ہے کہ ان میں سے کسی ایک نے بھی ان خیالات کے منبع ومصدر کا کوئی حوالہ تک درج نہیں کیا۔ شاید ان تمام تر خیالات کو اپنی ذہنی اختراع (Brain Child) کے طور پر پیش کرنے کی ''ہمت'' اس لیے کی ہے کہ اس زمانے میں ''گوروں کی مشکل کتب'' پڑھنے کا کسے یارا ہے اور ایسی کتب پاکستان کی لائبریریوں میں ملتی بھی تو نہیں۔ تاہم ہم اپنے اس خیال کا (''بدگمانی'' نہیں) اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ علمی حلقوں میں اس قسم کی تمام کوششوں کو سراہا نہیں جاتا کہ ایسی تمام تر تحریر، اہل مغرب کے ہی بنائے ہوئے معیار تحقیق

(Objective Research) کے زمرے میں نہیں آتیں۔

عشق کی تیغ جگر دار اڑا لی کس نے
علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی!

قبل ازیں کہ ہم ان تمام شکوک وشبہات اور اعتراضات کا علمی جائزہ لیں، اول قدم پر ہی اس امر کی وضاحت بہت ضروری ہے کہ ہم مغرب میں پائے جانے والے درج بالا معیار تحقیق کو قطعاً صحیح معیار نہیں سمجھتے۔ جس کے تحت وہ اپنے ذہن میں چند خیالات کو بنیاد بنا کر اسلامی تعلیمات پر تنقید کے نشتر چلاتے ہیں۔ ہمارے نزدیک رنگین عینک سے دیکھنے کا یہ عمل تحقیق کا صحیح طریقہ نہیں۔ ہم کسی بھی اس خیال کو علمی تحقیق نہیں سمجھتے جس میں تاریخی حقائق کو توڑ موڑ کر سیاق وسباق سے جدا کر کے مخصوص خیالات کو ثابت کیا جاتا ہے۔ اہل علم کسی بھی شخص (چاہے وہ جس قدر بھی شہرت کا حامل ہو) کو یہ حق نہیں دیتے کہ وہ اپنے طور پر کتر بیونت، اضافے یا اپنی پسند کو علمی حقائق کے لبادے میں چھپا کر پیش کرے۔ علمی تحقیق کسی دور میں کبھی بھی اس امر کی محتاج نہیں رہی کہ اس کو ثابت کرنے کے لیے دوراز کار تاریخی حوالے درج کیے جائیں جو ایک انسان کی عام سمجھ بوجھ (Common Sense) سے ماوراہوں۔

ان معروضات کے بعد اب ہم ان اعتراضات کا جائزہ لیتے ہیں جو عہد نامہ قدیم اور جدید (Old and new Testaments) میں یہودی/عیسائی راہبوں نے اپنی ذاتی آراء، فقہی خیالات اور فتاویٰ کی روشنی میں اضافے اور کاٹ چھانٹ کے ذریعے داخل کیے تھے۔ اس ضمن میں بائبل کے کنگ جیمز نسخے (۱۹۷۴ء) جس میں عہد نامہ قدیم اور جدید دونوں شامل ہیں کے مندرجات ذیل کے صفحات میں دیئے ہیں۔ اس کے بعد اس موضوع پر قرآنی ہدایت بھی بطور تقابلی مطالعے کے درج کریں گے۔

(عہد نامہ قدیم وجدید) میں آدمؑ وحواؑ کی پیدائش:

یہ اہم ترین موضوع بائبل جس میں عہد نامہ قدیم وجدید دونوں شامل ہیں ''پیدائش''

ابواب ۱ تا ۵۰ درج ہے۔تاہم ہم تقابلی مطالعے کے لئے اس کا انگریزی اور اردو ترجمہ ذیل میں درج کیا جارہا ہے۔◆

2.2:7 And the LORD God formed man of the dust of the ground, and breathed into his nostrils the breath of life; and man became a living soul.	”پھر رب خدا نے زمین سے مٹی لے کر انسان کو تشکیل دیا اور اُس کے نتھنوں میں زندگی کا دم پھونکا تو وہ جیتی جان ہوا۔“
2.16 And the LORD God commanded the man, saying, Of every gree of the garden thou mayest freely eat:	لیکن رب خدا نے اُسے آگاہ کیا،” تجھے ہر درخت کا پھل کھانے کی اجازت ہے۔“
2.17 But of the tree of the knowledge of good and evil, thou shalt not eat of it: for in the day that thou eatest thereof thou shalt surely die.	لیکن جس درخت کا پھل اچھے اور بُرے کی پہچان دلاتا ہے اُس کا پھل کھانا منع ہے۔اگر اسے کھائے تو یقیناً مرے گا۔
2.18 And the LORD God said, It is not good that the man should be alone; I will make him an help meet for him.	رب خدا نے کہا،”اچھا نہیں کہ آدمی اکیلا رہے۔ میں اُس کے لیے ایک مناسب مددگار بناتا ہوں۔“
2.21 And the LORD God caused a deep sleep to fall upon Adam, and he slept; and he took one of his ribs, and closed up the flesh instead thereof;	تب رب خدا نے اُسے سلا دیا۔ جب وہ گہری نیند سورہا تھا تو اُس نے اُس کی پسلیوں میں سے ایک نکال کر اُس کی جگہ گوشت بھر دیا۔

◆ بحوالہ C/pain/kjv/urdu goo/gen.2&3

2.22 And the rib, which the LORD God had taken from man, made he a woman, and brought her unto the man.	پسلی سے اُس نے عورت بنائی اور اُسے آدمی کے پاس لے آیا۔
2.23 And Adam said, This is now bone of my bones, and flesh of my flesh: she shall be called Woman, because she was taken out of Man.	اُسے دیکھ کر وہ پکار اُٹھا، ”واہ! یہ تو مجھ جیسی ہی ہے، میری ہڈیوں میں سے ہڈی اور میرے گوشت میں سے گوشت ہے۔ اس کا نام ناری رکھا جائے کیونکہ وہ نر سے نکالی گئی ہے۔“
3.1 Now the serpent was more subtil than any beast of the field which the LORD God had made. And he said unto the woman, Yea, hath God said, Ye shall not eat of every tree of the garden?	سانپ زمین پر چلنے پھرنے والے اُن تمام جانوروں سے زیادہ چالاک تھا جن کو رب خدا نے بنایا تھا۔ اُس نے عورت سے پوچھا، ”کیا اللہ نے واقعی کہا کہ باغ کے کسی بھی درخت کا پھل نہ کھانا؟“
3.2 And the woman said unto the serpent, We may eat of the fruit of the trees of the garden:	عورت نے جواب دیا، ہرگز نہیں۔ ہم باغ کا، ہر پھل کھا سکتے ہیں۔
3.3 But of the fruit of the tree which is in the midst of the garden, God hath said, Ye shall not eat of it, neither shall ye touch it, lest ye die.	صرف اس درخت کے پھل سے گریز کرنا ہے جو باغ کے بیچ میں ہے۔ اللہ نے کہا کہ اُس کا پھل نہ کھاؤ بلکہ اُسے چھونا بھی نہیں، ورنہ تم یقیناً مر جاؤ گے۔“

3.4 And the serpent said unto the woman, Ye shall not surely die:

سانپ نے عورت سے کہا، ''تم ہرگز نہ مروگے۔

3.5 For God doth know that in the day ye eat thereof, then your eyes shall be opened, and ye shall be as gods, knowing good and evil.

بلکہ اللہ جانتا ہے کہ جب تم اُس کا پھل کھاؤ گے تو تمہاری آنکھیں کھل جائیں گی اور تم اللہ کی مانند ہو جاؤ گے، تم جو بھی اچھا اور برا ہے اسے جان لو گے۔

3.6 And when the woman saw that the tree was good for food, and that it was pleasant to the eyes, and a tree to be desired to make one wise, she took of the fruit thereof, and did eat, and gave also unto her husban with her; and he did eat.

عورت نے درخت پر غور کیا کہ کھانے کے لئے اچھا اور دیکھنے میں بھی دل کش ہے۔ سب سے دل فریب بات یہ کہ اُس سے سمجھ حاصل ہو سکتی ہے! یہ سوچ کر اُس نے اُس کا پھل لے کر اسے کھایا۔ پھر اُس نے اپنے شوہر کو بھی دے دیا، کیونکہ وہ اُس کے ساتھ تھا۔ اُس نے بھی کھالیا۔

3.7 And the eyes of them both were opened, and they knew that they were naked; and they sewed fig leaves together, and made themselves aprons.

لیکن کھاتے ہی اُن کی آنکھیں کھل گئیں اور اُن کو معلوم ہوا کہ ہم ننگے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے انجیر کے پتے سی کر لنگیاں بنالیں۔

3.8 And they heard the voice of the LORD God walking in the garden in the cool of the day: and Adam and his wife hid themselves from the

شام کے وقت جب ٹھنڈی ہوا چلنے لگی تو انہوں نے رب کو باغ میں چلتے پھرتے سنا۔ وہ ڈر کے مارے درختوں کے پیچھے چھپ گئے۔

presence of the LORD God amongst the trees of the garden.

3.9 And the LORD God called unto Adam, and said unto him, Where art thou?

رب خدا نے پکار کر کہا، ’’آدم، تو کہاں ہے؟‘‘

3.10 And he said, I heard thy voice in the garden, and I was afraid, because I was naked; and I hid myself.

آدم نے جواب دیا، ’’میں نے تجھے باغ میں چلتے ہوئے سنا تو ڈر گیا، کیونکہ میں ننگا ہوں۔ اس لیے میں چھپ گیا۔‘‘

3.11 And he said, Who told thee that thou wast naked? Hast thou eaten of the tree, whereof I commanded thee that thou shouldest not eat?

اُس نے پوچھا، ’’کس نے تجھے بتایا کہ تو ننگا ہے؟ کیا تو نے اُس درخت کا پھل کھایا ہے جسے کھانے سے میں نے منع کیا تھا؟‘‘

3.12 And the man said, the woman whom thou gavest to be with me, she gave me of the tree and I did eat.

آدم نے کہا، ’’جو عورت تو نے میرے ساتھ رہنے کے لیے دی ہے اُس نے مجھے پھل دیا۔ اس لیے میں نے کھا لیا۔‘‘

3.13 And the LORD God said unto the woman, What is this that thou hast done? And the woman said, the serpent beguiled me, and I did eat.

اب رب خدا عورت سے مخاطب ہوا، ’’تو نے یہ کیوں کیا؟‘‘ عورت نے جواب دیا، سانپ نے مجھے بہکایا تو میں نے کھایا۔

3.14 And the LORD God said unto the serpent, Because thou hast done this, thou art cursed above all cattle, and above every beast of the field; upon thy belly shalt thou go, and dust shalt thou eat all the days of thy life:

رب خدا نے سانپ سے کہا، ”چونکہ تو نے یہ کیا، اس لیے تو تمام مویشیوں اور جنگلی جانوروں میں لعنتی ہے۔ تو عمر بھر پیٹ کے بل رینگے گا اور خاک چاٹے گا۔“

3.15 And I will put enmity between thee and the woman, and between thy seed and her seed; it shall bruise thy head, and thou shalt bruise his heel.

میں تیرے اور عورت کے درمیان دشمنی پیدا کروں گا۔ اُس کی اولاد تیری اولاد کی دشمن ہوگی۔ وہ تیرے سر کو کچل ڈالے گی جب کہ تو اس کی ایڑی پر کاٹے گا۔“

3.16 Unto the woman he said, I will greatly multiply thy sorrow and thy conception; in sorrow thou shalt bring forth children; an thy desire shall be to thy husband, and he shall rule over thee.

پھر رب خدا عورت سے مخاطب ہوا اور کہا، ”جب تو امید سے ہوگی تو میں تیری تکلیف کو بہت بڑھاؤں گا۔ جب تیرے بچے ہوں گے تو تو شدید درد کا شکار ہوگی۔ تو اپنے شوہر کی تمنا کرے گی لیکن وہ تجھ پر حکومت کرے گا۔“

3.17 And unto Adam he said, Because thou hast hearkened unto the voice of thy wife, and hast eaten of the tree, of which I commanded thee, saying, Thou shalt

آدم سے اس نے کہا، ”تو نے اپنی بیوی کی بات مانی اور اُس درخت کا پھل کھایا جسے کھانے سے میں نے منع کیا تھا۔ اس لیے تیرے سبب سے زمین پر لعنت ہے۔ اس سے خوراک

not eat of it : cursed is the ground for thy sake; in sorrow shalt thou eat of it all the days of thy life;	حاصل کرنے کے لیے تجھے عمر بھر محنت مشقت کرنی پڑے گی۔
3.20 And Adam called his wife's name Eve; because she was the mother of all living.	آدم نے اپنی بیوی کا نام حوا یعنی زندگی رکھا، کیونکہ بعد میں وہ تمام زندوں کی ماں بن گئی۔
3.21 Unto Adam also and to his wife did the LORD God make coats of skins, and clothed them.	رب خدا نے آدم اور اُس کی بیوی کے لیے کھالوں سے لباس بنا کر اُنہیں پہنایا۔

قرآن کریم میں تخلیق آدمؑ وحواؑ:

قرآن کریم نے چند ایسے امور بیان کیے ہیں جن کا یہود ونصاریٰ کی تعلیمات میں بھی ذکر ہے۔ تاہم قرآنی بیانیہ، عہد نامہ قدیم وجدید کی تعلیمات سے جوہری اور کلی طور پر مختلف ہے۔ نیز وہ اس نظریے کے بھی بالکل برعکس ہے جو موجودہ سائنس نے تخلیق آدم کے نظریہ ارتقاء (Evolution Theory) کے ذریعے واضح کیا ہے، قرآنی بیانیے کے مطابق سب سے پہلے انسان (آدمؑ) کی تخلیق براہِ راست مٹی کے گارے سے ہوئی تھی۔ جو متعدد مقامات پر قرآن کریم میں واضح کیا گیا ہے (سورۂ البقرہ، ۲:۳۰ تا ۳۹، النساء، ۴:۱، الاعراف، ۷:۱۰، الحجر، ۱۵:۲۶، السجدہ، ۳۲:۶)۔ آیئے اب ہم اس کا ترتیب کے ساتھ مطالعہ کریں:

(الف) قرآن کریم نے سورہ البقرہ (۲:۳۰تا۳۹) میں تخلیق آدم کا یوں ذکر کیا:

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْۤا اَتَجْعَلُ فِیْهَا
مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ ؕ

قَالَ اِنِّيْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝٣٠ وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى
الْمَلٰٓىِٕكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝٣١ قَالُوْا
سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝٣٢ قَالَ يٰۤاٰدَمُ
اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۚ فَلَمَّاۤ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْۤ
اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۙ وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝٣٣ وَ
اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَ اسْتَكْبَرَ ۫ وَ كَانَ
مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝٣٤ وَ قُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَ كُلَا مِنْهَا رَغَدًا
حَيْثُ شِئْتُمَا ۪ وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝٣٥ فَاَزَلَّهُمَا
الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۪ وَ قُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ
عَدُوٌّ ۚ وَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝٣٦ فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ
كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝٣٧ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ
فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ
يَحْزَنُوْنَ ۝٣٨ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا
خٰلِدُوْنَ ۝٣٩

''پھر ذرا اس وقت کا تصور کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں ــــــ'' انہوں نے عرض کیا: ''کیا آپ زمین میں کسی ایسے کو مقرر کرنے والے ہیں جو اس کے انتظام کو بگاڑ دے گا اور خونریزیاں کرے گا؟ آپ کی حمد وثنا کے ساتھ تسبیح اور آپ کے لیے تقدیس تو ہم کر ہی رہے ہیں۔'' فرمایا: ''میں جانتا ہوں جو کچھ تم نہیں جانتے۔'' اس کے بعد اللہ نے آدم کو ساری چیزوں کے نام سکھائے، پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا: ''اگر تمہارا خیال صحیح ہے (کہ کسی خلیفہ کے تقرر سے انتظام بگڑ جائے گا) تو ذرا ان چیزوں کے نام بتاؤ'' انہوں نے

عرض کیا: ''نقص سے پاک تو آپ ہی کی ذات ہے، ہم تو بس اتنا ہی علم رکھتے ہیں جتنا آپ نے ہم کو دے دیا ہے۔ حقیقت میں سب کچھ جاننے اور سمجھنے والا آپ کے سوا کوئی نہیں۔'' پھر اللہ نے آدم سے کہا: ''تم انہیں ان چیزوں کے نام بتاؤ۔'' جب اس نے ان کو ان سب کے نام بتا دیئے تو اللہ نے فرمایا: ''میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی وہ ساری حقیقتیں جانتا ہوں جو تم سے مخفی ہیں، جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو، وہ بھی مجھے معلوم ہے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو، اسے بھی میں جانتا ہوں۔'' پھر جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے جھک جاؤ تو سب جھک گئے مگر ابلیس نے انکار کیا وہ اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں پڑ گیا اور نافرمانوں میں شامل ہو گیا پھر ہم نے آدم سے کہا کہ: ''تم اور تمہاری بیوی، دونوں جنت میں رہو اور یہاں بفراغت جو چاہو کھاؤ مگر اس درخت کا رخ نہ کرنا ورنہ ظالموں میں شمار ہو جاؤ گے۔''

''آخر کار شیطان نے ان دونوں کو اس درخت کی ترغیب دے کر ہمارے حکم کی پیروی سے ہٹا دیا اور انہیں اس حالت سے نکلوا کر چھوڑا جس میں وہ تھے۔ ہم نے حکم دیا کہ: ''اب تم سب یہاں سے اتر جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہیں ایک خاص وقت تک زمین میں ٹھہرنا اور وہیں گزر بسر کرنا ہے۔'' اس وقت آدم نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ کر توبہ کی، جس کو اس کے رب نے قبول کر لیا۔ کیونکہ وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔''

ہم نے کہا کہ: ''تم سب یہاں سے اتر جاؤ۔ پھر جو میری طرف سے کوئی ہدایت تمہارے پاس پہنچے تو جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے، ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہ ہوگا، اور جو اس کو قبول کرنے سے انکار کریں گے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے وہ آگ میں جانے والے لوگ

ہیں، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔''

تخلیق آدم کی آیات کے ترجمہ کا تقابلی مطالعہ عہد نامہ قدیم وجدید کی عبارات (ضمیمہ س) سے کرنے پر پتہ چلتا ہے کہ یہ قرآنی تعلیمات کس قدر مختلف صورت کی عکاسی کر رہی ہیں جو تورات اور بائبل میں درج ہے۔ یہاں مستشرقین اور بعد ازاں ان کے شاگردانِ رشید (مساوات مرد و زن کے حامی حضرات و خواتین) نے نہایت چالاکی اور عیاری کے ساتھ تورات اور بائبل کے (خودساختہ نظریات) کو قرآن کے ساتھ نتھی کر دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان تعلیمات کو قرآن کریم کی تعلیمات سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اس لیے بائبل کی تعلیمات کسی طور بھی قرآنی تعلیمات کا بدل نہیں ہوسکتیں کہ قرآنی تعلیمات نے طبقہ نسواں کو ان تمام خامیوں، غلطیوں اور ''گناہوں'' سے مبرا کر کے عزت و احترام کے مقام سے روشناس کرایا ہے جس کی وضاحت باب سوئم کے مندرجات سے بھی ہوتی ہے۔

یہاں اس **امر کی دوبارہ وضاحت ضروری ہے کہ موجودہ دنیا میں عہد نامہ قدیم وجدید کی خودساختہ عبارات وہ واحد ذریعہ ہیں جن کے تحت طبقہ نسواں کو کم تر اور ذلت و نکبت کا ذمہ دار ٹھہرا کر ان کی تذلیل کی گئی ہے۔ یہ ایک ایسا اہم نکتہ ہے جس کو اچھی طرح سمجھ لینے سے ان تمام تر اعتراضات اور شکوک و شبہات کی قلعی کھل جاتی ہے جو طبقہ اناث کو کم تر ثابت کرنے کے لیے یہودیت اور عیسائیت کے مذہبی راہ نماؤں نے**، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو مسخ کرنے کے لئے کی تھیں۔ اس جگہ ہم ان تمام صحیح الفکر یہودی اور عیسائی عوام سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس پہلو سے اپنی کتب کا مطالعہ کریں بغیر کسی ذہنی تحفظ اور مذہبی تعصب کے جو ان سب نے ماضی بعید کے عیسائی / یہودی مذہبی راہ نماؤں کے غلط نظریات و خیالات کے تحت حاصل کی ہیں۔ قرآنی تعلیمات کی رو سے:

۱۔ آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا گیا اور بعد ازاں حضرت حوا کی تخلیق ہوئی۔

۲۔ آدمؑ (بشمول حواؑ) کو دنیا میں اپنا نائب (خلیفہ) بنا کر بھیجا گیا۔

۳۔ آدمؑ کو علم اشیاء کا علم دیا گیا جس سے انہیں فرشتوں پر ایک فوقیت حاصل ہوئی۔

۴۔ تمام فرشتوں نے آدمؑ کو سجدہ کیا سوائے ابلیس (شیطان) کے جس نے بغاوت کی۔

۵۔ آدم و حوا کو باغ عدن میں رکھنا دراصل ان کی آزمائش کے طور پر تھا ان کے رجحانات اور میلان طبع کا اندازہ کرنے کے لیے قبل اس کے کہ انہیں زمین پر بطور خلیفہ/نائب بھیجا جاتا۔

۶۔ انہیں ہدایت کی گئی تھی کہ باغ عدن میں ایک درخت کے قریب نہ جائیں اور اس سے کسی قسم کا کوئی تعرض نہ کریں چونکہ اس درخت میں از خود کوئی خطرے کی بات نہ تھی، اس لیے قرآن کریم میں اس کا نام بتانے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔

۷۔ شیطان نے ان **دونوں** کو اس درخت کے بارے میں ورغلایا کہ وہ حکم ربانی کے خلاف ورزی کے مرتکب ہوئے اور یوں وہ **دونوں** اس حالت امن وسکون سے نکال دیئے گئے جس حالت میں وہ زندگی بسر کر رہے تھے۔

۸۔ آدم اور حوا **دونوں** اللہ تعالیٰ سے معافی کے خواستگار ہوئے جسے اللہ نے قبول کر لیا تاہم (پہلے سے طے شدہ فیصلے کے مطابق) انہیں زمین پر (خلافت) کے لیے بھیج دیا گیا۔

۹۔ اللہ تعالیٰ نے ہر سہ (آدم، حوا اور شیطان) کو حکم دیا کہ وہ باغ عدن سے باہر نکل جائیں کہ وہ ایک دوسرے کے دشمن بن گئے ہیں۔ اور آدم و حوا کو زمین پر ایک خاص مدت تک رہنا ہے۔

۱۰۔ قرآن کریم نے حضرت حوا پر آدمؑ کو ورغلانے اور گناہ اولین کی مرتکب ہونے کے الزام کی تردید کی ہے ـــــ درج بالا آیات سے پتہ چلتا ہے کہ آدم (بشمول حواؑ) کو نہ صرف حکم خداوندی کی خلاف ورزی کے الزام سے بری الذمہ قرار دیا بلکہ ان کی مستقبل کی اولاد کو بھی اس گناہ کے مضمرات سے بری الذمہ کر دیا پس اولاد آدم کو اس الزام سے بری الذمہ ٹھہرانے کے لئے اللہ تعالیٰ کو ''اپنے اکلوتے بیٹے'' کو قربان

کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ (سید مودودی:۱۹۹۹ء الف)

(ب) سورۃ النساء (۴:۱) میں قرآن کریم نے مزید وضاحت کی:

''الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّ نِسَآءً ''

''جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیئے۔''

ان آیاتِ قرآنی کی ترجمانی و تشریح میں سید مودودیؒ (۱۹۹۹ء، الف) نے حاشیہ نمبر ا میں یوں لکھا:

''تم کو ایک جان سے پیدا کیا'' یعنی نوع انسانی کی تخلیق ابتداً ایک فرد سے کی۔ دوسری جگہ قرآن خود اس کی تشریح کرتا ہے وہ پہلا انسان آدم تھا جس سے دنیا میں نسل انسانی چلی۔''

''اُس جان سے اس کا جوڑا بنایا'' اس کی تفصیلی کیفیت ہمارے علم میں نہیں ہے۔ عام طور پر جو بات اہل تفسیر بیان کرتے ہیں اور جو بائبل میں بھی بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ آدم کی پسلی سے حواؑ کو پیدا کیا گیا۔ (تلمود میں اور زیادہ تفصیل کے ساتھ یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت حوا کو حضرت آدمؑ کی دائیں جانب کی تیرھویں پسلی سے پیدا کیا گیا تھا) لیکن کتاب اللہ اس بارے میں خاموش ہے اور جو حدیث اس کی تائید میں پیش کی جاتی ہے اس کا مفہوم وہ نہیں جو لوگوں نے سمجھا ہے۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ بات کو اسی طرح مجمل رہنے دیا جائے جس طرح اللہ نے اسے مجمل رکھا ہے اور اس کی تفصیلی کیفیت متعین کرنے میں وقت نہ ضائع کیا جائے۔''

(ج) سورۃ الاعراف کی آیات (۱۹ تا ۲۳) میں قرآن کریم نے مزید فرمایا:

وَ یٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَیْثُ شِئْتُمَا وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ

الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٩﴾ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا
مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ
اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿٢٠﴾ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا
لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿٢١﴾ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا
سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۭ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ
اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ
مُّبِيْنٌ ﴿٢٢﴾ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ
مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٢٣﴾

''اور اے آدم تو اور تیری بیوی، دونوں اس جنت میں رہو، جہاں جس چیز کو تمہارا جی چاہے کھاؤ مگر اس درخت کے پاس نہ پھٹکنا ورنہ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔۔۔'' پھر شیطان نے ان کو بہکایا تا کہ ان کی شرمگاہیں جو ایک دوسرے سے چھپائی گئی تھیں ان کے سامنے کھول دے۔ اس نے ان سے کہا: ''تمہارے رب نے تمہیں جو اس درخت سے روکا ہے اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ، یا تمہیں ہمیشگی کی زندگی حاصل نہ ہو جائے، اور اس نے قسم کھا کر ان سے کہا کہ میں تمہارا سچا خیر خواہ ہوں۔ اس طرح دھوکہ دے کر وہ ان دونوں کو رفتہ رفتہ اپنے ڈھب پر لے آیا۔ آخر کار جب انہوں نے اس درخت کا مزہ چکھا تو ان کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے اور وہ اپنے جسم کو جنت کے پتوں سے ڈھانپنے لگے۔ تب ان کے رب نے انہیں پکارا: ''کیا میں نے تمہیں اس درخت سے نہ روکا تھا اور نہ کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے؟'' دونوں بول اٹھے: ''اے رب ہم نے اپنے اوپر ستم کیا، اب اگر تو نے ہم سے درگزر نہ فرمایا اور رحم نہ کیا تو یقیناً ہم تباہ ہو جائیں گے۔''

قرآن کریم کی آیات سورہ البقرہ (۲:۳۰ تا ۳۹) میں جو ہدایت دی گئی ہے، اس کے علاوہ سورۂ الاعراف کی ان آیات سے مزید دو بہت اہم نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں۔

اولاً: یہ کہ انسانوں میں شرم و حیا کا تصور فطری اور جبلی طور پر ودیعت کیا گیا ہے۔ انسانی سرشت میں جبلت جنسی ایک ایسی طاقتور جبلت ہے جو انسان کی سب سے زیادہ کمزوری بھی ہے جسے شیطان ورغلانے کے لیے اکثر و بیشتر استعمال کرتا ہے کہ وہ ان کے جسمانی اعضاء جو چھپائے گئے ہیں ان کو نمایاں (عریاں) کرنے کے ذریعے انسانی زندگی میں اباحیت کو فروغ دینے کے لیے ہمیشہ کوشاں رہتا ہے۔

ثانیاً: قرآن کریم میں عام طور پر پائے جانے والے اس شیطانی خیال کی بھی تردید کی گئی ہے کہ عورت (حوّاؑ) نے آدمؑ کو ورغلایا اور یوں انہیں گناہ کرنے پر مجبور کیا۔ قرآنی بیانیے کے مطابق **دونوں** کو شیطان نے بہکایا اور وہ **دونوں** شیطان کے خیالات سے دھوکہ کھا گئے۔

اب بائبل کی تعلیمات اور قرآنی تعلیمات کے تقابلی مطالعے سے ان متعدد مضمرات کا پتہ چلتا ہے جو عہد نامہ قدیم و جدید کی تعلیمات کے زیر اثر دنیا میں عورت کو کم تر ثابت کرنے کے لیے پائے جاتے ہیں۔ درج ذیل عبارت کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ یہودیت میں عورت کے مرتبہ و مقام کے بارے میں، بنی اسرائیل کی تاریخ کے مختلف ادوار میں ایک جیسے نہیں رہے۔ تاہم عہد نامہ قدیم کی تعلیمات بعد میں آنے والے واقعات (عورت کے مقام و مرتبہ) پر ضرور اثر انداز ہوئے۔

عارفہ فرید (۲۰۰۶ء) نے Leonard Swidler (۱۹۷۶) کے حوالے سے یہ بتایا کہ George Tauard نے اس بات کا انکشاف کیا ہے کہ بائبل میں تخلیق آدم اور ان کی تنزلی (جنت سے نکالا جانا اور زمین پر بھیجنا بطور سزا) کے حوالے سے عورت کے بارے میں دو روایات پائی جاتی ہیں۔ عورت کی پہلی حالت وہ ہے جو تنزلی سے قبل یعنی (Pre-Lapsarian) جب وہ جنت میں رہتی تھی۔ اس حالت میں وہ آدم کے مساوی

تھی۔ اگرچہ تمام تر انسانی وجود کے برابر نہیں۔ تاہم دوسری حالت جب وہ جنت سے نکالے گئے (Post Lapsarian) آدم کو بہکانے کے جرم میں (دونوں کو سزا کے طور پر نکالا گیا)۔ Swidler Leonard (۱۹۷۶) نے مزید وضاحت کی کہ (یہودی اور بعد ازاں عیسائیت میں) ''یہ صرف دوسری حالت (تنزلی اور سزا) کی ہے جو اپنے مضمرات سمیت اب تک قائم رہیں اور سزا کے پہلے کی حالت (Pre-Lapsarian) یعنی آدم کے ساتھ مساوات/ برابری کی حالت معدوم ہوگئی۔ یہاں اس امر کی صراحت بھی ضروری ہے کہ یہ دوسری حالت وہ ہے جس میں عورت کو (آدم کو بہکانے کے اپنے گناہ کے سبب ''دھوکے باز'' (Temptress)، ''آمادۂ گناہ کرنے والی (Seducer) '' اور ''تمام برائیوں کا منبع ومصدر (Cause of Evil) '' کے مختلف برے الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے۔ مزید براں یہ بھی کہا گیا کہ عورت اپنے دور معصومیت (اولین دور) میں قدرت کا شاہکار تھی تاہم جب عملاً اس کی جنسی جبلت نے اس پر غلبہ حاصل کرلیا تو اس نے اپنے خاوند (آدم) کو بھی مسحور کرلیا اور یوں وہ حمل کی تکالیف کا نشانہ بنی۔ عورت کی یہ حالت اس قدر تنزلی اور برائی کا سبب بنی کہ (Ecclesiastes) (9:26) میں یہ ہے کہ ''میں نے عورت کو موت سے بھی زیادہ برا پایا ہے۔ اس کا وجود ایک دھوکہ ہے، اس کا دل ایک جال ہے، اور اس کے ہاتھ ایک زنجیر کی مانند ہیں۔'' مزید براں یہ واضح کیا گیا کہ ''وہ شخص جو خداوند کو خوش کرنا چاہتا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس سے اجتناب کرے لیکن ایسا کرنے والا گناہوں کی دلدل میں دھنس جاتا ہے۔''

یہودی مذہب کے رسم ورواج اور روایات میں عورت کو مختلف ایسی مذہبی عبادات اور دعائیں کرنے کی بھی ممانعت ہے جو وہ روزانہ صبح کے وقت تلاوت کرتے ہیں۔ مثلاً

''اے بنی اسرائیل، خداوند ہمارا خدا ہے اور وہ واحد ہے۔'' اسی طرح ایک یہودی مرد، خداوند کا شکر گزار ہوتا ہے کہ ''اس نے اسے ایک عورت نہیں بنایا۔'' اور ایک یہودی عورت خداوند کا شکر ادا کرتی ہے کہ اس نے اسے اپنی

مرضی کے مطابق بنایا۔'' (یعنی وہ اپنی اس کم تر حالت پر مطمئن ہے)

درج بالا تصریحات کے نتیجے میں اپنی کم تر حالت (جو غلط مذہبی روایات کی بناء پر ان سے منسوب کی گئی) اور جس کے نتیجے میں مغربی عورت ان نامساعد حالاتِ زندگی سے دوچار ہوئی تو اس کی وجہ سے ان کے ذہن میں ایسی غلط مذہبی رسم و رواج اور عقائد کے خلاف ایک ردعمل پیدا ہوا۔ مساواتِ مرد و زن کی ایک بہت بڑی فرانسیسی خاتون سائمن ڈی بوائر (Simon de Beauvoir 1954) نے احتجاجاً کہا کہ ''یہ تمام عبادات / دعائیں، طبقہ نسواں کی تحقیر کرتی ہیں۔'' انہوں نے یہودیوں کے ان اور دیگر بہت سے رسم و رواج / عبادات کے طریقوں کے بارے میں کہا کہ: ''یہ تمام مردانہ برتری کی عکاس ہیں جو عورت کی تحقیر کی ذمہ دار ہیں۔ مذہبی لیڈروں یعنی مردوں نے ہمیشہ عورت کو اپنا نشانہ ستم بنایا ہے بطور (Woman as object) اور مرد نے اپنے آپ کو ایک زندہ حقیقت کے طور پر یعنی (Truly Existent Subject) تسلیم کرایا ہے۔''

اسی طرح ایک دوسری دانشور خاتون الیر برکوٹس (Elier Berkovits 1990) رقم طراز ہیں کہ بقول شحناہ (Mishnah) **''اگر مرد اور عورت دونوں کسی خطرے میں مبتلا ہوں، تو سب سے پہلے آدمی کو بچانا چاہیے۔ تمام دیگر امور میں بھی مرد کو عورتوں پر ترجیح حاصل ہے۔ ایک خاوند اپنی بیوی کو طلاق دینے کا مجاز ہے جب بھی وہ چاہے لیکن ایک عورت مرد کی اجازت کے بغیر ایسا کرنے کی مجاز نہیں۔''**

اس ضمن میں یہودی روایات کے تحت سیلی پریسینڈ (Sally Priesand 1975) نامی ایک خاتون یوں رقم طراز ہیں کہ ''یہودی عورتوں کو ہزاروں سالوں سے باور کرایا گیا ہے کہ للتھ (Lilith) (ضمیمہ س) جیسے کردار کی حامل بننے کا خواب نہ دیکھا کریں۔ ایک (یہودی) عورت کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ Lilith جیسے کردار و خصائل از قسم آزادئ رائے، جارحانہ طرز عمل، اپنی ذات کو منوانا (Assertion) اور قوت و طاقت کے مظاہرے کی پیروی کریں۔ یہ بہتر ہے کہ وہ جنت میں حوا کی طرح اپنے خاوند کی تابع فرمان

رہیں جس طرح عورتوں نے اپنی تمام تر خواہشات کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے خاوندوں کی خواہشات اور مرضی کے تحت زندگی گزارنے کا طریقہ اختیار کیا تھا۔ جس طرح مرد بطور مذہبی لیڈروں، ربی (Rabbis) اہل علم اور دیگر تمام تر اختیارات کے حامل ہوتے ہیں، عورتوں کو چاہیے کہ وہ تابع فرماں ہو کر نہایت سادہ اور غیر مرئی (Unassuming) حیثیت اختیار کریں۔ نوجوان لڑکیوں کو چاہیے کہ وہ وفا شعار بیویاں اور مائیں بن کر رہیں۔ **تاہم کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ہم للتھ (Lilith) جیسے کردار کو اپنے لیے ایک قابل تقلید کردار کی حیثیت سے اختیار کریں اور اپنی لڑکیوں کو بہادر اور حوصلہ مند بنائیں؟''** واضح رہے کہ اس خاتون نے یوں اپنی برتر ہونے کی خواہش کا اظہار کیا۔۔۔۔۔ یہاں اس امر کا اظہار باعثِ دلچسپی ہوگا کہ ربی سیلی (Rabbi Sally) ایک مذہبی ذہن رکھنے والی خاتون ہے اور جس نے یہودی مذہب میں بطور ایک مذہبی راہ نما (Rabbi) کا مقام حاصل کرنے کے لیے مختلف تکالیف، پریشانیوں اور مسائل کا سامنا کیا۔ **ان تمام مسائل اور پریشانیوں کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانے میں کسی عورت کے لیے مذہبی راہ نمائی کا منصب حاصل کرنا ایک بہت ہی ''غیر معمولی عمل'' سمجھا جاتا تھا۔ تاہم یہودیت کے ابتدائی دنوں میں تو عورت کے لیے یہ ناممکن سمجھا جاتا تھا!◆**

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ مرد و زن کی مساوات کے قائلین نے لفظ ''آدم'' سے مراد ''مرد'' سمجھا ہے۔ یہ امر یہودیت اور عیسائیت کی مذہبی روایات کی حد تک تو شاید مناسب ہوتا تاہم قرآن کریم میں لفظ ''آدم'' کا اطلاق، ہر دو اصنافِ انسان (مرد اور عورت) کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں لفظ ''آدم'' کا استعمال ہمیشہ انسانوں کی پیدائش کے لیے مستعمل ہے اور یہ کسی جنس (Gender) کے اظہار کے لیے ضروری

◆ شاید یہی وجہ ہے کہ ایسی خواتین نے یہ اعتراض کیا ہے کہ کیا اسلام میں کسی عورت کے اجتہاد/ فتاویٰ کو کبھی پذیرائی حاصل رہی ہے؟

نہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ تمام دیگر الفاظ جو اردو/عربی کے تراجم وتفاسیر میں استعمال ہوتے ہیں، ان کا مقصود بھی انسان بطور عورت اور مرد ہی سمجھا جاتا ہے تاہم اگر اس لفظ ''آدم'' کو ''مرد'' کے معنوں ہی کے ساتھ نتھی کر دیا جائے جیسا کہ مردوزن کی مساوات کے قائلین کا خیال ہے، تو پھر کیا یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ تبارک تعالیٰ کو مناسب الفاظ کا چناؤ نہیں کرنا آتا جس سے وہ انسان (بلا استثناء مردوزن) کا اظہار کر سکیں اور اس وجہ سے اللہ کریم نے ایسے ذومعنی لفظ کو اختیار کیا جس میں اصناف کی تخصیص کا پہلو پایا جاتا ہے؟

تخلیق آدم کے اس قصے کے ایک تقابلی جائزے کے بعد جو یہودی اور عیسائی مذہبی راہ نماؤں نے بیان کیے ہیں کہ ان تعلیمات اور قرآنی تعلیمات میں کسی حد تک چند ایسے پہلو بھی ہیں جن میں ایک گونہ مطابقت پائی جاتی ہے مثلاً جنت میں آدم وحوا کا رہنا اور ایک درخت کے پھل نہ کھانے کی ہدایت وغیرہ تاہم متعدد معاملات کے بارے میں قرآنی تعلیمات کا یہ ایک بہت ہی انوکھا اور نرالا طریق کار اس قدر واضح ہے کہ مساوات مردوزن کے حامی لوگوں کے اعتراضات اور شبہات کو کسی قسم کی بھی پذیرائی دی جا سکے۔ ذیل میں ہم اب چند دیگر اعتراضات کا جائزہ لیں گے۔

عورت کی کم تر حیثیت:

Arifa Farid 2006 نے اپنی کتاب میں اس بارے میں جو کچھ لکھا ہے، بہتر ہے کہ ہم سب سے پہلے ان خیالات کا مطالعہ کریں۔ ان کے بقول: ''روایتی طور پر دنیا کے قریباً تمام مذاہب اور مختلف ممالک/علاقوں میں طبقہ نسواں کو ایک کم تر حیثیت دی گئی ہے۔ حتیٰ کہ بعض اوقات مذہبی کتب (Scriptures) میں بھی عورت ذات کو کم تر اور کمزور بتایا گیا ہے اور بعض اوقات انہیں روحانی طور پر بھی ناقص قرار دیا گیا ہے۔ مزید چند دیگر مقامات پر **عہد نامہ قدیم اور جدید میں طبقہ اناث کی تعبیر وتشریح اس طرح کی گئی ہے کہ جس میں مردوں کو عورتوں پر فوقیت اور برتری حاصل ہے۔ عورتوں کو ان کے ماتحت گردانا گیا ہے۔** عورت کو مختلف مذاہب میں، اگر اولین حیثیت میں نہیں تو کم از

کم، ثانوی انداز میں، دنیا میں برائی پھیلانے کا اہم ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ **اسے یہودیت اور عیسائیت میں آدم کی تنزلی (جنت سے نکالنے) کا سبب گردانا گیا۔** ان ہر دو مذاہب نے اسے گناہوں کی جانب بہلانے پھسلانے والی (Temptress) اور برائی کی جانب راغب کرنے والی قرار دیا۔ اس طرح ہندوازم، جین ازم اور بدھ مت میں بھی اسے اسی قسم کے الزامات سے متہم کیا گیا ہے۔ ہندوازم کے تحت، اگر وہ اپنے خاوند کے تابع اور فرمانبردار نہیں تو یوں آسمانی بلاؤں اور مصائب کو دعوت دینے والی بن جاتی ہے۔ **اگرچہ قرآن نے اسے تنزلِ آدم کا ذمہ دار قرار نہیں دیا کہ قرآنی لحاظ سے آدم کو کوئی سزا (تنزلی کی) نہیں دی گئی تھی۔** اس طرح عورت کو غلط طور پر بہلانے پھسلانے والی اور گناہ کی جانب راغب کرنے والی نہیں کہا گیا تاہم **قرآن میں ایسی آیات بھی ملتی ہیں جن کی زمانہ قدیم سے ایسی تشریح و تعبیر کی جاتی رہی ہے جس سے اسے مرد کے ماتحت (Subordinate) قرار دیا گیا ہے۔** اگرچہ اس طرح کی آیات کی تردید چند دوسری آیات میں عورت کو مرد کے برابر/ یکساں قرار دیا گیا ہے تاہم بہت سے علماء نے عورت کو مرد کے تحت رکھنے کا جواز مساوات کامل والی آیات کو نظرانداز کرتے ہوئے پیدا کرنے کی کوشش کی ہے یا ان کی بہت پیچیدہ اور دور از کار تشریح (Tendentious) کے ذریعے معاملے کو بہت حد تک مبہم بنا دیا ہے۔''

درج بالا تمام تر تحریر سے ہم یہ اخذ کر سکتے ہیں کہ:

O___ طبقۂ نسواں کو تمام الہامی مذاہب میں کم تر سمجھا گیا ہے (شاید بشمول اسلام کے کہ وہ بھی ''تمام مذاہب'' میں شامل کیا گیا ہے)۔

O___ دنیا میں فتنہ و فساد کے پھیلانے کا سب سے بڑا سبب بھی عورت کو گردانا گیا ہے۔

O___ یہودیت اور عیسایت میں وہ آدم کو جنت کے آرام دہ ماحول سے نکلوانے کی ذمہ دار ہے۔ یہ دونوں مذاہب بشمول ہندوازم، جین ازم اور بدھ مت بھی عورت کو برائی پھیلانے اور ورغلانے کا ذمہ دار گردانتے ہیں۔

O___ یہود و نصاریٰ کی کتب (تورات، بائبل) کی تعبیر و تشریح اس انداز میں کی گئی ہے کہ عورت کو ذلت اور پسماندگی کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے۔

ہمیں اس امر سے خوشی اور اطمینان نصیب ہوا ہے کہ انہوں نے ایک مسلمان خاتون کی حیثیت سے اس امر کا برملا اظہار کیا ہے کہ **قرآن کریم نے عورت کو آدمؑ کی تنزلی کا سبب نہیں گردانا** کیونکہ زمین پر ان کا بھیجا جانا تنزل/سزا کے زمرے میں نہیں آتا اور نہ ہی حوّا کے لیے بہلانے رپھسلانے کا الزام ہے جیسا کہ عیسائیت اور یہودیت کی کتب سے پتہ چلتا ہے۔ ہم نے بھی سورۂ البقرہ میں، اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس منصوبے کا ذکر کیا ہے جس کے تحت آدم اور حوا (دونوں کو) خلافتِ ارضی کے منصب پر فائز کرنا تھا۔ پس یہ کسی صورت میں بھی آدم و حوا کے لیے سزا یا تنزلی نہ تھی جب انہیں جنت سے زمین پر بھیجنے کا حکم صادر ہوا تھا۔

نیز سورۂ البقرہ اور سورۂ الاعراف میں بھی ہم مطالعہ کر چکے ہیں کہ قرآن کریم نے عیسائیت کے عرف عام کے اس تصور کی تردید کی ہے کہ شیطان نے سب سے پہلے عورت (حوا) کو ورغلایا اور پھر انہیں آدم کو بہکانے کے لیے استعمال کیا۔ قرآنی آیات کے ترجمہ سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ: **دونوں** کو شیطان نے ورغلایا تھا اور جب ان **دونوں** نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں توبہ کی تو ان **دونوں** کو معاف کر دیا گیا تھا۔

یہاں ہم ایک ایسی غلط فہمی کا ازالہ کرنا چاہتے ہیں جو حوا کی تخلیق کے بارے میں، حضرت آدم کی پسلی سے کسی حدیث میں وارد ہوئی ہے۔ رفعت حسن (۱۹۹۹) نے اس بنیاد پر عورت کے بارے میں (ایک غیر ضروری) بحث چھیڑ دی ہے کہ عورت برائے آدمی (For The Man) یا عورت مرد کی وجہ (From The Man)۔ ان سوالات کی رو سے انہوں نے عورت کے لیے ایک کم تر درجے کا فلسفہ ''کشید'' کیا ہے کہ کیا عورت مرد کے لیے (زیر اثر) ہے یا ''مرد کی وجہ سے ہے'' یعنی عورت کی پیدائش مرد کی مرہونِ منت ہے۔ ہم نے سورۂ النساء (۴:۱) کی آیت کے ترجمہ و تشریح میں واضح کیا ہے کہ اہل علم نے س تصور کی

قرآنی تعلیمات ہونے کی تردید کی ہے۔ (سید مودودیؒ ۱۹۹۹ء، الف)۔ سید مودودیؒ نے مزید واضح کیا کہ ''رسولؐ خدا کی وہ حدیث جو اس موقف کی تائید میں پیش کی جاتی ہے کا بالکل مختلف معنی و مدعا ہے۔ جو کہ بالعموم سمجھا جاتا ہے۔'' اس وضاحت کے بعد رفعت حسن اور دیگر ہم ذہن لوگوں کی تسلی ہو جانی چاہیے تاہم شاید ایسا نہیں ہو سکا!

گزشتہ صفحات میں مختلف آیاتِ قرآنی کے مطالعے سے ہمیں اس امر پر کسی قسم کا کوئی اشتباہ نہیں کہ دیگر مذاہب (یہودیت اور عیسائیت یا دیگر) میں عورت کو حقیر سمجھا گیا ہے۔ ان تمام تر دلائل کی موجودگی میں ہم اپنی اس حیرت کا اظہار کرنے میں حق بجانب ہیں کہ بقول عارفہ فرید (۲۰۰۶ء) ''تاہم قرآن میں ہمیں ایسی چند آیات بھی ملتی ہیں جن کی روایتی طور پر تعبیر اس طرح کی گئی ہے کہ عورتیں، مردوں کے تابع ہیں۔ اگرچہ اس قسم کی آیات کی تردید/ مخالفت چند دوسری آیات میں بھی کر دی گئی ہے جن میں عورت اور مرد کو مساوی اور برابر قرار دیا گیا ہے **تاہم بہت سے علماء نے عورت کو مرد کے تحت قرار دینے میں ان آیاتِ قرآنی کو نظرانداز کر دیا ہے اور انہیں ذو معنی کر دیا ہے۔''**

یہاں اگرچہ انہوں نے ان آیات کا حوالہ نہیں دیا جن کے تحت طبقہ نسواں کو مردوں کے زیر اثر قرار دیا گیا ہے اور مزید ان آیات کا بھی حوالہ نہیں دیا گیا جن کے تحت درج بالا مفہوم کی تردید کی گئی ہے اور مساواتِ مرد و زن کو واضح کیا گیا ہے لیکن اپنی کتاب کے باب ششم میں انہوں نے اپنے اس اعتراض اور موقف کی خود ہی تردید کر دی ہے جب انہوں نے سورۃ الشوریٰ (۴۲:۱۱) کے بارے میں یوں لکھا کہ: **''درج بالا آیت کے مضمرات، ہماری نظر/ رائے میں، یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام ذی روح اجسام/ مخلوقات کو زوجین (جوڑوں) یعنی نر اور مادہ کی شکل میں پیدا کیا جس میں کسی کو دوسرے پر کسی قسم کی کوئی فوقیت حاصل نہیں۔''**

اسی طرح، محترمہ نے متعدد آیاتِ قرآنی (الاحزاب، ۳۳:۳۵، سورۃ القصص، ۲۸:۷) کے حوالے اس موضوع کو یوں سمیٹا کہ **''ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن میں**

کسی جگہ بھی طبقہ نسواں کی تحقیر و تذلیل کا پہلو نہیں پایا جاتا۔ اسے صنفِ مخالف (مرد) کی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ وہ اللہ کی راہ نمائی رسول خدا کے اتباع کے ذریعے حاصل کریں۔ تاہم جہاں کہیں بھی اللہ تعالیٰ نے مناسب جانا کہ صنفِ نازک کو اپنے فرشتے کی وساطت سے یا براہِ راست القاء کے ذریعے، اللہ تعالیٰ ایسا کرتے ہیں۔"

اس ضمن میں اپنے موقف کی تائید میں انہوں نے متعدد احادیث کا حوالہ بھی دیا۔ مثلاً حج اور عمرہ، نیز مساجد میں عورتوں کا نماز ادا کرنا اور عیدین کے موقعہ پر خواتین کا نماز میں شریک ہونے کے حوالے سے انہوں نے لکھا کہ: **"مساجد میں دورانِ نماز، اگلی اور پچھلی صفوں میں عورتوں کا کھڑا ہونا کوئی اہم مسئلہ نہیں اور لازماً اس سے خواتین کے کم تر ہونے کا قطعاً کوئی تاثر نہیں ملتا خصوصاً ان حالات میں جب ہم یہ جانتے ہیں کہ رسولؐ خدا کی تعلیمات تمام جاہلانہ خیالات، قبیلہ پرستی، طبقات اور رنگ و نسل کے تصورات سے ماوراتھیں، اس لحاظ سے اس دین کی یہ بہت ہی نمایاں خصوصیت (Egalitarian Spirit) ہے کہ صفوں میں (آگے یا پیچھے) کھڑا ہونے کو عزت و وقار کا سبب سمجھا جائے۔"**

تاہم ان تمام تر مثبت خیالات کے باوجود جو اسلام میں طبقہ نسواں کی تحقیر و تذلیل کی تردید میں ان کے قلم سے نکلے ہیں، ہم اپنی کم فہمی کی بناء پر قاصر ہیں کہ ان کے درج ذیل خیالات کی کیا توجیہ کریں جب وہ لکھتی ہیں کہ "مختلف مذاہب میں عورتوں کی تحقیر و تذلیل کا پہلو بہت نمایاں ہے۔ یہود و نصاریٰ کی کتب مذہبی (تورات/ بائبل) سے حوالہ اخذ کر کے، دنیا کے تمام مذاہب نے طبقہ نسواں کو ذلیل اور کم تر گردانا ہے۔ ماضی میں تمام مذاہب نے خواتین کو عوام الناس کی عظیم اکثریت سے الگ کر کے ایک ایسی علیحدہ حیثیت دی جس سے وہ از خود اپنی نظروں میں گر کر رہ گئی۔ **اسلام میں بھی حتمی یا غیر حتمی (Partial) طور پر عورت اور مرد کے اختلاط کو اسی طرح برا سمجھا گیا ہے جس**

طرح دیگر مذاہب نے ماضی میں سمجھا تھا۔‘‘

یہاں شاید وہ موجودہ مسلم معاشروں میں مرد وزن کے علیحدہ رہنے کو اپنی تنقید کا نشانہ بنا رہی ہیں اور شاید اس امر کی بھی خواہاں نظر آتی ہیں کہ مرد وزن باہمی ایک دوسرے کے ساتھ بلا جھجک مغربی ممالک کی طرح رہنا شروع کر دیں۔ ہمارے اس شبہ کو مزید تقویت ان کے اس قول سے بھی ملتی ہے کہ: ’’قدامت پسند علماء کا اب بھی یہ خیال ہے کہ عورت کے لیے کارزار حیات صرف اس کی گھریلو زندگی تک محدود ہے جس میں **وہ خاوند کی خدمت، بچوں کی پرورش ونگہداشت اور اپنی عزت وعصمت کی حفاظت پردے میں رہ کر کرنے کی ذمہ دار ہے نیز اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی وہ گھر کی تنہائی میں کرے نہ کہ وہ مسجد میں جا کر نمازیں ادا کرے اور دنیاوی معاملات از قسم معاشی، سماجی، و دیگر امور میں مردوں کے شانہ بشانہ حصہ لے۔** اس غلط فہمی نے اسلام کی چودہ سو سالہ تعلیمات کو داغدار مسخ کر دیا ہے کیونکہ یہ امر نہ تو قرآن سے ثابت ہے اور نہ ہی اسوۂ رسولؐ میں اس کا سراغ ملتا ہے____ ‘‘ یہ امر باعثِ دلچسپی ہوگا کہ اس قسم کے تمام اعتراضات کا تفصیلاً جائزہ ہم نے اس کتاب کے باب ہفتم ’’مسلم خواتین اور قرآن کی تشریح وتعبیر‘‘ میں لیا ہے۔

درج بالا خیالات کی روشنی میں اب ہم مغرب میں ان چند خواتین کے ان خیالات کا بھی جائزہ لیں گے، جو امریکہ اور یورپ میں عہد نامہ قدیم وجدید (Old and New Testaments) کی تعبیر اور تحریر نو کے بارے میں کی جا رہی ہیں۔ ہماری مسلم خواتین کے خیالات جن کا ذکر ہم نے درج بالا سطور میں کیا ہے کا جب ہم تقابلی مطالعہ کرتے ہیں تو ہم اپنی اس ایماندارانہ رائے کے اظہار میں کسی قسم کی جھجک محسوس نہیں کرتے کہ یہ ان مغربی خواتین کے خیالات کی بازگشت، کے سوا اور کچھ نہیں تاہم جنھیں نہایت ’’حکمت‘‘ کے ساتھ اسلام، پر چسپاں کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ہمیں یقین کامل ہے کہ وہ تمام قارئین جو صحیح اور دیانت دارانہ معلومات کی تلاش میں ہیں، وہ ہماری ان گزارشات سے

ذہنی اطمینان محسوس کریں گے۔

مغربی ممالک میں یہود ونصاریٰ کے مذہبی لٹریچر میں کتر بیونت اور معاشی حالات کی تنگی کی وجہ جس طویل دور سے وہاں طبقہ نسواں کو گزرنا پڑا جس میں مذہبی راہ نماؤں لارڈز (وڈیروں) نیز سرمایہ دار/صنعت کار کے گٹھ جوڑ نے ایک اہم کردار ادا کیا، اس کے نتیجے میں مغربی عورت ایک ردعمل سے دوچار ہوئی اور انہوں نے اس مسخ شدہ مذہبی تعلیمات پر اعتراضات کیے۔ ان متعدد خواتین میں فرانس کی ایک ذہین اور مرد وزن کی مساوات کی اولین علمبردار سائمن ڈی بوائر (Simon De Beauvoir 1954) نے احتجاجاً یہ کہا ''کہ تمام درج بالا دعائیہ کلمات میں عورتوں کی تحقیر کا پہلو پایا جاتا ہے۔'' ان کے بقول ''یہودی مذہب کے یہ اور دیگر متعدد رسم و رواج، دراصل مرد کو عورت پر ترجیح اور برتری دینے کے مترادف ہے۔ مردوں نے ہمیشہ عورتوں کو اپنی اس سوچ کا نشانہ بنایا ہے کہ وہ ان کی نزدیک ایک کھلونا (Object) ہیں اور اپنے آپ کو ایک زندہ حقیقت (Truly Existent Subject) ثابت کیا ہے۔''

اسی طرح کے خیالات کا اظہار ایک اور دوسری علم دوست خاتون کارل میئر (Caroal Meyers) (۱۹۸۸ء) نے کیا کہ ''چونکہ ایسے تمام مرد حضرات کا تعلق کسی نہ کسی مذہبی ادارے سے تھا اور وہ اپنے چرچ اور یہودی عبادت گاہوں کے ترجمان تھے جن کی تعلیم و تربیت بھی مخصوص مذہبی تصورات اور افکار کے تحت ہوئی تھی، اس لیے ان سب نے اپنے اپنے مذہبی عقائد کے تعصب کو جو انہیں ورثے سے ملے تھے، کے تحت ایسی تحریفات کیں جن میں طبقہ نسواں کی تحقیر و تذلیل کا پہلو نمایاں تھا۔ اس خاتون نے یہودی بائبل کے ابواب چہارم اور پنجم کی ایک آزاد ترجمانی کی اور واضح کیا کہ ''چند الفاظ ایسے ہیں جنہیں مردوں کی فوقیت کے لیے استعمال کیا گیا ہے درآنحالیکہ ایسے تمام الفاظ میں تذکیر و تانیث (Gender) کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔''

Arifa Farid 2006 نے ایک مشہور یہودی خاتون عالمہ الیزر برکووٹس Eliezer

Berkovits (۱۹۹۰ء) کی تحریر کا حوالہ بھی دیا ہے کہ بقول ان کے ''یہودی عورتوں کے مقام و مرتبہ کے ارتقائی سفر کی تین منزلیں/ مراحل ہیں جنھیں ہم تورات کے برداشت شدہ (Torah Tolerated)، تورات میں مندرج (Torah Established) اور تورات کی تعلیمات (Torah Taught) سے موسوم کر سکتے ہیں۔'' انہوں نے اپنی تحریر میں ان تین مراحل ارتقاء کی بہت دلچسپ تفصیلات بھی دی ہیں تاہم ان تمام تر درج بالا تحریروں کے علی الرغم، عارفہ فرید نے اس موضوع کو یوں سمیٹا ہے کہ: ''یہودیت اور عبرانی مذہبی کتب (Hebrew Scripture) میں عورتوں کے بارے میں متعدد ایسی عبارات درج ہیں جو ایک دوسرے کی تردید کرتی ہیں اور جن کی روشنی میں باآسانی کہا جا سکتا ہے کہ یہودیت (اور بعض ازاں عیسائیت) میں عورتوں کو کبھی بھی مردوں کے برابر درجہ نہیں دیا گیا اور ہمیشہ ان کے بارے میں تحقیر و تذلیل کا رویہ اور طرزِ عمل اختیار کیا گیا ہے۔''

جیسا کہ ہم نے گزارش کی کہ قرآنی تعلیمات اور عہد نامہ قدیم اور جدید میں (بظاہر چند امور میں) بہت زیادہ اختلاف نظر نہیں آتا تاہم دونوں کی تعلیمات کا بنظرِ غائر جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ انسانی زندگی کے لحاظ سے ہر دو عقائد کے نہایت ہی دوررس مضمرات ہیں۔ یہودیت/ نصرانیت کے عقائد کے نتیجے میں طبقہ نسواں کی اخلاقی، قانونی اور سماجی زندگی میں تحقیر و تذلیل کا پہلو نمایاں ہے جبکہ قرآنی تعلیمات نے طبقہ خواتین کو ایک بہت بلند اور عزت و احترام کے اعلیٰ منصب پر فائز کیا ہے!

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں واضح کیا گیا کہ مغرب اور امریکہ میں طبقہ نسواں کی تذلیل و تحقیر درحقیقت عہد نامہ قدیم و جدید میں تحریف اور کتر بیونت کی وجہ سے ان مسخ شدہ عقائد و روایات کی وجہ سے ہوا جو یہودی ربیوں اور بعد ازاں عیسائی پادریوں خصوصاً سینٹ پال (Saint Paul) نے کیا۔ عالم اسلام میں اس قسم کے حالات و واقعات نہ ہونے کی بناء پر گزشتہ ۱۴۰۰ سالوں میں کسی جگہ سے بھی یہ آواز نہیں اٹھی کہ قرآن کی تعلیمات پر خواتین کے نقطہ نظر سے غور و فکر کیا جائے کہ مسلم عوام اور خواص تمام قرآنی تعلیمات کو اسی طرح ایک

الہامی کتاب مانتے رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کی تھی اور آج تک اس صورت میں موجود ہے۔ تاہم انگریزی استعمار کے زمانے میں جب برصغیر کے نظام تعلیم میں ایک انقلابی تبدیلی رونما ہوئی تو اس کے نتیجے میں بقول سید مودودیؒ (۱۹۹۸ء)، مسلم معاشرے میں ''اینگلو محمڈن'' طبقہ پیدا ہوگیا جس میں محمڈن کا حصہ برائے نام ہی تھا۔ اس طبقے کے لوگوں کو قرآن وحدیث، سیرتؐ اور دیگر اسلامی تعلیمات سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا لیکن وہ مغربی تعلیم وتہذیب سے نہ صرف متاثر تھے بلکہ نقد جاں بھی ہار چکے تھے، انہوں نے مغربی ساز کی دھن پر جھومنا شروع کر دیا (شیخ مصطفی حسن سباعی) اور انہوں نے قرآنی تعلیمات پر ان تمام اعتراضات اور شکوک وشبہات کا اظہار کرنا شروع کر دیا تاکہ اسلامی تعلیمات کو اپنی مرضی ومنشاء اور ذاتی خیالات ورجحانات کے مطابق ڈھال لیں۔

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق!

وطن عزیز کے اس مغرب زدہ طبقے اور مستشرقین اور ماضی قریب کے مغربی اہل علم (مثلاً روبن لیوی ۱۹۶۲ء) کے خیالات، تحریروں کا تقابلی جائزہ اس امر کی جانب واضح طور پر اشارہ کرتا ہے کہ ان لوگوں کے عقائد وخیالات میں ایک گونہ ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ ایسے لوگوں نے نہ صرف ان شکوک وشبہات سے متاثر ہوکر مسلم معاشرے میں بھی انہی خیالات کی ترویج واشاعت کا بیڑہ اٹھا لیا۔ ایسے مرد وخواتین میں فاطمہ مرینسی (۱۹۷۵ء)، Amina Wadood (1999)، اسماء برلاس (۲۰۲۰)، Riffat Hassan (1999)، اور Arifa Farid (2006) چند مشہور نام ہیں۔ ان تمام کے خیالات میں یہ ایک مشترک سوچ ہے کہ ''اسلام کی تاریخ میں علمی، معاشرتی اور مذہبی حلقوں میں مردانہ خیالات کو غلبہ حاصل رہا ہے۔'' اور اسی بنیادی سوچ اور فکر کے تحت اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ علمی اور تحقیقی طور پر کوشش کی جائے کہ قرآنی تعلیمات کی تعبیر وتشریح کے ڈھانچے (Interpretation of Structure of Quranic Knowledge)

کو طبقہ نسواں کے حوالے سے تبدیل کیا جائے۔'' (Arifa Farid 2006)

یہاں ہم اپنی اس رائے کا اظہار کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ عہد نامہ قدیم و جدید کی تحریف شدہ تعلیمات سے کوئی نتیجہ اخذ کرنے اور انہیں قرآنی تعلیمات پر چسپاں کرنے کا عمل کسی طرح بھی فہم و فراست کا عمل نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ آج بھی کوئی ایمان دار اور صحیح الفکر عیسائی اور یہودی اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ عہد نامہ قدیم و جدید کے درجنوں تراجم اور تعبیرات کا تعلق ان الہامی تعلیمات سے ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان انبیائے کرام (حضرت موسیٰؑ اور عیسیٰؑ) پر نازل ہوئی تھیں۔ جبکہ اس کے برعکس، قرآن وہ الہامی کتاب ہے جس کا ایک لفظ بھی معدوم نہیں ہوا اور مکمل قرآن اس صورت میں تمام تر صحت کے ساتھ آج بھی موجود ہے جو آج سے ۱۴۰۰ سال قبل حضورؐ پر نازل ہوا تھا۔ قرآن کے اولین نزول سے لے کر رسولؐ خدا کی زندگی میں حتیٰ کہ آج بھی لاکھوں لوگوں نے اسے زبانی حفظ کیا اور ہمارے پاس اسی حالت میں موجود ہے جس کی تلاوت روزانہ شب و روز مسلم سوسائٹی میں گھروں، مساجد، تعلیمی اداروں میں کی جاتی ہے۔ (محمد حمید اللہ: ۱۹۹۲ء)۔ اس ضمن میں مزید چند دیگر حقائق بھی پیشِ نظر رہنے ضروری ہیں۔

O___ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا خود ذمہ لیا ہے۔ (سورہ الحجر ۹:۱۵)

O___ درج بالا حقیقت کے علاوہ، مستشرقین اور بعد میں آنے والے مغربی مفکرین اور اہلِ علم (اور شاید ہمارے ان بھائی بہنوں) نے بھی اس حقیقت کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے کہ قرآن کریم بیک وقت تحریری شکل میں نازل نہیں ہوا تھا۔ اس کا نزول ایک تدریج کے ساتھ جستہ جستہ حالت میں عرصہ تیئیس سال میں ہوا تھا جس پر عمل درآمد نزول کے فوراً بعد، نبی اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ نے شروع کر دیا تھا۔ اسی لیے آپؐ کی ذاتِ گرامی کو قرآن ناطق کہا گیا۔ ایسی حالت میں یہ کہنا علمی مغالطے اور بددیانتی کے مترادف ہے کہ ہم قرآنی تعلیمات کے معنی اور اس کی تشریح و تعبیر کے لیے علماء اور مفسرین کو موردِ الزام ٹھہرائیں (مختلف الفاظ اور اصطلاحات کی آڑ میں) کہ ان حضرات نے تو حضور (صلی اللہ علیہ وسلم)

کی زندگی، جو قرآن کا چلتا پھرتا نمونہ تھی، کو من وعن اپنی کتب میں سمو دیا جسے پڑھ کر ایک شخص آج بھی چشم تصور سے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دور کو بآسانی دیکھ سکتا ہے!

درج بالا چند مسلم خواتین اہل علم کے خیالات کے علاوہ جو گزشتہ پانچ، سات دہائیوں میں ہی اشاعت پذیر ہوئے ہیں (جبکہ مغرب میں اس کی تاریخ ایک صدی سے زائد عرصہ پر محیط ہے) مختلف غیر سرکاری تنظیموں (NGO's) کا ایک جال ہے جو گزشتہ دور میں کھمبی کی کاشت کی طرح وطن عزیز میں ابھر کر سامنے آ گیا ہے جنہوں نے مالی منفعت کی خاطر، مغربی اہل علم کے خیالات اور افکار کو اختیار کر کے مسلم ممالک میں پھیلانا شروع کر دیا ہے۔ ماضی قریب میں ایسی تمام تنظیموں کو حکومتی سرپرستی کا ''شرف'' بھی حاصل رہا اور یوں ایسی تنظیموں نے ایک ''مصنوعی فضا'' اسلامی معاشرے میں پیدا کر دی کہ:

کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

کی فضا قائم ہوگئی۔

آزادئ نسواں کے دل فریب تاہم کھوکھلے نعروں کے تحت مختلف سماجی، تعلیمی پروگراموں کا وطن عزیز میں اجرا کیا گیا جس کا دراصل مقصد مغربی استعمار کا قدیم ہدف ''مسلم معاشرے میں خاندانی نظام کو تلپٹ کرنا'' ہے!

اس جگہ ہم ایسی تمام تنظیموں کی مالی معاونت (فنڈنگ) کی تمام تر معلومات کی تفصیلات میں جائے بغیر یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہیں کہ کیا اس حقیقت سے انکار کیا جا سکتا ہے کہ امریکہ اور یورپ کے مختلف ممالک ان کے سہولت کار رہیں؟ کیا یہ ایک حقیقت نہیں کہ معاشرے کا پڑھا لکھا اور صاحب ثروت وحکمران طبقہ ان ممالک کی مالی معاونت کو اپنی زندگی میں عیش وعشرت کے لیے استعمال کر رہا ہے؟ تاہم وہ سب ماضی قریب میں غریب عورتوں کے حقوق کے لیے آواز اٹھانے کا چیمپئن بھی بن گیا ہے! پاکستان میں اس دولتمند طبقے کی خواتین نے جس طریق پر مالی اور سماجی مفادات اس نعرے سے حاصل کیے ہیں، بالکل اسی قسم کے تمام مفادات مغربی خواتین نے بھی اپنے اپنے ملک میں حاصل

کیے۔اس بارے میں دنیا میں مساوات مرد وزن کی سب سے بڑی لیڈر خاتون سائمن ڈی بوائیر نے امریکہ اور یورپ میں ان نعروں کو بلند کرنے والے مفاد پرست خواتین کے ٹولے پر سخت تنقید کی ہے جس کی تفصیلات اس کتاب کے باب یازدہم میں درج کی گئی ہیں۔

مذکورہ بالا غیر سرکاری تنظیموں میں سے ایک ایسی تنظیم نے اپنے طور پر خواتین کے نکتہ نظر سے قرآنی تعلیمات کو سمجھنے اور تعبیر وتوضیح کے لیے اردو اور انگریزی میں متعدد آیات جن کا بالخصوص تعلق طبقہ اناث سے ہے، پر مبنی ایک کتابچہ Anon, 1998 میں بعنوان ''عورتیں: قرآنی آیات کی روشنی میں'' شائع کیا ہے۔اس مقصد کے پیش نظر کہ ہم ان کا نکتہ نظر صحیح انداز میں جان سکیں، اس کتابچے میں درج چند آیاتِ قرآنی کا ترجمہ جو انہوں نے مرتب کیا ہے جس میں انہوں نے قرآن کریم کے چند متداول ترجمے/تفاسیر جو مولانا یوسف علی، مارماڈیوک پکھتال اور سید مودودیؒ نے شائع کیے ہیں سے مواد اخذ کیا ہے۔قبل ازیں کہ ہم وہ تراجم پیش کریں، ضروری محسوس کرتے ہیں کہ اس کتابچے کے تحریر شدہ انٹروڈکشن/تعارف سے اپنے قارئین کو آگاہ کریں۔

''خواتین زیر اثر مسلم خواتین کے نیٹ ورک کے تحت مختلف خواتین کے باہمی تبادلہ خیال کے بعد یہ بات کھل کر سامنے آئی کہ حاضرین کی طرف سے قرآن پاک کی گئی مروجہ تشریحات نہ صرف ایک دوسرے سے **مختلف ہیں** بلکہ بعض مقامات پر اکثر **متصادم بھی ہیں اور یہ تشریحات مردانہ اجارہ داری کی عکاسی کرتی ہیں**۔یہی تشریحات مختلف مما لک اور کمیونٹیز میں عورتوں کی حیثیت کے تعین کے لیے استعمال کی جاتی رہی ہیں۔اور یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ قرآن میں موجود ہزاروں آیات میں سے صرف چند ہی صنفی بحث سے متعلق ہیں اور مخصوص صنفی معاملات کا ذکر تو چند ایک آیات میں ہی آیا ہے۔**یہی وجہ ہے کہ مردانہ اجارہ داری کو توڑنے اور تفسیر واجتہاد کے حق** کو استعمال کرنے کے لیے خواتین کا ایک گروپ اکٹھا ہوا اور انہوں نے ۱۹۹۰ء میں چھ روزہ ورکشاپ (Women in the Quran: Quranic Interpretation by women july 8-13,

(1990 کا انعقاد کیا اس میں چھ ریسورس پرسنز اور سرگرم خواتین کے ایک گروپ نے شرکت کی جن کا تعلق مختلف کمیونٹیز سے تھا۔اس ورکشاپ میں عائلی معاملات اور بالخصوص عورتوں سے متعلق قرآنی آیات پر مبنی ایک کتاب بنانے کا فیصلہ ہوا۔''

اس معلوماتی کتاب کو شائع کرنے کے دو مقاصد تھے۔ایک مقصد تو یہ تھا کہ قرآن کے حوالہ جات کو ایک جگہ فراہم کیا جائے جو کہ اس حوالے سے بات چیت کرنے میں معاون ہوں اور دوسرا مقصد ان تراجم کو اکٹھا کرنا تھا جن پر مسلمانوں کی اکثریت انحصار کرتی ہے۔''

''عربی زبان میں ایک لفظ کے کئی معنی استعمال ہو سکتے ہیں۔مثال کے طور پر "الرجال قوامون علی النساء" مولانا شاہ عبدالقادر نے اس کا ترجمہ ''مرد حاکم ہیں عورتوں پر'' کیا ہے لیکن شاہ رفیع الدین صاحب نے قوام کا ترجمہ ''قائم رکھنے والا'' کیا ہے۔جبکہ ان کے والد شاہ ولی اللہ نے ترجمہ ''تدبیر کنندہ'' کیا ہے۔ایک فارسی کا ترجمہ جو سعدی کے ترجمے کے نام سے مشہور ہے اس میں قوام کا معنی ''ترجمہ گزار'' کیا گیا ہے۔''

(حوالہ حقوق نسواں از سیّد ممتاز علی 1898ء)

''قوام'' کا لفظ تو ایک مثال کے طور پر لیا گیا ہے۔اسی طرح بہت سے الفاظ ہیں جن کے مختلف ترجمے مختلف مسلم معاشروں میں عورتوں کے حقوق سے متعلق بحث کا موضوع رہتے ہیں۔جو کہ دراصل ترجمے نہیں ہیں بلکہ تشریح کی ایک شکل ہیں۔انگریزی ترجموں پر مبنی کتاب 1991ء میں شائع ہوئی تھی۔یہ کتاب علامہ عبداللہ یوسف علی، پکتھال (Pickthal) اور مولانا مودودی صاحب کے انگریزی ترجموں پر مشتمل ہے۔انہی مقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم اپنے اردو پڑھنے اور جاننے والے قارئین کے لئے یہ کتاب اردو تراجم کے ساتھ شائع کر رہے ہیں۔اس میں ہم نے شروع میں یہ کوشش کی تھی کہ انہی تینوں حضرات کے اردو پر مبنی ترجموں سے فیض اٹھائیں۔چونکہ ہمیں پکتھال اور مولانا عبداللہ یوسف علی کا اردو ترجمہ میسر نہیں تھا اس لیے ہم نے ان کی جگہ مولانا ابوالکلام احمد آزاد

صاحب اور مولانا فتح محمد جالندھر صاحب کا اردو ترجمہ استعمال کیا ہے، نیز مولانا مودودی صاحب کا اردو ترجمہ بھی اس میں شامل ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ یہ کتاب قارئین کے لیے فائدہ مند اور باعث رہنما ہوگی۔'' (عارفہ نازلی)

اپنے موقف کی تائید میں اس تنظیم نے متعدد آیات قرآنی کا درج بالا مفسرین/اہل علم کے تراجم/تفاسیر سے جو تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے ان میں سے صرف چند آیات (سورۃ النساء، ۴:۱) جو تخلیق آدم وحوا سے متعلق ہیں، کو ہم اس کتابچے سے نقل کر رہے ہیں۔

چونکہ انگریزی زبان میں یہ کتابچہ ۱۹۹۱ء میں شائع ہوا تھا، اس لیے اس میں پکھتال اور علامہ یوسف علی سے استفادہ کیا گیا تھا۔ تاہم ان دو حضرات کا اردو ترجمہ نہیں ہوا اس لیے اس تنظیم کے اردو کتابچہ میں ان کی جگہ مولانا فتح جالندھری اور مولانا ابوالکلام آزاد کے تراجم/تشریح شامل کی گئی ہے، البتہ سید مودودیؒ کا اردو ترجمہ علی حالہ شامل ہے۔ لیکن یہ انگریزی تراجم ذیل میں درج ہیں۔ لیکن چونکہ اس کتابچے کی مولفہ نے سیّد مودودی، مولانا یوسف علی اور پکتھال کے انگریزی ترجمہ پر تبصرہ کیا ہے اس لیے ہم ان تینوں حضرات کا انگریزی ترجمہ ہی لکھ رہے ہیں تا کہ ان انگریزی تراجم میں جو الفاظ/معنی استعمال ہوئے، وہ ان کے تبصرے کی حقیقت بیان کرسکیں۔ **تاہم یہاں یہ امر واضح کرنا ضروری ہے کہ انگریزی تراجم اور ان پر انگریزی زبان میں تبصرہ، دراصل فنڈنگ کرنے والے ملک/ ایجنسی (ناروے) کو بھیجنے کے لئے تیار کرنا ضروری تھا تا کہ وہ نہ صرف اس تنظیم کی ''حسن کارکردگی'' سے مطمئن ہو جائیں (اور فنڈنگ کا سلسلہ جاری رکھیں)** بلکہ دیگر لوگوں بالخصوص مسلم ممالک کے نوجوان نسل کو باور کرایا جا سکے کہ خواتین کے نقطۂ نظر سے قرآنی ترجمہ ممکن ہے۔ جبکہ اردو میں ان تینوں اہل علم کے ترجمے میں مکمل یکسانیت پائی جاتی ہے تاہم انگریزی ترجمے میں موصوفہ نے اپنی جانب سے ایک ''نئی بات/ اپچ'' کا مظاہرہ ضرور کیا ہے جبکہ وہ تینوں انگریزی تراجم بھی ایک دوسرے سے مختلف نہیں جسے ذیل کی تحریر سے بآسانی سمجھا جاسکتا ہے!

Yousaf Ali:

"O mankind! reverence your Guardian-Lord, who created you from a single Person, created, of like nature, his mate, and from them twain scattered (like seeds) countless men and women, fear Allah, through Whom ye demand your mutual (rights) and (reverence) the wombs (that bore you): for Allah ever watches over you"

Pickthall:

"O mankind! Be careful of your duty to your Lord Who created you from a single soul and from it created its mate and from them twain hath spread abroad a multitude of men and women. Be careful of your duty toward Allah in Whom ye claim (your rights) of one another, and toward the wombs (that bear you). Lo! Allah hath been a Watcher over you"

Maududi:

"O mankind, fear your Lord, Who created you of a single soul, and of the same created his mate, and from that pair spread countless men and women over the earth, fear that Allah in Whose name you demand your rights from one another, and abstain from violation relation between kinsfolk; note it well that Allah is watching you very closely"

درج بالا تراجم پر تبصرہ کرتے ہوئے کتابچے کی مولفہ نے لکھا کہ ''مولانا یوسف نے آیت کے لفظ ''نفس'' کو بطور ''شخص/مرد'' استعمال کیا ہے جبکہ وہ مادہ (Female) کو ظاہر کرتا ہے۔ پکھتال اور سید مودودی نے اسے ''واحد مخلوق (Single Soul)'' لکھا ہے۔ تاہم مولانا یوسف علی اور سید مودودی نے اس ''واحد مخلوق'' کو مرد یعنی ''اس کا ساتھی (His mate)'' قرار دیا ہے___ جبکہ پکھتال نے مزید واضح کرتے ہوئے ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں جو کسی صنف (Gender) کو ظاہر نہیں کرتے یعنی (Its Mate)۔ مولفہ نے مزید

لکھا کہ ''باعث دلچسپی امر یہ ہے کہ عربی گرائمر کی رو سے لفظ ''نفس'' جو اس آیت میں استعمال ہوا ہے وہ مادہ یعنی (Female) کو ظاہر کرتا ہے''____ اہل علم اس تحریر سے خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ اگر موصوفہ کی یہ بات صحیح بھی تسلیم کر لی جائے تو کیا اس کی وجہ سے معنی اور مفہوم کے لحاظ سے صنف اناث کیلئے ''کم تر مرتبہ'' کا تاثر کس قدر مناسب ہے؟

تاہم یہاں ہم اس امر کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں کہ عربی لغت کے لحاظ سے بہت سے الفاظ ایسے ہیں جو **''مونث سماعی''** کہلاتے ہیں اور جس میں تانیث (Female) کی کوئی علامت نہیں ہوتی از قسم (ۃ۔ی۔آ) مگر اس کے باوجود وہ مونث بولے جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں جس جگہ بھی لفظ ''نفس'' آیا ہے (مثلاً نفس مطمئنہ، نفس امارہ، نفس لوامہ، نفس زکیہ وغیرہ)۔ ان میں لفظ ''نفس'' بغیر کسی علامت کے مونث کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ مزید برآں، مختلف الفاظ مثلاً الارض، ملکوں کے نام، ہواؤں کے نام حتیٰ کہ جہنم کے نام بھی) تمام تر بطور مونث استعمال ہوئے ہیں جس میں تانیث کی کوئی علامت نہیں ہوتی____ **اس تناظر میں لفظ ''نفس واحدۃ'' کو صرف طبقۂ اناث کے لئے مخصوص کرنا، عربی لغت کے لحاظ سے کسی طرح بھی مناسب اور موزوں نہیں۔ کجا کہ اس سے طبقۂ اناث کی کمتری کا مفہوم ''کشید'' کرنا تو ناقابل فہم ہے!**

اسی طرح ایک اور آیت جو تخلیق سے متعلق ہے (سورہ الروم ۳۰:۲۱۔۲۰) میں یوسف علی اور پکھتال نے لفظ (Mates) استعمال کیا جو کسی جنس / صنف کے بارے میں جھکاؤ نہیں رکھتا یعنی (Neutral) ہوتا ہے جبکہ سید مودودی نے اس کا ترجمہ ''ازواج'' (Spouse) سے کیا ہے جو لفظ زوج کا واحد اسم ہے اور جوڑے (Pair) یعنی میاں بیوی کو ظاہر کرتا ہے۔ مولفہ کے بقول:

> ''اس قسم کے تراجم / تشریحات مردانہ پن (پدریت) (Patiarchal Perception) کی تائید کرتی ہیں کہ مرد (آدم) کو پہلے پیدا کیا گیا جبکہ عورت (حوا) اس کے تحت / بعد میں پیدا کی گئی____'' کیا اس سے یہ مترشح

نہیں ہوتا کہ تخلیق آدم وحوا کے بارے میں، اللہ تعالیٰ کو، موجودہ زمانے کی ذہین خواتین کے اس انوکھے طرزِ تعبیر کے مطابق آیاتِ قرآنی کو نازل کرنا چاہیے تھا۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

اس کتابچے میں مزید لکھا ہے کہ: ''ترجمہ قرآن کو ایک جانب رکھتے ہوئے، عربی کی رو سے بھی ان آیات کا ترجمہ وتشریح بھی مختلف مکاتیب فکر کے مسلم اہل علم نے مختلف انداز/طریقے سے کی ہے۔ ایسی تمام تشریحات ان تمام تر حالات وواقعات کے تناظر میں جن میں وہ تشریحات کی گئی تھیں، ایک دوسرے کی تردید کرتی ہیں اور مختلف ادوار میں بدلتی رہی ہیں۔ چونکہ ایسے تمام تراجم/ تفاسیر نمایاں انداز میں اپنے اندر ''مردانہ پن'' کا پہلو رکھتی ہیں اس لیے اس وجہ سے یہ کہنا بعید از عقل نہیں کہ آیات کے معنی ومفہوم میں مردانہ اندازِ فکر کو نمایاں کیا گیا ہے اور یوں یہ امر طبقہ نسواں کے لیے بہت دوررس مضمرات کا حامل ہے۔ مزید براں، ایک ہی تشریح وتوجیہہ کو مختلف صورتوں اور حالات میں مختلف انداز سے قانونی طور پر شمار کیا جاسکتا ہے جبکہ معاملہ کسی ملک یا معاشرے میں قانون سازی کی بات ہو رہی ہو۔'' ◆

اس کتابچے کی تیاری کے لیے جو ورکشاپ منعقد کی گئی تھی، اس کے شرکاء نے اس امر کو بھی نمایاں انداز میں واضح کیا کہ ''۱۲۵۸ء ہجری میں جب حکمرانوں نے بغداد میں اجتہاد کے دروازے بند کردیئے تھے۔ جو حکمرانوں کی خالصتاً ایک سیاسی ضرورت تھی اور جس کا مذہب سے کوئی تعلق نہ تھا'' ورکشاپ کے شرکاء نے واضح کیا کہ درحقیقت تاریخ کے ہر دور میں ایسے افراد اور طبقے/ گروپس (Groups) موجود رہے ہیں جنہوں نے اجتہاد اور اجماع (اتفاق رائے) کے اصولوں کے تحت اسلامی اصولوں کی تعبیر وتشریح کو حالات وواقعات کی نت نئی تبدیلیوں اور جدید علوم اور ضروریات کے پیش نظر استعمال کیا

◆ یہاں ایک بار دوبارہ، ہم اپنے فہم کے ''دوررس مضمرات'' کا ادراک نہ کرنے کا اقرار کرتے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر انہوں نے ایسے مضمرات کی کوئی عملی صورت بھی بتائی ہوتی!

ہے۔''____ (اور شاید آج بھی اسی اصول کے تحت قرآنی آیات کی نئی تشریح کی ضرورت بھی وقت کا تقاضہ ہے۔ جسے وہ لوگ (مرد وخواتین) کرنا چاہتے ہیں جنہوں نے شاید اپنی زندگی میں قرآن کریم کا ایک بار بھی سنجیدگی کے ساتھ مطالعہ نہ کیا ہو۔ دنیاوی معاملات میں وہ وکالت / پیشہ طب وغیرہ کے لیے ڈگری کا حصول اور اتھارٹی کی اجازت کو ضروری گردانتے ہیں لیکن قرآن کی تعبیر وتشریح کے لیے چند خواتین کا اکٹھا ہو کر ایک کتابچہ بنا کر حق اجتہاد اور اپنی آراء کو اجماع قرار دینے کی جسارت ایسے ہی ''باحوصلہ لوگوں'' سے توقع کی جاسکتی ہے____ جو یہ کام بھی ناروے جیسی ''بدنام زمانہ'' حکومت کی مالی امداد کے تحت سرانجام دے رہے ہیں!

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد!

درج بالا آیات اوران پر انگریزی کتابچے میں کیے گئے تبصرے کے پیش نظر ایک دیانت دار اور غیر متعصب شخص پر واضح ہو جاتا ہے کہ ان آیاتِ قرآنی کا جو ترجمہ تین مفسرین کے حوالے سے پیش کیا گیا ہے، وہ ایک دوسرے سے کس قدر اور کیونکہ مختلف ہے یا تردید کرتا ہے؟ کیا ہم یہ اخذ کرنے میں حق بجانب ہوں گے اگر یہ کہا جائے کہ قرآن کریم جو عربی میں ایک الہامی پیغام ہے، کو کوئی فرد بھی ترجمہ/تشریح کے ذریعے سمجھا نہیں سکتا؟ اور اگر ایسا ممکن ہو تو پھر کسی بھی خاتون کو، قطع نظر اس کی تمام تر ذہانت وفطانت اور علمی وجاہت کے کیا، وہ قرآنی آیات کے صحیح معنی ومفہوم بیان کرنے میں کامیاب ہو سکتی ہے؟

اس باب کے آغاز میں ہم نے ان چند آیات کا جن کا تعلق تخلیق آدم وحوا سے ہے کسی حد تک تقابلی مطالعہ ان عبارات سے کیا ہے جو عہد نامہ قدیم اور جدید کے مستند ترین نسخے کنگ جیمز ایڈیشن (۱۹۷۴ء) سے نقل کیا گیا ہے۔ اس تقابلی مطالعے کی رو سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ ہر سہ مفسرین نے مختلف آیاتِ قرآنی کی جو تشریح اور تعبیر/معنی بیان کیے ہیں ان میں کسی قسم کا کوئی تفاوت یا تعارض نہیں پایا جاتا جو شرکت گاہ نامی ادارے کے کتابچے (۱۹۹۸ء) میں اخذ کیا گیا ہے۔

یہاں ہم اس امر کو بھی واضح کرنا چاہتے ہیں کہ مرد وزن کی مساوات کے حامی دور حاضر کے اہل علم تو کجا، قدیم مستشرقین اور ان سے استفادہ کرنے والے مغربی مفکرین (از قسم روبن لیوی ۱۹۶۲ء) بھی **قرآنی آیات کی مختلف ادوارِ تاریخ و زمانہ اور مختلف حالات وواقعات کے تحت مختلف معنی اور تعبیر کی ایک مثال بھی پیش کرنے سے قاصر رہے ہیں بلکہ انہوں نے اس سوال کو جان بوجھ کر نظر انداز کیا ہے۔ آج تک کسی بھی مغربی اہل علم یا اس نظریے کے حامی افراد کی جانب سے قرآنی آیات کے ترجمہ وتشریح میں اختلاف کی کوئی ایک مثال بھی گزشتہ چودہ صدیوں کے طویل دور میں پیش نہیں کی گئی لیکن دور حاضر میں ''نئے تقاضوں اور جدید علوم'' کی وجہ سے قرآنی آیات کے معنی وتشریح کے مطالبے پر بار بار اصرار کیا جا رہا ہے۔**

شرکت گاہ نامی تنظیم کا تیار کردہ کتابچہ کے تعارف اور دیگر موضوعات کا احتیاط کے ساتھ مطالعہ کرنے اور Arifa Farid (۲۰۰۶ء) کے خیالات جاننے کے بعد درج ذیل چند امور با آسانی اخذ کیے جاسکتے ہیں کہ

O____ ہر سہ مفسرین کے ترجمہ وتفسیر میں آیات متعلقہ کے درمیان کسی قسم کے تعارض یا تردید کا سراغ نہیں ملتا۔

O____ اس کتابچے میں بزعم خود حقوق نسواں کی حفاظت نیز مردوں کے قرآنی آیات کے ترجمہ وتعبیر کے ''قبضے کے خاتمے'' کے علاوہ اور کوئی مقصد اس قدر اہم اور ضروری سمجھ میں نہیں آتا سوائے اس کے کہ اسے مغربی اہل علم کے خیالات کی پیروی کی ایک فدویانہ کوشش قرار دیا جائے یا پھر ان آقاؤں کو خوش کرنا مقصود ہے جو اس قسم کے کاموں کے لیے بھرپور مالی امداد فراہم کرتے ہیں۔ یہ امر باعث حیرت ہے کہ **انگریزی ایڈیشن (۱۹۹۸ء) میں کتابچے کو مرتب کرنے والی کسی خاتون کا نہ تو نام درج ہے اور نہ ہی فنڈنگ ایجنسی رملک کا نام دیا گیا ہے۔ تاہم اردو ایڈیشن (۲۰۰۶ء) میں**

عارفہ نازلی خاتون کا نام بطور مولفہ درج ہے۔ اور رائیل ناروتیجین سفارت خانے کا نام بطور فنڈنگ ایجنسی درج ہے۔اس نام سے پتہ چلتا ہے کہ کتابچے کی تیاری/ اشاعت کا تمام تر مقصد یورپین کرسچین آبادی/حکومت ناروے کوخوش کرنا ہے تاہم جس انداز میں ہم نے اس کا جائزہ لیا ہےاس کی روشنی میں یہ کوئی علمی وعملی خدمت طبقہ نسواں کی بجالانے میں کامیاب نہ ہوسکے گا۔ کیونکہ فنڈنگ کرنے والے ملک کواس سے کوئی غرض نہیں، وہ تو اس کوشش سے ہی مطمئن اور خوش ہو جائیں گے کہ ان کے ''وفاشعار'' پاکستان میں رہ کران کے مقاصد (خاندانی نظام کی تباہی کا فریضہ) نہایت تندہی سے سرانجام دے رہے ہیں۔اس کتابچے سے کسی دورازکارکوشش کا سراغ بھی نہیں ملتا جس نے ملت اسلامیہ کے کسی دور میں بھی قرآنی آیات کی تعبیر وتشریح کے لٹریچر میں کسی تضاد یا باہمی تردید کا اشارہ پایا جائے۔

ہم نے اس کتاب کے باب ششم میں چندایسی علمی اور دینی ذہن رکھنے والی مغربی خواتین کا حوالہ اورقول درج کیا ہے جنہوں نے نہایت ایمان افروز یہ الفاظ کہے ہیں کہ **''کتب مقدسہ (عہد نامہ قدیم وجدید) کی تعلیمات کومساوات مردوزن کے تصور پرایک گونہ فوقیت اورترجیح حاصل ہے۔''**(George Harkness 1992)۔کسی عیسائی/غیرمسلم خاتون کےان خیالات کا جب ہم مسلمان خواتین کے''زوال علم وعرفان'' سے مقابلہ کرتے ہیں تو ہمارا سر خداوند عالم سے ہماری وفاداری اور جذباتِ عبودیت کے فقدان پرشرم سے جھک جاتا ہے!

عہدنامہ قدیم وجدید کی تعبیر وتشریح اور مذہبی لوگ: ایک طائرانہ جائزہ:

سورہ العلق (۹۶: ۱ تا ۵) کے متعلق ہر شخص جانتا ہے کہ ان آیات میں ہر مسلمان (مرد اورعورت) کے لیے علم کا حصول لازمی قرار دیا گیا ہے۔اس حکم ربانی کا اطلاق ہر دواصناف کے لیے یکساں طور پر لاگو ہوتا ہے۔مزید برآں، ایک حدیث کی رو سے بھی طلب علم کو مسلمان مرد اور عورت کے لیے فرض قرار دیا گیا ہے (سنن ابن ماجہ: ۲۲۴)۔ان دو

نہایت ہی واضح احکامات قرآن وسنت کی موجودگی میں اس امر میں کسی قسم کا کوئی اشتباہ نہیں رہتا کہ قرآن وسنت کی تعلیم کو صرف مرد حضرات تک محدود کیا جائے۔ ہمیں اس امر کا علم نہیں کہ اسلام میں قرآن وسنت کی تعلیمات کو سمجھنے، سمجھانے کو کسی ایک صنف کے ساتھ محدود کرنے کا تصور کہاں سے اخذ کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے آٹھویں باب کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں دور اولین سے لے کر آج تک ہر دور میں ایسی خواتین کے ایک سلسلۃ الذہب کا وجود رہا ہے جنہوں نے علم کی آبیاری کی اور مسلم امت کے مردوزن نے یکساں طور پر ان کے تبحر علمی کو سراہا اور سر آنکھوں پر جگہ دی۔

یہود ونصاریٰ کے اہل علم کی ایک بہت بڑی تعداد کے بالکل برعکس جو کتب مقدسہ میں تحریف وتبدیلی کے ذمہ دار ہیں، ایک معتدبہ تعداد ایسے عیسائی اہل علم کی بھی ہے جو اس امر کا انکار کرتے ہیں کہ عہد نامہ قدیم اور جدید کی تعلیمات مردانہ تفوق (Male Chauvistic) ہیں۔ جارجیا ہارکنس (Georgia Harkness 1992) اور ڈیبورا بیلونک (Deborah Belonck 1983) **ہر دو خواتین بائبل کی از سر نو تبدیلی (Re-editing) کے اس عمل کی سخت ناقد ہیں جو مردوزن کی مساوات کے قائلین کی جانب سے بائبل کی ان تعلیمات کو تبدیل کرنے کے لیے کی جارہی ہیں** جو ان کے خیال کے مطابق مردانہ تفوق کے حامل الفاظ/عبارات پر مشتمل ہیں۔ بیلونک اور اسی سوچ کی حامل متعدد خواتین کی یہ رائے ہے کہ بائبل نہ صرف ایک دور کی تہذیبی روایات کی آئینہ دار ہے **بلکہ وہ ایک الہامی کتاب بھی ہے۔** اگرچہ وہ اس لحاظ سے اس امر کو جائز گردانتی ہیں کہ اس میں کسی حد تک تبدیلی لائی جاسکتی ہے (دین ودنیا/ مذہب اور کلچر تصور دوئی کے تحت) تاہم انھیں اس امر کے بارے میں اشتباہ ہے کہ بائبل کی کونسی عبارت کو تبدیل کیا جائے اور کس طرح کیا جائے؟ ڈیبورا بیلونک **اس قسم کی ہر کوشش کو الہامی عبارت/ الفاظ میں ناجائز تصرف (extratation) سمجھتی ہیں۔ اپنی اس رائے کی حمایت میں ان کا موقف ہے کہ بائبل کی صحیح تعلیمات،**

اگرچہ انسانی زبان/ الفاظ میں لکھی گئی ہیں تاہم یہ الہامی نوعیت کی حامل بھی ہیں۔اس کا یہ مطلب ہے کہ بائبل کے یہ الفاظ اگرچہ انسانی زبان کا حصہ ہیں بالکل اس طرح جس طرح دنیا میں مختلف انسان بولتے ہیں تاہم بائبل میں وارد ہونے کی بناء پر الہام باری تعالیٰ کی وجہ سے یہ الفاظ تقدس اور احترام کے جذبات سے بھی مملو ہو گئے ہیں۔ان کی حیثیت خداوند کے الہام کردہ الفاظ کی بناء پر ایسے ہیں جو انسانی الفاظ میں کہے گئے ہیں۔''

بائبل کے الہامی الفاظ/ تعلیمات کو انسانی تحریف سے بچانے اور ایڈیٹنگ کے ذریعے دوبارہ لکھنے کی جسارت سے متنبہ کرنے کے لیے ڈیبورا نے لکھا کہ ''اس قسم کی جسارت کے مضمرات ایسی مہیب تبدیلیوں کی شکل میں رونما ہوں گے کہ کتب مقدسہ کی اصل ہیئت ہی تبدیل ہو کر رہ جائے گی۔عہد نامہ جدید ایک ایسی تبدیل شدہ شکل اختیار کرے گا جس میں ''باپ'' (Father) اور ''بیٹا'' (Son) جیسے الفاظ جو کتاب مقدس کے واعظوں میں استعمال ہوئے، اپنی معنوی حیثیت کھو بیٹھیں گے بلکہ سینٹ پال کے اقوال میں بھی ان کی معنویت متاثر ہوگی۔ اس کے علاوہ، یہ امر بھی ناممکنات میں شامل ہو جائے گا کہ مساواتِ مرد وزن کے حامی لوگوں کے گونا گوں مختلف خیالات اور آراء کو بائبل کی دوبارہ ایڈیٹنگ کے وقت، کس طرح یکجا کیا جا سکے گا جس سے سب لوگ اتفاق کر سکیں۔ تا کہ کتاب مقدس سب کے لیے قابلِ قبول ہو سکے؟ ظاہر ہے کہ اس تبدیلی میں کچھ لوگ ایک خاص تبدیلی کے خواہاں ہوں گے جبکہ چند دوسرے لوگ ایسا کرنے کے مخالف ہوں گے۔اس تمام تر کھینچا تانی کا یہ نتیجہ نکلے گا کہ بائبل تمام چرچوں کے لیے ایک متفقہ حوالے (Consistent Reference) کے طور پر قابل قبول نہ ہو سکے گی۔پس انہوں نے تجویز کیا کہ بائبل کی تعبیر نو (Reinterpretation) اور دوبارہ فہم (Reunder

(Standing) کا مسئلہ، موجودہ زمانے اور کلچرل ضروریات کے تحت یوں سرانجام دیا جائے کہ کتاب مقدس کے اصل الفاظ/متن کو ازسرنو ایڈیٹ کرنے سے اجتناب کیا جائے۔"

اسی طرح ایک دوسری خاتون Georgia Harkens (۱۹۹۲ء) کا یہ قول بھی بہت ایمان افروز حقیقت کے طور پر سامنے آیا کہ "اگر چہ طبقہ اناث کی حالت زار کو بہتر کرنے کی مختلف کوششیں اپنی جگہ مثبت ہی کیوں نہ ہوں تاہم ان تمام تر وجوہات سے بالاتر اس امر کا فہم ضروری ہے کہ "ہمیں اپنی ترجیحات کا تعین کرنا چاہیے۔ کتب مقدس کے الہامی الفاظ زیادہ اہمیت کے حامل ہیں بہ نسبت حقوق نسواں کے۔"

اس قدر طویل اقتباسات کے نقل کرنے پر ہم معذرت خواہ ہیں تاہم چاہتے تھے کہ اس قسم کے تمام مثبت خیالات، ہم براہِ راست مغرب کی متدین اور خدا خوفی کے جذبے سے متصف خواتین کی زبان سے خود سن سکیں!

الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا
غواص کو مطلب ہے گہر سے کہ صدف سے؟

شاید اب وہ مرحلہ آن پہنچا ہے کہ ہم اس امر کو بخوبی جان سکیں کہ کیوں کر مغرب میں مساواتِ مرد و زن کے حامی افراد اور مشرق میں ان کے وفادار ہمنوا قرآن کریم کے معنی و تشریح کو بدلنے کے لیے خواتین کو یہ اختیار دینے کی جدوجہد کر رہے ہیں؟ مزید براں، اس کی وجہ سے یہ بھی سمجھ میں آجاتا ہے کہ بزعم خود ان چند احادیث کو "موضوع اور غلط قرار" دینے کا شوشہ کیوں چھوڑا گیا ہے۔ اور یہ کہا گیا ہے کہ ان میں طبقہ نسواں کی اہانت کا تاثر پایا جاتا ہے جس سے خواتین کی تذلیل اور کم تر ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ (Fatima Mernissi 1991، Riffat Hassan 1999) اور متعدد دیگر۔ اس موضوع پر ہماری ہر دو کتب (۲۰۱۲، ۲۰۱۸) پڑھنے کا مشورہ دیں گے جس میں مختلف احادیث پر اس

قسم کے تمام تر دلائل اور حیلہ جوئیوں کی وضاحت کی گئی ہے۔ شاید اسی قسم کے خیالات ہیں جن کی بناء پر Arifa Farida (۲۰۰۶ء) و دیگر نے اپنی کتابوں/ مقالہ جات میں یہ لکھا کہ ''اس قسم کی موضوعہ احادیث کی بناء پر اسلام میں تحقیر نسواں کے جذبات داخل کیے گئے جس کے نتیجے میں مسلمان عورت ان تمام حقوق و مراعات (سماجی اور سیاسی و دیگر) سے محروم کر دی گئی اور جس کا وہ آج تک شکار ہے۔ اس لیے میں سمجھتی ہوں کہ موجودہ دور میں نسل نو کو اپنی تمام تر توجہ اور علمی قابلیت کو اس امر پر لگا دینا چاہیے تاکہ طبقہ نسواں کے ان غصب شدہ حقوق کو بازیاب کرایا جا سکے جن کی کسی جگہ بھی قرآن اور سنت رسول میں کوئی گنجائش نہیں بلکہ ان دونوں مصادر ہدایت میں خواتین کو مردوں کے برابر وہ تمام حقوق (روحانی، مذہبی اور اخلاقی) حاصل ہیں، اور ہمارے نزدیک یہی وہ عقلی دلیل ہے کہ موجودہ دور میں مسلمان عورتیں کو قرآنی تعلیمات کو طبقہ نسواں کے حقوق کی بازیابی کے لیے، تعبیر نو اور تشریح کا حق حاصل ہونا چاہئے۔''

گزشتہ صفحات میں ہم نے تفصیلاً یہودیت اور نصرانیت میں کتب مقدسہ کی تعبیر اور تشریح نو کے سوال پر غور کیا ہے۔ ہم نے اس ''خفیہ ایجنڈے'' کو بھی واضح کیا ہے جو اس ذہن کے مسلمان خواتین اور مرد مغرب کی نقالی میں قرآن و حدیث کی تعلیمات کے ساتھ کرنے کے خواہش مند ہیں۔ اگرچہ اسلامی تعلیمات میں حصول علم بطور ایک فریضہ کے ہر مسلمان مرد اور عورت پر لاگو ہے اور جس میں جنس/صنف کی بناء پر کسی قسم کی کوئی تخصیص روا نہیں رکھی گئی۔ تاہم اس ضمن میں چند امور کا خیال رکھنا از حد ضروری ہے۔ کہ قرآن و حدیث کی تعلیمات کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے اس قدر علم کا حاصل کرنا نہایت ضروری ہے کہ ایک فرد عربی زبان، نیز تفاسیر کی دیگر مہمات کتب، احادیث اور دیگر علوم کا اتنا فہم تو رکھتا ہو جتنا کہ دنیا میں ایک ڈاکٹر یا انجینئر بننے کے لیے ضروری ہے۔ اس ضمن میں ہم گزشتہ صفحات میں جارجیا ہارکنس (۱۹۹۲ء) کی وہ ایمان افروز الفاظ ضرور یاد دلانا چاہیں گے کہ

''ہمیں اپنی ترجیحات کا تعین کرنا ضروری ہے۔ الہامی ہدایات/تعلیمات کو

حقوق نسواں کے موضوع پر ایک گونہ فوقیت حاصل ہے۔''

چند متفرق اعتراضات کا جائزہ:

گزشتہ صفحات/ ابواب میں ان اعتراضات اور شکوک وشبہات کا جائزہ لیتے ہوئے، ایک صحیح الفکر انسان کو مساوات مرد وزن کے حامی لوگوں کی تحریروں کے دو پہلو بہت اہم نظر آتے ہیں چاہے ان کا تعلق مغرب سے ہو یا مشرق سے۔

اولاً: یہ امر بہت اہم ہے کہ وہ تمام ایک ہی قسم کے اعتراضات اور شکوک وشبہات کا نہایت ہم آہنگی کے ساتھ ہم زبان بلکہ ''ہم الفاظ'' ہو کر اظہار کرتے ہیں۔ اس ''فکری اور الفاظی ہم آہنگی'' کا منبع ومصدر کیا ہے جو یک زبان ہیں فقیہان حرم میرے خلاف؟

ثانیاً: اس قسم کے تمام تر اعتراضات کو بار بار دہرایا بلکہ سہ بارسے بھی زیادہ بیان کیا جاتا ہے؟ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے ان خیالات کے بارے میں کسی دوسرے فرد کی رائے یا خیال کا مطالعہ ہی نہیں کیا یا وہ ان دلائل سے جان بوجھ کر صرفِ نظر کر رہے ہیں۔ ایسے تمام اہل علم کا بار بار کسی امر پر تکرار، ایک جیسے دلائل اور الفاظ کے ساتھ، قابلِ فہم قرار نہیں دیا جاسکتا!

ہر ایک بات پہ کہتے ہو کہ تو کیا ہے؟
تمہی کہو کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے؟

اس ضمن میں ایک اور اہم پہلو جس کو واضح کرنا ضروری ہے (کہ شاید غیر شعوری طور پر) وہ بہت سے موضوعات ایک وقت ہی میں چھیڑ دیتے ہیں۔ بجائے اس علمی طریق کار اور انداز کہ پہلے ایک مسئلے کو بیان کیا جائے، اس کے حق میں دلائل دیئے جائیں اور اس کا جواب حاصل ہونے پر دوسرے موضوع کو لیا جائے اور اس پر سیر حاصل گفتگو اور جواب کو تحمل سے سن کر اسے قبول یا رد کیا جائے۔ ہم نے نہایت دیانت داری سے یہ محسوس کیا ہے کہ وہ ایک موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے کسی دوسرے موضوع پر بحث کا آغاز کر دیتے ہیں (ہم اس کی چند مثالیں متعلقہ موقع پر بھی دیں گے)۔ طبقہ نسواں کی تحقیر کے موضوع پر گفتگو

کرتے ہوئے اکثر و بیشتر آدم کی پسلی سے حوا کی پیدائش کا ذکر بار بار آتا ہے۔

اسی طرح کی ایک نمایاں مثال عارفہ فرید (ان کے تمام تر عزت واحترام اور علمی مقام ومرتبہ کوملحوظ خاطر رکھتے ہوئے) کی کتاب کے انٹروڈکشن (اشاعت دوم ۲۰۰۶ء) کی دی جاسکتی ہے۔ جس جگہ انہوں نے مختلف ادیان کا تقابلی جائزہ قرآن وسنت سے کیا ہے تو وہاں انہوں نے تحریر کیا کہ ''بہت سے مذاہب میں مذہبی تحریروں کو لکھنے والے مرد حضرات رہے ہیں جنہوں نے اپنی ایسی تحریروں میں (مردانہ) برتری اور فوقیت کو برقرار رکھا ہے۔'' یہاں انہوں نے یک لخت ایک ایسا موقف (U-turn) اختیار کیا اور متعدد سوالات کا سلسلہ چھیڑ دیا کہ ''کیا اسلام میں بھی ایسا ہوا ہے؟ کیا ماضی میں ایسی خواتین کا سراغ ملتا ہے جنہوں نے قرآن وسنت کی تشریح کی ہو؟ اور مزید یہ کہ ''اگر ایسا ہے تو پھر کیا امت مسلمہ نے مرد اور خواتین سمیت ان کے خیالات کو پذیرائی بخشی ہے؟ کیا اسلام میں ایسی خواتین کا پتہ چلتا ہے جنہیں امت بشمول مردوں کے ایک بڑے طبقے نے روحانی پیشوا کے طور پر قبول کیا ہو؟ اور اگر ایسا ہے تو کیا آج بھی کوئی خاتون اس قسم کا کردار ادا کرسکتی ہے جسے امت تسلیم کرلے؟''

درج بالا سوالات (بوچھاڑ کی شکل میں) کرنے کے بعد جب وہ خواتین کی مختلف مذاہب میں پسماندگی اور تحقیر آمیز حالت کا ذکر کرتی ہیں تو دوبارہ انہوں نے اس امر کا اعادہ کیا کہ: ''اسلام نے بھی جزوی یا مکمل طور پر مرد وزن کے اختلاط پر پابندی لگائی ہے جو آج بھی برقرار رہے جیسا کہ دیگر مذاہب اور تہذیبوں میں ماضی میں پایا جاتا تھا____'' ان تمام سوالات پر جو ایک ہی سانس میں یکے بعد دیگرے کردیئے گئے ہیں، جب ہم غور کرتے ہیں تو ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ان کا اس تحریر سے کیا مقصد ہے؟ تاہم ہم ان موضوعات پر یکے بعد دیگرے گفتگو کریں گے۔

۱۔ باہمی اختلاط اصناف:

اگر ہم پر محترمہ عارفہ فرید صاحبہ کی گزشتہ صفحات میں کسی عبارت کو توڑ موڑ کر بیان

کرنے کا الزام نہ لگایا جائے تو ہم اُس تحریر کو ایک بار پھر ذہنوں میں تازہ کرانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے لکھا کہ: ''زمانۂ حال میں زندگی کے بدلتے ہوئے حالات واقعات نے مسلمان خواتین کو اس حد تک مجبور کر دیا ہے کہ وہ گھریلو خاندانی حالات، خاوند کی خدمت، بچوں کی پیدائش اور پالنا پوسنا اور **اپنی عزت وعصمت کی حفاظت کے بکھیڑوں** سے نجات (Liberty) حاصل کرے___'' چونکہ عورت کو گھریلو امور کی تندہی سے سرانجام دینے کی وکالت چند تنگ نظر علماء کی جانب سے کی جاتی ہے تو ان حالات میں یہ امر بہت ضروری بن جاتا ہے کہ عورتوں کو بھی قرآن وسنت کی تعبیر وتشریح کا حق/ اتھارٹی حاصل ہو۔ اس ضمن میں انہوں نے ڈاکٹر اسرار احمد کی ایک کتاب (۱۹۸۴ء) کا حوالہ دیا ہے (تاہم ہمارے سامنے اس وقت اس کتاب کا ۲۰۰۶ء کا ایڈیشن ہے)۔ ڈاکٹر اسرار کے موقف پر مزید گفتگو کرتے ہوئے جس میں انہوں نے امہات المومنینؓ کو مسلمان عورتوں کے لیے قابل تقلید کردار (Role Model) قرار دیا ہے۔ عارفہ فرید نے ان کے اس موقف پر تنقید کرتے ہوئے اللہ کے رسولؐ کو مسلمانوں کے لیے قرآنی تعلیمات (سورہ الاحزاب ۳۳) کے مطابق۔ قابل تقلید ماڈل کی وضاحت کرتے ہوئے بہت تفصیل کے ساتھ گفتگو کی ہے۔ ہم یہاں ڈاکٹر اسرار کے موقف کی تائید وتصویب کیے بغیر کہ ہم اپنے موضوع سے تجاوز کرنا نہیں چاہتے۔ تاہم یہ کہنا ضرور چاہیں گے کہ ان کا منشاء ہرگز وہ نہیں جو عارفہ فرید صاحبہ نے سمجھا ہے کیونکہ کوئی بھی صاحب ایمان شخص اس امر کی جسارت نہیں کرسکتا کہ رسولؐ اللہ کے اسوۂ حسنہ کو انسانیت کے لیے ایک بہترین نمونہ کے طور پر کم تر ثابت کرے۔ اور انہوں نے اس امر کو بہت واضح انداز میں بیان بھی کر دیا ہے۔ محترمہ نے اسرار احمد پر یہ الزام بھی لگایا ہے کہ انہوں نے مسلم خواتین کو گھر کی چار دیواری میں قید کرنے کو ہندووانہ کلچر اور تہذیب کی بازگشت قرار دیا ہے جو برصغیر ہندو پاک میں ہزار سال تک ہندوؤں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے مسلم معاشرے میں در آیا ہے۔ موصوفہ کے بقول چونکہ ہندوازم میں عورت کو خاوند کی خدمت کے لیے زندہ رہنے اور اس کی موت پر اس کے ساتھ مر جانے ہی بطور ''ساوتری یا

پتی ورتا' اورستی کی رسم (خاوند کے ساتھ مرجانا)' ہی کو قابل تقلید کردار قرار دیا گیا ہے جس کی نقل میں مسلم عورت کو بھی گھر میں قید کرنے (اختلاط مردوزن سے پرہیز) کی ہدایت کی گئی ہے! تاہم اپنے موقف کی تائید میں گفتگو کرتے ہوئے وہ اس حد تک جذبات سے مغلوب ہوگئیں کہ انہوں نے امہات المومنینؓ کے اس من موہنے کردار کی بھی نفی کردی اور مختلف امہات کی مثالیں دیتے ہوئے یہاں تک کہہ گئیں کہ **"پیغمبرؐخدا کے زمانے کے گھریلو/ خاندانی معاملات کو موجودہ زمانے کے حالات پر چسپاں کرنا شاید مناسب نہ ہو"۔ "اور شاید موجودہ زمانے کی خواتین کے لیے یہ ممکن بھی نہ ہو کہ وہ اپنی زندگی میں ایسی خواتین سے جو رسولؐ خدا کی ازواج تھیں کوئی ایسا مناسب سبق وفا، محبت اور خدمت گزاری کا سیکھیں جو مختلف طبائع (Taste)، کلچر اور مزاج (Temperaments) کی حامل تھیں۔"**

ان کی درج بالا تحریر سے کیا کوئی ان سے یہ پوچھنے کی جسارت کرسکتا ہے کہ کیا ان کی یہ تمام تر تحریر طبقہ نسواں (اور اس ضمن میں ازواجؓ مطہرات) کے درجے کو کم تر ثابت کرنے کے زمرے میں نہیں آتا؟ ــــ کیا اس عبارت سے یہ اخذ کیا جائے کہ آج کے دور میں مختلف عمر کی خواتین کے لیے مختلف عمروں کی امہات المومنینؓ کی زندگی سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا جاسکتا؟ یہ امر مبنی برحقیقت ہے کہ مختلف عمروں کی ازواجؓ نبی دراصل آپؐ کے زندگی کے مشن دعوت اسلام کی ترویج و اشاعت کے مقصد عظیم میں مدو معاون تھیں جن سے ہر عمر کی عورت (نوجوان، کنواری، شادی شدہ، مطلقہ، بیوہ، بوڑھی) نے اپنے اپنے طور پر پیغمبرؐخدا کے وصال کے بعد بھی استفادہ جاری رکھا۔ (باب ہفتم)

دراصل پیغمبرؐخدا کا مختلف عمر کی خواتین سے شادی کرنے میں اولین اور اہم ترین مقصد ہی یہ تھا کہ آپؐ نے ان کی تعلیم و تربیت اس انداز میں فرمائی کہ ان سے دیہی، اَن پڑھ خواتین، شہری، بڑی عمر کی عورتیں، جوان/شادی شدہ و دیگر استفادہ کرسکیں۔ (نعیم صدیقی ۱۹۹۰ء، صفی الرحمن مبارکپوری ۱۹۹۵ء)۔ تمام ازواجِؓ مطہرات نے اس فریضے کو

بخوبی سرانجام دیا بالخصوص ان مخصوص امور میں جن کا تعلق خواتین کی ذاتی ر پرائیویٹ زندگی سے ہوتا ہے جو کسی بھی غیر مرد سے پوچھے نہیں جا سکتے۔ اس کتاب کے باب ہفتم میں ہم نے ازواجؓ مطہرات اور دیگر صحابیاتؓ کے اس تعلیمی اور تربیتی کردار کی بہت حد تک وضاحت کی ہے۔ پس ایسے حالات میں یہ دعویٰ ہرگز غلط نہ ہوگا کہ پیغمبرؐ خدا کا گھرانہ انسانوں پر مشتمل تھا۔ خاندانی زندگی میں تلخیاں، ناراضگی کا ہونا ایک فطری امر ہے۔ تاہم یہ امر بھی ذہن میں رکھنا بہت ضروری ہے کہ ایسے کسی بھی واقعے سے آپؐ کی وہ داعیانہ زندگی کبھی بھی متاثر نہیں ہوئی جس کارِ عظیم کی انجام دہی کے لیے آپؐ کی بعثت ہوئی تھی اور یہ امر امہات المومنینؓ کی روحانی زندگی کا منہ بولتا ثبوت ہے جس کی پیروی قیامت تک کے لیے آنے والی خواتین (نیز مرد بھی) کرنے کے پابند ہیں۔ تاہم اگر ہم پر جذباتی ہونے کی پھبتی یا الزام نہ لگایا جائے تو کیا ہم یہ سوال کر سکتے ہیں کہ دنیا کی تمام اگر خواتین میں اس درجہ کی اعلیٰ ترین دین دار، متقی و پرہیزگار اور فرض شناس خواتین کا اسوۂ حسنہ بھی ہمارے لیے قابل تقلید نہیں تو پھر کونسا ایسا انوکھا عمل ہے جو اس ضرورت کو پورا کر سکے؟ اور مزید یہ کہ کیا ان کا یہ موقف، طبقہ اناث کی تحقیر کے زمرے میں نہیں آتا؟____ یہ مذہبی جذبات کا سوال نہیں بلکہ یہ ایک ایسا سیدھا سادہ سوال ہے جس کا جواب بھی ان لوگوں کو اسی سادہ اور مبنی بر دیانت انداز سے دیا جانا ضروری ہے جو امہات المومنینؓ کو اپنے لیے قابل تقلید نہیں سمجھتے۔ تاہم انہیں حقوق نسواں کے جھنڈے تلے عورتوں کی برتری کے علمبردار ہونے کا بھی دعویٰ ہے!

پھر ان کا یہ دعوی بھی محل نظر ہے کہ رسولؐ خدا کے زمانے میں امہات المومنین کے گھروں میں پرانے طرز رہائش کے تحت زندگی گزارنے کے طریقے اور موجودہ زمانے میں مسلم خواتین (شاید جدید معاشرے کی خواتین کا متمول ترین طبقہ) ان سے ذاتی طور پر خدمت، محبت اور حسن سلوک کا کوئی سبق سیکھنے سے قاصر ہے کہ امہاتؓ المومنین مختلف عمروں، مزاج اور قبائلی رسم و رواج (کلچر) سے تعلق رکھتی تھیں'' کیا موجودہ زمانے کی

خواتین کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنے خاوندوں سے اس طرح محبت اور حسن سلوک کا مظاہرہ کریں جس طرح محمد رسول ﷺ اللہ کی ازواج ؓ کا حسن عمل ہے؟ کیا زمانۂ جدید کی موجودہ خواتین کا یہ المیہ نہیں اور کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنے خاوندوں کی دوسری بیوی/سوکن کے ساتھ محبت اور حسن سلوک کے ساتھ گزارہ کر سکیں کہ فی زمانہ اس ملک اور دوسری جگہوں پر اکثر روشن خیال سیاست دانوں اور دانشوروں نے ایک سے زائد شادیاں کی ہوئی ہیں؟____ کیا موجودہ زمانے کی خواتین کی بنیادی گھریلو ذمہ داریاں حضورؐ کے زمانے کی خواتین کی گھریلو ذمہ داریوں سے بہت مختلف تھیں کہ انہیں اپنانا نہایت مشکل ہے؟ **البتہ یہ ہے کہ موجودہ زمانے کی خواتین کو مفت میں بڑے بڑے سرکاری بنگلوں کی سہولتوں میں رہنے کی بناء پر نوکروں کی فوج درفوج تعداد اور کاروں کے ایک بڑے فلیٹ کی نگرانی کرنی ہوتی ہے؟**____ کیا موجودہ دور کی اس روشن خیال طبقے سے تعلق رکھنے والی خواتین کی ایک مثال بھی پیش کی جا سکتی ہے جس میں انہوں نے ذاتی عیش و آرام کی قربانی دی ہو، خدمت اور محبت کے اس حسن سلوک کا مظاہرہ کیا ہو جو اللہ کے رسولؐ کی ازواج ؓ نے اپنی زندگیوں میں کیا تھا؟____ یہ سب کچھ جذباتیت کا نتیجہ نہیں بلکہ زندگی کے وہ حقائق ہیں کہ وہ تمام ازواج ؓ شام کے وقت ایک جگہ اکٹھی ہوتی ہیں اور اپنے خاوند کی موجودگی میں مختلف مسائل اور امور پر باہمی گفتگو کرتی ہیں لیکن شاذ ہی ایسا ہوا کہ وہ کسی (معمولی سی) بات پر بھی لڑی جھگڑی ہوں جس طرح کہ موجودہ دور کی عیش و عشرت کے ساتھ زندگی گزارنے والی عورتوں کا ایک عام چلن ہے!

تاہم ہم اس وقت ایک قلبی اور روحانی حالت افسوس سے دوچار ہو کر رہ گئے جب یہ پتہ چلا کہ موجودہ پڑھی لکھی خواتین کو امہات ؓ کے طرز رہائش اور بود و باش بارے میں شکوک و شبہات ہیں۔ یہاں ذکر ایک ایسی خاتون (حضرت خدیجہ ؓ، جن پر ہم قربان ہوں) کے تجربہ اور عملی زندگی کا ہے، جنہوں نے اپنے والد کی وفات کے بعد ایک عرصہ تک بہت بڑی تجارت کو سنبھالا۔ ان کے تجارتی کاروبار کی وسعت کی اندازہ تو اس امر سے لگایا جا سکتا

ہے کہ ان کا مالِ تجارت، تمام قریشِ مکہ کے مجموعی سامان سے زیادہ ہوا کرتا تھا۔ پھر ان کے تجربے اور مہارت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوسکتا ہے کہ انہوں نے اپنے اس وسیع و عریض تجارتی کاروبار کے لیے ایک ایسے دیانت دار فرد کا انتخاب کیا جبکہ ابھی آپ (منصبِ نبوت پر سرفراز نہیں ہوئے تھے) جو تجارتی قافلے میں سیدہ کا مال لے کر بیرونِ مکہ جا سکیں؟___ کیا یہ امر سیدہؓ کے کاروبار کو سنبھالنے کی ماہرانہ اور مبنی بر حکمت صلاحیت کا منہ بولتا ثبوت نہیں کہ انہوں نے ۵۰ سال کی عمر گزرنے پر جبکہ وہ خود دو خاوندوں کی بیوہ تھیں اور ان کے بچوں کی پرورش و نگہداشت کی ذمہ دار تھیں بطور ماں، انہوں نے اپنی حسن کارکردگی، محبت اور جذبہ خدمت کے بھرپور استعمال سے اپنے خاوند (محمدؐ جو اپنی عمر ۲۵ سالہ کی بھرپور زندگی کے دور سے گزر رہے تھے) کی ایک اعلیٰ اور اچھوتی مثال پیش کی جس کی نظیر تاریخ انسانیت میں ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتی۔ انہوں نے اپنے حسنِ عمل اور جذبۂ محبت و خدمت سے سرشار ہو کر اپنے خاوند کی خدمت اور فرمانبرداری نیز بچوں کی پرورش، تعلیم اور تربیت کے لیے اس طرح بے لوث خدمت سرانجام دی کہ آپؐ کی زندگی کا اولین اور اہم ترین مقصد تبلیغ دین کا فریضۂ خداوندی، کسی صورت بھی متاثر نہ ہوسکا۔ کیا ہم مساوات مرد و زن کی حامی اپنی بہنوں کی توجہ ان سنہرے الفاظ کی جانب مبذول کرا سکتے ہیں جب ان کا محبوب شوہر، غارِ حرا سے منصب نبوت پر سرفراز ہو کر گھبراہٹ اور پریشانی کے عالم میں گھر لوٹ کر آیا تھا؟ ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ گھریلو امور کی سرانجام دہی کے لیے کس قسم کی صلاحیتوں (Management Skills) کا مطالبہ موجودہ دور کی خواتین، ازواجِ مطہراتؓ سے چاہتی ہیں؟___ **خامۂ بے نوا، ادب سے سر جھکا امہات المومنینؓ، عالم انسانیت کا وہ بیش بہا خزینہ ہیں جو قیامت تک آنے والی خواتین کے لیے نہ صرف موجودہ دنیاوی زندگی گزارنے کا بہترین لائحہ عمل ہے بلکہ ان کا اتباع آخرت میں بھی رضائے الٰہی کا سبب ہے!**

اب ہم اس سوال کی جانب آتے ہیں کہ کیا موجودہ دور کی خواتین قرآنی تعبیر و تشریح

کی اہل ہیں؟ اس کے علاوہ Arifa Farid (۲۰۰۶ء) نے مزید ایک اور سوال بھی کیا ہے کہ: ''کیا بالعموم اسلامی تاریخ کے کسی دور میں عورتوں کو اخلاقی، روحانی اور دینی معلومات کی بناء پر مساوی حق حاصل رہا ہے؟''___ اپنے اس موقف کی مزید وضاحت کرتے ہوئے موصوفہ نے فرمایا کہ: ''ان چند خواتین کے علاوہ جن کا ذکر گزشتہ صفحات میں کیا گیا ہمیں کسی ایسی عالمہ کا سراغ، تمام اسلامی تاریخ میں نہیں ملتا۔ تاہم یہ امر قابل یقین نہیں کہ بعد میں آنے والے ادوار میں کوئی خاتون بھی علمی استعداد اور مہارت سے بہرہ مند نہ ہو۔ بظاہر ایسی خواتین کو پذیرائی نصیب نہیں ہوئی اور ان کی خدمات کو سراہا نہیں گیا اور ان کے افکار وخیالات کو وہ شہرت نصیب نہ ہوئی یا ان کی اشاعت نہ ہوسکی۔ تاہم کبھی کبھار ہمیں کسی صوفی منش خاتون کا پتہ چل جاتا ہے۔ لیکن شاید خواتین سے منسوب کسی صوفیانہ سلسلے (Mystic Order) کا سراغ نہیں ملتا، (جیسا کہ مردوں کے نام سے مختلف سلسلے پائے جاتے ہیں)۔'' تاہم انہوں نے صراحت کی حضرت عائشہؓ کے علاوہ ہمیں کسی دوسری خاتون فقیہ یا مذہبی تعلیمات کی راہ نما خاتون کا پتہ نہیں چلتا۔''

جیسا کہ ہم نے گزشتہ صفحات میں واضح کیا ہے کہ **اسلامی تعلیمات کی رو سے کسی شخص (مرد اور عورت) پر قرآن وسنت کی تعلیم حاصل کرنے پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں** بلکہ اسے فریضہ قرار دیا گیا ہے اور یوں ہر کسی کے لیے بھی روحانی مقام حاصل کرنے کے لیے آسانی ہے...... بلکہ اسلام کے اولین دور میں تو ہمیں بکثرت ایسی عالمہ خواتین کے نام ملتے ہیں جو اپنی قرآن فہمی اور حدیث میں بصیرت نیز تقوی کی بناء پر ایک اعلیٰ مقام پر فائز ہوگئی تھیں۔ اور اس امر سے بھی ہر خاص وعام آگاہ ہے کہ ایسی خواتین کے خیالات اور آراء کو امت میں ہمیشہ پذیرائی حاصل ہوئی اور ان کے خیالات سے سے اکثر جید صحابہ کرامؓ نے استفادہ کیا۔ اس ضمن میں ازواج نبی کریمؐ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا نام نامی تو ایک بہت ہی نمایاں مثال ہے کہ سیّدہؓ سے ایک بڑی تعداد میں احادیث کی روایت کی گئی ہے۔ اور یہ وہ مقام ہے جو بہت سے صحابہ کرام کو حاصل نہ ہوسکا۔

سیدہؓ کا فہم قرآن اور احادیث اس قدر مستند ہے کہ سیدہؓ نے متعدد جید صحابہ کرامؓ کے خیالات اور آراء سے اختلاف فرمایا (مثلاً حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، اور حضرت ابو ہریرہؓ) جنہوں نے نہ صرف اپنے خیالات وآراء سے رجوع کرلیا بلکہ سیدہؓ کی رائے سے اتفاق بھی کیا۔ اگرچہ ہم نے نہایت اختصار کے ساتھ سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے فہم دین کا ہی ذکر کیا ہے تاہم اس دور میں ہمیں خواتین کا ایک ایسا سلسلة الذہب نظر آتا ہے جنہیں قرآن وحدیث کا نہایت عمیق فہم حاصل تھا۔ اور ان تمام کی آراء سے امت کے متعدد مردوں نے اتفاق کیا تھا۔ **(اس کتاب کا باب ہشتم، اس موضوع کے لیے کلیتاً وقف ہے)**۔ جبکہ صحابیاتؓ کی ایک معتد بہ تعداد کے علاوہ، عام خواتین (گھریلو، بدوی، قصبوں سے تعلق رکھنے والی اور باندیاں) بھی اس قدر حامل فہم دین ہوگئی تھیں کہ انہوں نے اسلامی قانون کی ترویج واشاعت اور نفاذ میں نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ ام ورقہؓ نامی ایک خاتون صحابیہؓ تھیں جنہیں حضور اکرمؐ نے ازخود اجازت مرحمت فرمائی تھی کہ وہ اپنے اہل خانہ کو نماز کی امامت کرائیں۔ (ابوداؤد)

اسی طرح صحیح مسلم اور بخاری میں روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے درس قرآن دیا۔ اس پر بنو اسد قبیلے کی ایک عام خاتون/صحابیہؓ نے کہا کہ ''میں نے قرآن میں جو کچھ بیان ہوا ہے، پڑھا ہے لیکن اس میں مجھے وہ بات/معنی نظر نہیں آئے جو آپؐ نے بیان کیے ہیں۔'' اسی طرح کی ایک مثال ایک بوڑھی خاتون صحابیہؓ کی بھی ہے جنہوں نے خلیفہ دوم (حضرت عمر فاروقؓ) سے اس امر سے اختلاف کیا جب آنجنابؓ مہر کی مقدار پر پابندی لگانا چاہتے تھے۔ تاہم ان صحابیہؓ کے اعتراض پر آپؓ نے اپنی رائے سے رجوع کرلیا۔

قرآن کریم کی اس طرح تشریح وتعبیر کے اس مختصر ذکر سے یہ اخذ کرنا چنداں مشکل نہیں کہ اسلام میں دین سیکھنے اور سکھانے پر کسی کی اجارہ داری نہیں۔ مزید براں، اسلامی تعلیمات کی رو سے مردوں پر بھی کوئی پابندی نہیں کہ صنفی تفاوت کی بناء پر وہ حکمت ودانائی

کی راہ نمائی کو قبول کرنے سے اجتناب کریں۔ اس ضمن میں حکمت، مومن کی گم شدہ متاع ہے، کا سنہرا اصول پیش نظر رہنا ضروری ہے کہ مومن اسے جہاں سے پاتا ہے، حاصل کرنے میں کسی قسم کی رکاوٹ کا خیال نہیں کرتا اور اسے دل وجان سے قبول کر لیتا ہے۔

قبل ازیں کہ ہم اس موضوع پر گفتگو کو ختم کریں، ضروری محسوس ہوتا ہے کہ ایک مزید سوال کا جواب بھی دیا جائے کہ عہد نامہ قدیم وجدید میں تحریف و تنسیخ کا عمل، یہودی اور نصرانی مذہبی لیڈروں نے اپنے ذہنی تحفظات کے ساتھ کیا۔ کیا اسلام میں بھی ایسی صورت حال ہے؟ اگرچہ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ دیگر ادیان میں اس قسم کی جسارت ضرور کی گئی ہے۔ تاہم اسلامی تعلیمات اس قسم کی کسی بھی ریشہ دوانیوں سے محفوظ اور مامون رہی ہے۔ عرب میں اسلام کے ابتدائی دور سے ہی قرآنی تعلیمات اور روایات (احادیث) نے مسلم امت کا بحیثیت مجموعی ذہن اس قسم کا بنادیا تھا کہ وہ تمام خواتین کے حقوق کے پاسبان اور ذمہ دار بن گئے تھے۔ قرآنی تعلیمات کی من مانی تشریح وتعبیر کا حق کسی شخص کو بھی حاصل نہ تھا۔ تاریخ انسانیت میں کوئی مثال بھی ڈھونڈنے سے نہیں ملتی جہاں کسی فرد نے اس قسم کی من مانی کوشش کی ہو۔ اپنے اس دعویٰ کی تصدیق کے لیے ہم کسی بھی شخص کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ قرآن کریم کی کسی بھی ایسی آیت کا انتخاب کرے جو خواتین کے مسائل رحقوق سے متعلق ہوں اور اس ترجمہ تشریح کا مختلف اور متعدد وتفاسیر سے از خود تقابلی جائزہ لے جو گزشتہ چودہ صدیوں میں لکھی گئی ہیں۔ انہیں ان تمام تراجم وتفاسیر میں ایک حیرت انگیز مماثلث اور ہم آہنگی نظر آئے گی۔ (محمد آفتاب خان اور اکبری ۲۰۱۲ء)____ کیا ہم اس مفروضے کو تسلیم کرلیں کہ تاریخ کے اس طویل دور میں یہ تمام تر یکسانیت اور ہم آہنگی صرف اور صرف طبقہ نسواں کی عصبیت یا حقارت کی بناء پر تھی، اس بناء پر یہ دعویٰ اور خیال ایک نہایت جاہلانہ بات ہوگی۔ تاہم جہاں تک کسی صوفیانہ مکتب فکر کا چند خواتین کے نام کے ساتھ منسوب ہونے کا تعلق ہے تو یہ سوال سرے سے ہی کسی توجہ کے قابل نہیں۔ **کیونکہ کسی بھی صوفیانہ مکتب فکر کا وجود (چاہے وہ کسی مرد یا کسی عورت کے نام سے منسوب**

ہے)، **کسی الہامی حیثیت کا حامل نہیں**___ ہمارا یہ موقف عین ان تعلیمات کے مطابق ہے جو قرآن وسنت سے ہمیں حاصل ہوئی ہیں کہ اس قسم کے کسی ادارے/ وجود کے بارے میں کسی بھی انسان سے ان کو ماننے یا انکار کرنے پر آخرت میں کوئی سوال پوچھا جائے گا۔ تاہم ہم نے اس موضوع پر مزید گزارشات اس کتاب میں کسی دوسری جگہ پر کی ہیں۔ (باب نہم)

مردوزن کے اختلاطِ باہمی کے مضمرات:

مساوات مردوزن کے حامی لوگوں کے لیے مردوزن کا باہمی اختلاط بھی بہت بڑے مسائل میں سے ایک ہے۔ پہلے ہم ان کے خیالات سے آگہی حاصل کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا خیال ہے کہ ''عورتوں کی جنسی جبلت، مذہبی لوگوں کے لیے ہمیشہ سے ایک پریشان کن مسئلہ رہا ہے۔ مردوں کے جنسی جذبات کی تسکین کے لیے عورت ایک فریق ثانی کی حیثیت سے ہمیشہ سے موجود رہی ہے اور اس کی اس حیثیت سے (غیر فطری طور پر) ہمیشہ نفرت کرنے اور دور رہنے کو مذہبی اقدار میں اہم سمجھا گیا ہے۔ تاہم یہ ایک المیہ سے کم نہیں کہ مختلف مذاہب میں مردوں کے لیے عورت کے وجود کو جس کے لیے اس کی فطرت میں محبت کے فراواں جذبات پائے جاتے ہیں، کو بھی عورت سے نفرت وحقارت کا سبب گردانا گیا ہے۔ اور اس لیے اس جبلت کی وجہ سے اس کی تحقیر وتذلیل کا رویہ بھی اختیار کیا گیا ہے۔''(Arifa Farid: ۲۰۰۶ء)

اپنے ان خیالات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے، موصوفہ رقمطراز ہیں کہ: ''ایک عام مذہبی معاشرے میں عورت کو بطور بہن یا بیٹی ایک بوجھ سمجھا گیا ہے عورتوں کو ان کی اس جبلت کی بناء پر ان کے والدین اور دوسرے افراد خانہ بالخصوص بھائی اکثر وبیشتر، ذاتی/ خاندانی عزت ووقار کے لیے ایک خطرہ سمجھتے ہیں۔ والدین اور بھائیوں کے لیے اس کی عصمت وناموس کی حفاظت ایک ایسی بڑی ذمہ داری سمجھی جاتی رہی ہے جس سے وہ جلد از جلد عہدہ برآ ہونا ضروری سمجھتے ہیں۔ جس دن بھی وہ کسی کے ساتھ اس کی شادی کرنے سے،

قطع نظر اس کے کہ وہ رشتہ مناسب تھا یا غیر مناسب، اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو جاتے ہیں، تو وہ سب اپنے طور پر سکھ کا سانس لیتے ہیں؟''

اپنے اس موقف کی مزید وضاحت وہ بدیں الفاظ کرتی ہیں کہ: ''جہاں تک اخلاقی معیار کا تعلق ہے تو مسلم امہ کو اس امر میں کسی قسم کا کوئی اشکال نہیں کہ عورتوں کو اخلاق کے اعلیٰ معیار سے بہرہ ور ہونا چاہیے۔ خوش قسمتی کی بات ہے کہ مسلمان مرد، عورتوں کو ''دھوکہ باز'' یا ''بہلانے پھسلانے والی'' جیسے ذلیل ناموں سے نہیں پکارتے۔ تاہم وہ اس قسم کے تمام تر گناہوں کو نہایت نرمی کے ساتھ اپنی ذات کے ساتھ منسوب کر لیتے ہیں کہ عورت ذات، اپنے طور پر اس قسم کے الزامات سے بری الذمہ ہے لیکن مرد، اپنی جبلت جنسی کے طاقتور داعیہ کے تحت ان کی موجودگی میں از خود پھسل جاتے ہیں اور نہ صرف آمادۂ گناہ بلکہ ایسا کرنے پر مجبور بھی ہو جاتے ہیں۔ پس ہم اس قسم کے بے شمار لٹریچر سے آگاہ ہیں جہاں مردوں نے عورتوں کو اپنی خواہشات کے بھینٹ چڑھایا ہوا اور یہی وجہ ہے کہ بہت سے علماء عورتوں کے لیے حجاب/ پردہ چادر اور چار دیواری کو ضروری قرار دیتے ہیں کیونکہ ان کا خیال ہے کہ ان پابندیوں کے نہ ہونے کی وجہ گناہوں کا دروازہ کھل جاتا ہے جو بالآخر زنا جیسے قبیح گناہ کی شکل میں کسی معاشرے میں پھیل جاتا ہے۔''

اپنی اس تمام تر بحث کو وہ یوں سمیٹتی ہیں کہ مسلم اہل علم آج بھی انہی دلائل کا سہارا لیتے ہیں تاکہ عورتوں کو پردہ کا پابند کیا جائے اور یوں انہیں گھروں کے اندر رکھنے کا رواج بہت سے معاشروں اور ملکوں میں پایا جاتا ہے۔ تاہم جب ہم ان کے ان خیالات کا جائزہ لیتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ موصوفہ مختلف شکوک وشبہات میں مبتلا ہیں کہ:

O___ ''عورتوں کو معاشرے سے بالکل علیحدہ کرنے کو وہ طبقہ نسواں کی تحقیر گردانتی ہیں اور یوں ان کے کم تر حق کی شاکی ہیں۔''

O___ عورتوں کی علمت اور عفت، ان کے والدین اور دیگر رشتے داروں کے لیے خطرے کا باعث ہے۔

O___ عورتوں کے لیے عصمت وعفت کی حفاظت کے لیے پردہ کی پابندی کو وہ عورتوں کی غلامی قرار دیتی ہیں۔ اور اس بناء پر وہ اہل علم کو قدامت پسندی کے خطاب سے نوازتی ہیں کہ وہ ان کی عزت وعفت کو برقرار رکھنے کے لیے پردے کے حامی ہیں، بصورت دیگر معاشرے میں زنا کا گناہ عام ہو جائے گا۔

ہم ابھی تک، لڑکیوں کی شادی کے بارے میں والدین اور بھائیوں کی پریشانی اور فکر پر اس اعتراض کی حکمت سمجھنے سے قاصر ہیں۔ ہمیں تو یوں لگتا ہے جیسے مساواتِ مرد وزن کے حامی افراد اپنے موقف کی تائید میں ہر قسم کے زمینی حقائق اور واقعات کو نظر انداز کر دینے کے عادی ہیں۔ موجودہ معاشرہ جس میں آج کل ہم زندہ ہیں، وہ لڑکیوں کے بر کی تلاش میں ایک بہت بڑے مسئلے سے دوچار ہے۔ بدقسمتی سے عام مسلم معاشرہ (بلکہ اصل میں متمول ترین اور مڈل کلاس کی خواتین) نے بہت سے ہندووانہ اور مغربی معاشرت کے طور طریقے اختیار کیے ہوئے ہیں۔ ان رسم ورواج کے تحت بہت زیادہ جہیز کا مطالبہ، بنگلہ، کار وغیرہ لڑکیوں کی شادی کے لیے ایک بنیادی مطالبے کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔ اس طرح، جب لڑکوں کی بڑی عمر تک شادی نہیں ہوتی تو وہ مختلف غیر اخلاقی عادتوں کا شکار ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے معاشرے میں بہت سے سماجی مسائل جنم لیتے ہیں۔

ایسے حالات کے پیش نظر اگر والدین، اپنی بچیوں کی شادی پر اطمینان کی سانس نہ لیں تو اس پر تعجب اور حیرانی و پریشانی کیوں؟۔ یاد رہے کہ بچے (لڑکیاں) کبھی بھی اپنے ماں باپ پر گراں نہیں ہوتیں چاہے وہ کس قدر بھی غریب اور نادار ہوں۔ لیکن چونکہ شادی / نکاح کا ادارہ ایک ایسی فطری ضرورت ہے، اس لیے اس کے لیے پریشانی ایک فطری امر ہے۔ تاہم ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حامئ مساواتِ مرد وزن ایسے معاملات کو الجھا دینے کے عادی ہیں ان کے خیالات سے یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ وہ پردہ اور مرد وزن کے اختلاط کے روکنے کو عورتوں کی غلامی پر محمول کرتے ہیں اور ان سے نجات کو وہ طبقہ نسواں کی آزادی قرار دیتے ہیں کیونکہ ان کی نظر میں ایک دفعہ اگر عورتوں کو آزادی حاصل ہو جاتی ہے تو گویا کسی

شخص رفرد کو عورتوں کی اس جبلت کے بارے میں کسی فکر مندی کے اظہار کی ضرورت نہیں رہتی۔ اور یوں شادی/ نکاح کا ادارہ بھی شاید اپنی افادیت کھو بیٹھتا ہے۔

درج بالا کے برعکس خاندانی زندگی میں اسلام اس امر کا خواہاں ہے کہ خواتین اپنے گھریلو ماحول کو اس قدر خوشگوار اور آرام دہ نیز پر سکون بنا کر رکھیں کہ خاوند اور بچے اس ماحول میں فرحت محسوس کریں۔ مغرب میں اس ضرورت کو جان بوجھ کر نظر انداز کر دیا گیا ہے جبکہ کسی بھی ملک کے لیے اچھے شہریوں (دراصل مسلم افراد) کا وجود ایک خاتونِ خانہ کا مرہونِ منت ہے کیونکہ اس عظیم مقصد کے حصول کے لیے اسے اپنی جسم و جان کی تمام تر توانائیوں اور صلاحیتوں کو بروئے کار لانا ہوتا ہے۔ تاکہ مستقبل کے لیے ایک مہذب، تعلیم یافتہ اور روحانی جذبات سے سرشار نسل وجود میں آسکے۔

اس امر کا اکثر و بیشتر برملا اظہار کیا جاتا ہے کہ عورتوں کو اس طرح سے گھریلو امور میں مصروف کر کے ہم انہیں معاشرے کے دیگر اہم علمی، سماجی، تعلیمی، سیاسی امور اور ترقی کے کاموں میں ان کی شرکت سے محروم کر دیں گے۔ یہاں ہم ایک بار دوبارہ اپنے اس موقف کی وضاحت کریں گے کہ خواتین کو ایک ''معاشی مشین'' سمجھنے کے جدید رویے پر نظر ثانی کی ضرورت ہے کہ ان سے کسی مالی پیداوار (روپے ر پیسے) کی توقع کی جائے۔ اس تمام کے برعکس، خاندانی نظام کی تعمیر و تشکیل اور ترقی میں ان کے اس کردار کو نظر انداز کرنا ایک زیادتی کے مترادف ہے۔ یہ امر نام اور شہرت سے دور، ایک ایسی خدمت ہے جسے معاشی پیداوار کی ترازو میں تولنے سے احتراز کرنا چاہیے۔ ہمارا یہ سوال ہے کہ اگر وہ اس طرح ہمہ وقت گھریلو امور سرانجام نہ دے رہی ہوتی تو پھر اور کون اس کو سرانجام دیتا؟ مغرب میں ان کاموں کے لیے بچوں کے نگران (Baby Sitter) یا نرسریوں کا قیام عمل میں آیا ہے۔ تاہم وہاں ان تمام کاموں کو سرانجام دینے میں ان کی ماہانہ کمائی کا ایک بڑا حصہ ایسے لوگوں کے معاوضے کے طور پر ادا کرنا پڑتا ہے۔ امریکہ میں ایک غریب ماں کو اوسطاً اپنی ہفتہ وار آمدنی کا ۳۲ فی صد یعنی ۳/۱ حصہ بچوں کی حفاظت کے لیے خرچ کرنا پڑتا ہے۔ یہ رقم قریباً

دوگنی ہو جاتی ہے اگر دو بچوں کی پرورش کرائی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ بیشتر والدین اب بچوں کی پرورش کی نگرانی کرنے کے بغیر معاوضہ طریقوں پر کاربند ہو رہے ہیں جیسے ہمسایوں یا دیگر رشتے داروں کی نگرانی میں بچوں کو چھوڑنا(Schmitt Roth, 1994) لیکن ان طریقوں میں بھی قباحتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے مثلاً بچوں کے ساتھ جنسی تشدد کی شرح امریکہ میں بڑھ رہی ہے۔ آیئے اب ہم ایک خاتون کی رائے کا مطالعہ کریں جس نے اس موضوع پر تحقیق کی ہے کہ ''غیر شادی شدہ ماؤں(Unwed Mothers) کی لڑکیوں کی دیکھ بھال حفاظت کے ساتھ نہیں کی جاتی۔ ان میں سے کچھ کو ان گھروں میں ابتدائی دنوں ہی میں جنسی طور پر ہراساں اور تشدد کے عمل سے گزرنا پڑتا ہے۔ ان مکانوں میں ایسے لوگوں کے ہاتھوں جو ماں کے دوست(Boy Friend) یا نگرانی کرنے والے باپ (Play Daddies) ہوتے ہیں۔ پس عمر کے اس ابتدائی دور ہی سے وہ بچیاں جنسی طور پر ہراساں ہونے اور جنسی تجربات کا نشانہ بن جاتی ہیں ایسے لوگوں کے ہاتھوں جن سے اس عمر میں حفاظت کی توقع ہوتی ہے۔''(Barabara Dafoe Whitehead, 1994) پاکستان میں عصمت دری کے روزمرہ واقع ہونے والے واقعات ایسی عورتوں کے ساتھ ہی ہوتے ہیں جو بالعموم گھروں سے باہر کام کاج کے لیے نکلتی ہیں۔

یہاں اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ اسلام نے عورتوں کو معاشی دوڑ میں شرکت کرنے پر مطلقاً نہیں روکا۔ اس طرح وہ دیگر معاشرتی اور علمی سرگرمیوں میں بھی شرکت کرسکتی ہیں۔ تاہم اس قسم کی تمام تر امور سرانجام دینے میں خواتین کو اس اہم ترین فریضے سے غافل نہیں ہونا چاہیے جوان پر بطور مستقبل کی نسل کی تیاری کے معمارِ اولین کے طور پر عائد ہوتا ہے۔ اور اپنے جس عمل کے ذریعے انسانیت کی بھلائی اور ترقی کے لیے ان کی تخلیق کی گئی ہے۔ اسلام نے عورت کو گھر کی ملکہ کا درجہ عطا کیا ہے۔ اسے ایک نوکر جیسی حیثیت دے کر کام کاج کرانے کے لیے بیرونِ گھر جانے پر مجبور کرنا کسی صورت بھی ان کے شایانِ شان نہیں!

طبقہ نسواں کے ضمن میں ایک دوسرا پہلو جسے مساوات مرد وزن کے حامی بہت زیادہ اچھالتے ہیں وہ ان کی جنسی جبلت اور شادی کا مسئلہ ہے (جس کے بارے میں درج بالا صفحات میں بھی کچھ گفتگو کی گئی ہے) اگرچہ مغربی فلاسفر اور دانشوروں نے ماضی میں عورت کی عصمت وعفت کے تصور کو بہت حد تک عورت کے ذہنوں سے محو کرنے کی عملاً کوششیں کی ہیں۔ تاہم ان کے ذہنوں سے ابھی تک اس تصور کو مکمل طور پر ختم نہیں کیا جاسکا۔ مغرب میں بھی یہ امر بہت زیادہ حیرت کا مقام نہیں کہ وہاں بھی والدین اور خاندان کے دوسرے افراد، اپنی لڑکیوں/ بچیوں کی عصمت اور کنوارہ پن کو ایک قابل قدر خوبی سمجھتے ہیں اور وہاں بھی اس ''دقیانوسی ذہن کے والدین'' ابھی تک موجود ہیں جو اپنی بچیوں کی باقاعدہ شادی ہونے پر اطمینان کا سانس لیتے ہیں۔ ابھی اس امر کو ایک صدی سے زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ وہاں لڑکے اور لڑکیاں ایک دوسرے کو جاننے / تعارف (To Know Each Other) کے لیے شادی/ نکاح کے بغیر رہتے تھے۔ ایسے عالم میں دونوں افراد کو اس امر کی آزادی ہوتی تھی کہ وہ کسی وقت بھی اس تعلق کو ختم کر دیں اور ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں اور یہ حقیقت بھی بہت دور از کار مدت کی نہیں کہ جب سرکاری/ مذہبی طور پر ایک دوسرے کے ساتھ شادی کے بندھن میں بندھتے تھے تو ان دونوں کا اس بات کا علم ہوتا تھا کہ فریق ثانی کے کسی دوسرے فرد کے ساتھ ناجائز تعلق قائم تھا حتیٰ کہ یہ بھی جانتے تھے کہ لڑکی حاملہ بھی ہے۔

مغرب میں مساوات مرد وزن کے حامی اور دیگر آزاد خیال لوگ (شاید وطن عزیز میں بھی) دونوں اصناف کی پاکدامنی اور کنوار پن کو بہت زیادہ اہمیت دینے کے قائل نظر نہیں آتے۔ تاہم ہم اس حقیقت کو سمجھنے سے قاصر ہیں کہ وہ کیوں کر ایک ایسی مشہور ویب سائٹ کے ان مندرجات سے لاعلم ہیں کہ **''۲۵ فی صد ایسے سوالات جو ہمیں'' سکارلٹین (Scarlteen) '' پر پوچھے جاتے ہیں، ان کا تعلق کنوارپن (Virginity) سے ہوتا ہے** (واضح ہے کہ ایسے تمام تر سوالات کرنے والی لڑکیوں / عورتوں کا تعلق امریکہ اور یورپ سے ہی ہوتا ہے)۔ **شاید پاکستان اور دیگر ممالک کے**

لوگ اس حقیقت سے آشنا نہیں کہ نیشنل آنر سوسائٹی (National Honor Society. NHS) ایک امریکن تنظیم ہے۔ جس نے حال ہی میں بیشتر لڑکیوں کو اس ایوارڈ کے قابل نہیں سمجھا۔ انہوں نے واضح کیا کہ ''مستقبل میں خواتین کی لیڈر شپ کے لیے ایک ایسا اعلیٰ سٹینڈرڈ کا حامل ہونا ضروری ہے جنہیں اپنی زندگی میں شادی سے قبل پاکباز باعفت اور کنوارہ ہونا چاہیے۔ (بحوالہ Khan, M.A 2014)۔

امریکہ اور یورپ کے دیگر بیشتر مما لک میں بلوغت سے قبل حاملہ ہو جانا ایک بہت ہی سنجیدہ صورت اختیار کر گیا ہے۔ امریکہ میں قریباً ۱۰ لاکھ لڑکیاں ہر سال بلوغت سے قبل حاملہ ہو جاتی ہیں اور ان میں اکثریت ایسی ہوتی ہے جنہیں حمل کا پتہ نہیں چلتا (Anon, 1993)۔ مغرب اور امریکہ میں نابالغ بچیوں کے حاملہ ہونے اور اس کے سماجی، معاشی مضمرات کے بارے میں بے شمار لٹریچر اور اعداد و شمار موجود ہیں۔ اگرچہ مغربی لوگ اس خطرناک صورت حال سے آگاہ ہوتے جا رہے ہیں۔ تاہم بحیثیت مجموعی انہوں نے اس صورت حال سے مصالحت کر لی ہے تاہم مسلم مما لک میں مساوات مرد و زن کے حامی لوگوں سے **یہ سوال پوچھنا ضروری ہے کہ کیا وہ یہ صورت اپنی بچیوں کے لیے گوارا کریں گے؟ ہمیں یقین کامل ہے کہ لاکھوں لوگوں میں سے کوئی ایک بھی اس کا جواب اثبات میں نہیں دے سکتا۔ (محمد آفتاب خان ۲۰۲۱ء)**

اسلام میں مرد و زن کے لیے مختلف دائرہ کار تجویز کرنے کی دو اہم وجوہات ہیں۔ اولاً اور اہم ترین یہ کہ اس طرح انسانوں کی عصمت و عفت کی حفاظت ہوتی ہے۔ یہاں ہم دو ایسے محققین کے خیالات درج کرنا ضروری سمجھتے ہے جنہوں نے امریکہ میں سکینڈری سکول کی سطح پر پڑھنے والی لڑکیوں کے لیے علیحدہ سکولوں کی ضرورت پر تحقیق کی تھی۔ ان کے بقول ''لڑکیاں ہار جاتی ہیں اگرچہ وہ تعلیمی میدان میں چاہے جتنی بھی محنت کریں۔ لڑکوں کا بار بار تھوکنا، غیر معمولی باتونی پن، اور بار باران کی چوٹیوں کو کھینچنا (Tugs on

(ponytail) ایسے تکلیف دہ اعمال ہیں کہ وہ اپنی توجہ تعلیم پر مرکوز نہیں کر سکتیں۔ اور پریشان رہتی ہیں۔(Christine B. Whelan, 1998)۔اسی طرح ایک دوسرے سکالر نے کہا کہ ''مخلوط تعلیم لڑکیوں کے لیے نقصان کا باعث ہے کیونکہ اس سے لڑکیوں کی عزت نفس مجروح ہوتی ہے۔اس طرح ان کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے اور وہ تعلیم میں ترقی نہیں کر سکتیں۔یہی وجہ ہے کہ وہاں بہت سے والدین اپنی بچیوں کے لیے اس امر سے اتفاق کرتے ہیں اور خواہش مند ہیں کہ ان کی بچیوں کو لڑکوں کی ایذا رسانی اور دست درازیوں سے بچایا جائے۔''(Wendy Kaminer, 1998)

ہر دو اصناف کے درمیان علیحدگی کے تصور کے ضمن میں ضروری ہے کہ اس امر پر غور کیا جائے کہ ایک ایسے ماحول/ جگہ جہاں جواں لڑکے اور لڑکیاں (یا بالغ شادی شدہ مرد اور عورت) اکٹھے ایک دوسرے کے ساتھ تعلیمی اداروں میں پڑھتے ہیں، ایک دوسرے کے ساتھ آزادانہ ملتے جلتے رہتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ میل جول میں کسی قسم کی پابندی نہیں کرتے تو یہ ایک فطری عمل ہے کہ وہ اپنی جبلت کی وجہ سے ہر وقت ایک ہیجان کی کیفیت سے دوچار رہیں گے۔ یاد رہے کہ جبلت جنس، انسانوں میں ایک ایسا زور آور داعیہ ہے جو ان کی زندگی پر بہت بری طرح سے اثر انداز ہوتا ہے۔اور جب جنسی جذبے کی تسکین بے محابہ طریقے پر کی جائے جیسا کہ مغرب میں عام بات ہے تو پھر ایسی حالت میں انسانی زندگی کا معیار بہت بری طرح سے متاثر ہوتا ہے اور سماجی تانا بانا ٹوٹ جاتا ہے۔

ایک اور پہلو جو اگر چہ پہلے بھی زیر غور آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورت کو بہت نازک اور نفیس انداز (Delicate) میں تخلیق کیا ہے۔خواتین کی جسمانی حالت اس قابل نہیں ہوتی کہ وہ بہت زیادہ محنت اور مشقت برداشت کر سکیں۔ان کی بدنی اور طبعی حالت کو کسی صورت بھی ان کی کمزوری پر محمول نہیں کرنا چاہیے۔گھر کی ملکہ محنت کے کاموں کے لیے نہیں ہوتی بلکہ وہ تو اپنے خاوند اور بچوں کے دلوں پر حکمرانی کرنے کے لیے پیدا کی گئی

ہے تاکہ مستقبل کی تعمیر اور تشکیل کر سکے۔ اس حقیقت کو جاننے کے لیے کسی بھی ایسی ویب سائٹ کو دیکھا جا سکتا ہے جس میں ہزاروں ایسے جنسی حادثات/ واقعات روزانہ واقع ہوتے ہیں جو دنیا کی بلند ترین عمارتوں (Sky Scrapers) میں واقع دفاتر میں خواتین سیکرٹریوں، وکیلوں اور ہسپتالوں میں نرسوں کے ساتھ روا رکھے جاتے ان کے افسران اور مالکان کے ہاتھوں۔

کوئی ذی عقل انسان بھی اس امر سے انکار نہیں کر سکتا کہ عورت اور مرد کو اللہ تعالیٰ نے برابر کے طور پر رفیق کار بنایا ہے تاکہ وہ دونوں مل جل کر خاندانی نظام کی بنیاد ڈالیں لیکن اس مساواتِ صنفی کا ایک دوسرا پہلو یہ ہے کہ کیا ان دونوں کے لیے مساوی ہونے پر یہ امر بھی لازم ہے کہ دونوں کا دائرۂ کار بھی ایک ہو یعنی وہ دونوں شانہ بشانہ محنت مزدوری کا کام کریں اور کیا فطرت نے ان دونوں کو اکٹھے کام کرنے کے لیے پیدا کیا ہے؟ اس موضوع پر دیانت داری سے سوچنے پر جواب نفی میں ملتا ہے۔ بلوغت کے بعد عورت کو ہر ماہ ایک ایسی صورت حال سے دوچار ہونا پڑتا ہے جس کی وجہ سے وہ چند ایام کے لیے بیماری کی کیفیت میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ سے نہ صرف اس کی طبعی حالت میں ایک تبدیلی واقع ہوتی ہے بلکہ ذہنی طور پر بھی وہ پریشان اور تکلیف کے دور سے گزرتی ہے۔ اس کی طبیعت میں چڑچڑاپن پیدا ہو جاتا ہے، اس کی توجہ بٹ جاتی ہے اور وہ جذباتی طور پر ایک غیر معتدل صورت اختیار کر جاتی ہے ــــــ تاہم یہ تمام کچھ کسی ''کمزوری'' کی بنا پر نہیں ہوتا بلکہ عورت کی مخصوص جسمانی اعضاء کی ایک فطری صورت ہوتی ہے۔ ایک شادی شدہ عورت، جب حاملہ ہو جاتی ہے تو وضع حمل بلکہ اس کے بھی بہت عرصہ (۳، ۴ سال) تک اپنے بچے کی نرسنگ، پرورش اور نگہداشت کے لیے بھی اسے ضرورت ہوتی ہے کہ وہ آرام کے ساتھ گھر ہی میں رہے۔ یہ تمام فطری حالات اس کی زندگی پر بہت بری طرح سے اثر انداز ہوتے ہیں کہ وہ بیرون خانہ کسی قسم کا محنت اور مشقت کا کام سرانجام دینے کے قابل نہیں رہتی۔ کیا مساوات مرد و زن کے حامی افراد اس صورت حال کو عورت کی عزت و

احترام اور آزادی گردانتے ہیں؟ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے عورت کے نان نفقہ اور دیگر ضروریاتِ زندگی کی ذمہ داری مرد کے کاندھوں پر ڈالی ہے۔

اگرچہ گھریلو کاموں میں مشغولیت بھی کسی طرح مشقت اور محنت کی طالب ہوتی ہے تاہم گھر میں رہتے ہوئے اسے ستانے، آرام کرنے کے مواقع میسر ہوتے ہیں۔ پس ایسے حالات میں یوں کہنا بہت مناسب اور قرین انصاف ہے کہ خواتین سے گھریلو کاموں کے علاوہ بیرون خانہ نوکری کرنے کا مطالبہ کسی صورت بھی اس کے ساتھ زیادتی سے کم نہیں۔

باب ششم:

مستشرقین اور مساوات مرد وزن کے اعتراضات اور غلط فہمیاں

ایک صدی سے زائد عرصہ بیت گیا کہ مسلم ممالک میں، عام مسلمانوں اور معاشرے کے آزاد منش طبقے کے درمیان مختلف موضوعات پر ایک مباحثہ جاری ہے۔ آزاد سوچ کے حامل لوگ/عورتوں کو پردہ میں رکھنے پر معترض ہیں۔ اس طبقے کی خواتین نے ایک عرصہ ہوا پردے کو خیر باد کہہ دیا ہے اور ملکی سطح پر مختلف سماجی، سیاسی، معاشی اور زندگی کے ایسے شعبوں میں شریک کار رہیں جہاں بالعموم ان کی ضرورت نہیں۔ ان روشن خیال مسلمانوں اور ان کے ہمنواؤں نے اپنی زندگی کے لیے ایسے تمام مغربی طور طریقے اپنا لیے ہیں جہاں معاشی اور سماجی سطح پر عورتوں کو کسی قسم کی مخالفت یا پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ مسلم معاشرے میں پردہ بھی ان چند اہم موضوعات میں سے ہے جس پر مستشرقین کو بہت سے اعتراض ہیں۔ ہمارے پیش نظر روبن لیوی (Ruben Levy 1962) کی کتاب ہے۔ واضح رہے کہ یہ صاحب کیمبرج یونیورسٹی برطانیہ میں شعبہ فارسی کے پروفیسر تھے جن کی کتاب (The Social Structure of Islam) ہے۔ اگرچہ ایسی متعدد کتب بھی پائی جاتی ہیں جن میں مغربی اہل علم بہت سرگرمی کے ساتھ اسلام کے خلاف اس ''مقدس جنگ'' میں مصروف ہیں لیکن ایک شخص اس وقت بہت ہی آزردگی اور حالت افسوس میں مبتلا ہو جاتا ہے جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ آکسفورڈ اور کیمبرج جیسے علمی ادارے، ایسی کتب دھڑا دھڑ شائع کر رہے ہیں جن میں اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی کی ہوتی ہے۔ ہم حیرت میں ڈوب کر رہ جاتے ہیں کہ کوئی شخص چاہے جس حد تک آزاد خیالی کے مرض میں مبتلا ہو، تاہم صبر و سکون کی بھی ایک حد

ہوتی ہے جہاں جا کر ایک انسان کے جذبات برمشتمل ہو جاتے ہیں جب وہ تاریخی حقائق کے برعکس اور خلاف اسلام کتب کی اشاعت ان اور دیگر یونیورسٹیوں سے شائع ہوتے دیکھتا ہے۔ اس زمانے میں جبکہ ضرورت ہے کہ اسلام اور دیگر مذاہب سماوی کے درمیان ایک مفاہمت کی فضا قائم کی جائے کیونکہ الحادی قوتیں بہت تیزی کے ساتھ اپنے مقصد کے حصول کے لیے کوشاں ہیں۔ ایسے حالات میں مغربی مفکرین اور اہل علم کے لیے از حد ضروری ہے کہ ''تہذیبوں کے درمیان کشمکش'' کے اس دور میں اپنا تمام تر وزن مذاہبِ سماوی/الہامی کے پلڑے میں ڈالیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے درمیان ان تمام تر غلط فہمیوں اور غلط اعتراضات کی اس صدیوں پرانی ریت کو خیر باد کہہ دیں جو بزعم خود انھوں نے معروضی ریسرچ (Objective Research) کی نام نہاد اصطلاح کی آڑ میں شروع کی ہوئی ہے۔ اگرچہ آج امت کے اہل علم کے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ وہ اس قسم کے تمام اعتراضات اور شکوک وشبہات کا علمی انداز میں جائزہ لیں تاہم ہمارا المیہ یہ ہے کہ مسلم معاشرے کا ایک نام نہاد طبقہ بھی مغربی افکار سے متاثر ہو کر ہی نہیں بلکہ وفاداری بشرط استواری دین وایمان کے مطابق انہی خیالات وافکار کو نقل کرنے کے ذریعے مسلم معاشرے میں روشنی اور آزاد خیالی کے زعمِ باطل کے تحت پھیلانے میں مصروفِ عمل ہے۔ اگرچہ گزشتہ (باب پنجم) میں ہم نے ان چند اعتراضات پر بھی گفتگو کی ہے جو مساوات مرد وزن کے حامی افراد پردہ اور اس جیسے دیگر موضوعات پر کرتے رہتے ہیں لیکن اس باب میں ہم خاص کر ان موضوعات (پردہ، اختلاط مرد وزن، شادی وغیرہ) کے بارے میں چند مزید معروضات پیش کریں گے جو ماضی بعید میں مستشرقین کی جانب سے کیے گئے تھے اور جنہیں روبن لیوی نے نہایت چابکدستی اور وضاحت کے ساتھ اپنی درج بالا کتاب میں دوبارہ پیش کر دیا ہے۔ روبن لیوی کے مطابق:

(ا) قدیم زمانہ میں عرب میں دیہی/بدوی عورتوں اور شہری عورتوں کے درمیان پردہ کی نوعیت مختلف تھی۔ بدوی/قبائلی عورتیں بالعموم پردے کا اہتمام نہ کرتی تھیں اور وہاں

مرد و زن کے درمیان باہمی اختلاط/میل جول ہوا کرتا تھا جبکہ شہروں میں رہنے والی خواتین پردے کا اہتمام کرتی تھیں۔

(۲) پیغمبرؐ اسلام کے اپنے قبیلے قریش کی خواتین بھی پردہ کرتی تھیں۔

(۳) پیغمبرؐ اسلام نے اپنی ازواج، بیٹیوں اور دیگر مسلمان خواتین کو حکم دیا کہ بیرونی عناصر کی آنکھوں سے بچنے کے لیے وہ گھروں سے باہر جاتے وقت، پردہ کا اہتمام کریں۔ روبن لیوی کے بقول پیغمبرؐ اسلام کی خواہش تھی کہ قبیلہ قریش کی خواتین اس طرز عمل پر عمل پیرا ہوں تاہم حضرت عائشہؓ کی ایک بھتیجی/ بھانجی نے قبیلے کی اس روایت کو اپنے طور پر ماننے سے انکار کردیا اور اپنی آزادی کے اس حق کو استعمال کرتے ہوئے عام لوگوں کے سامنے اپنے خاوند کے تمام تر روکنے اور احتجاج کے باوجود بلا پردہ گئیں۔

(۴) پردہ کے ضمن ہی میں روبن لیوی نے ایک دلچسپ صورت بیان کی ہے جس کے تحت عورتوں کو مسجد میں جا کر نماز ادا کرنے پر بہت زور دیا ہے۔ اس ضمن میں اس نے واضح کیا کہ تیسری صدی ہجری تک بلکہ بعد میں بھی، مسلم خواتین مردوں کے **شانہ بشانہ** مساجد میں جا کر نماز ادا کرتی تھیں اور کسی قسم کا کوئی پردہ نہ کرتی تھیں۔ لیکن کتب فقہ کے تحت اہل علم نے ایک ایسے لباس کو اختیار کرنے کا حکم وضع کیا جس کے تحت دو کپڑوں کا استعمال ضروری قرار پایا۔ تمام بدن کو ڈھانپنے کے لیے ایک کپڑا (Chemise) اور دوسرا نقاب (Cloak) سر اور جسم کو ڈھانپنے کے لیے۔ اس ضمن میں روبن لیوی نے اسے یہودیوں کے مذہبی لوگوں کی اس قدیم روایت کی پیروی سے تشبیہ دی جس کے تحت انہوں نے اپنے طور پر قانونِ خداوندی سے بالا، احتیاط کی خاطر ایک ایسا طریق کار وضع کیا تاکہ حکم خداوندی کی مکمل پابندی ہو سکے۔ پس قرآن کی تعبیر کرنے والے اہل علم نے بھی ایسا ہی کیا کہ قرآنی احکامات کے علاوہ اپنے طور پر اصل حکم سے زائد قانون/ طریقہ وضع کیا۔ **انہوں نے تمام مسلم خواتین کے لیے اس پردے کو لازم و ملزوم قرار دیا جو صرف ازواج نبیؐ اور ان کی بیٹیوں کے لیے لاگو کیا گیا تھا،** اس عمل/ طریقے کے تحت جو قبیلہ

قریش میں قدیم زمانے سے رائج تھا۔

(۵) درج بالا کے علاوہ روبن لیوی نے ''حرم'' کے موضوع پر بھی گفتگو کی ہے۔اس کے بقول قرآنی تفاسیر وتعبیر کے ابتدائی اہل علم وہ مرد حضرات تھے جن کا تعلق ایران سے تھا۔ایک ایسی سرزمین رملک سے جہاں عورتوں کو عرصۂ دراز سے علیحدہ رکھنے کا طریقہ ایک قدیم روایت تھی۔اس کے تحت یہ امر ممکن ہے کہ اموی دورِ حکومت کے بعد، ایرانیوں کی اس دیرینہ روایت نے اسلامی تعلیمات کو متاثر کیا ہو اور عباسی بادشاہوں بالخصوص ہارون الرشید کے دور میں عورتوں کے حرم کے اس ادارے کی داغ بیل ڈالی ہو جس کے تحت تمام شاہی خاندان کی خواتین کو ایک ہیجڑے کی سپرداری میں علیحدہ رکھا جاتا تھا۔

(۶) مستشرقین نے ''تصوف'' کے تصور کو بھی اجاگر کیا ہے اور اس کی آڑ میں ان کی یہ ارادی کوشش رہی ہے کہ وہ رابعہ بصری کے اس کردار کو نمایاں کریں جس کے تحت ''ان کے **''معجزات (Miracles)'' مرد صوفیوں کے معجزات سے کسی طور پر بھی کم تر نہ تھے۔''** مزید انہوں نے رابعہ بصری کے لیے مناسب لباس کی پابندی نہ کرنے کے غیر شعوری (Care Free) طرز عمل کو بھی بہت اہم اور نمایاں کیا ہے جس سے وہ یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ پردے کی پابندی کوئی الہامی حکم نہیں کہ جس کی پابندی مسلم معاشروں میں خواتین کے لیے ضروری ہو۔ہم نے اس موضوع پر علیحدہ سے ایک باب (نہم) میں تفصیلاً گفتگو کی ہے۔

درج بالا سطور میں ہم نے ارادتاً وہ تمام خیالات سمیٹنے کی کوشش کی ہے تاکہ مستشرقین اور دیگر آزاد خیال لوگوں کے تمام تر اعتراضات، دلائل اور شکوک وشبہات ایک بار دوبارہ ہمارے قارئین کے سامنے آسکیں تاکہ ذیل میں جب ہم ان کا جائزہ لیں گے تو وہ ان تمام دلائل پر ایک تقابلی نظر ڈال کر یہ جان سکیں کہ مسلم معاشروں میں کس طرح آزاد خیال اور مساوات مرد وزن کے حامی افراد نے مغرب کے ان خیالات کو نہایت فدویانہ طریق پر نہ صرف اپنایا ہے بلکہ اس کی ترویج واشاعت بھی دل وجان کے ساتھ کر رہے ہیں۔

بیاں میں نکتہ توحید آ تو سکتا ہے
تیرے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے؟
(علامہ اقبالؒ)

پردہ:

روبن لیوی کا یہ دعوی بہت حد تک صحیح ہے کہ عرب میں بدوی رقبائلی عورتوں اور شہری خواتین کے درمیان پردہ کرنے کا طریقہ مختلف تھا۔ اور یہ فرق آج بھی مختلف معاشروں / ممالک میں جاری ہے کہ دیہی علاقوں میں شرم وحیا کے ایک عمومی ماحول کی بناء پر خواتین کا زیادہ احترام کیا جاتا ہے جبکہ شہروں میں مختلف علاقوں سے آئے ہوئے لوگ بستے ہیں جو ایک دوسرے سے اکثر آشنا بھی نہیں ہوتے، اس لیے یہاں پردہ کرنے کی زیادہ ضرورت ہے۔ تاہم اس سے تمام خواتین کے لیے ہر جگہ اور ہر وقت بغیر پردے کے زندگی بسر کرنے کا مغربی عورتوں کی طرح بے پردہ رہنا اور باہمی اختلاط عمل کا اصول عام اخذ کرنا کسی طور بھی عقل وانصاف کا تقاضہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔

اگرچہ، قبل از اسلام اور ابتدائی ایامِ اسلام میں خواتین اپنی ضروریات کے تحت باہر نکلا کرتی تھیں اور آج بھی ایسا کرنے کی اجازت ہے۔ تاہم اس سے کسی صورت میں یہ استشہاد نہیں کیا جاسکتا کہ اس امر کو جدید معاشروں میں بلا حجاب باہر نکلنے کے ان تمام طریقوں کو اختیار کر لیا جائے جو مغرب اور (اب مسلم ممالک میں بھی رائج ہو گئے ہیں) جن کے تحت باہمی اختلاطِ مرد وزن اور اپنے جسم وجاں کی تمام تر خوبصورتی اور رعنائیوں کو بلا کسی شرم وحیا عام کیا جائے۔ خواتین کا سماجی اور معاشی دوڑ میں مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنے اور کلبوں میں مردوں کے ساتھ بے حجابانہ شمولیت کے تصورات وخیالات کسی طور بھی بیرون خانہ جا کر ضروریات پوری کرنے کی اجازت سے اخذ نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی مساجد میں جا کر نمازیں ادا کرنے کے اصول کو ایک قانون یا عرف قرار دیا جاسکتا ہے۔

روبن لیوی کی یہ رائے کسی طور بھی صحیح قرار نہیں دی جاسکتی کہ پیغمبر اسلام نے پردہ کو

صرف اپنی ازواجؓ اور بیٹیوں کے لیے ضروری قرار دیا تھا۔ تاہم دوسری خواتین اپنے قبائلی روایات اور طریقوں کے مطابق پردہ کی پابندی نہ کرتی تھیں۔ روبن لیوی کی فکر اور سوچ کے حامل افراد کی یہ سرتوڑ کوشش رہی ہے کہ **پردہ دور جاہلیت کی ایک رسم تھی تاہم مسلمان خواتین نے اسے پیغمبر اسلام کے بہت بعد اختیار کیا تھا۔ جبکہ اس کے برعکس تاریخی طور پر یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ دورِ جاہلیت میں پردہ کرنا کسی طور بھی عرب معاشرے میں رائج نہ تھا۔ بلکہ مسلم معاشرے کی تمام خواتین نے اسے پیغمبر اسلام کی حیات ہی میں اپنے اوپر لاگو کر لیا تھا۔** جس زمانے میں قرآن نازل ہو رہا تھا، خواتین نے بیرون گھر جانے کے لیے اسے اپنے لباس کے ایک لازمی جزو کے طور پر اختیار کر لیا تھا۔ اور اس وقت بھی اسے نقاب / پردہ کے نام سے ہی موسوم کیا جاتا تھا۔ (سید مودودی ۱۹۹۸)۔ ذیل میں ہم ان تمام احکامات خداوندی کا مطالعہ کریں گے کہ پردہ کب، کیوں، اور کس طرح مسلم معاشرے میں جاری وساری ہوا۔

روبن لیوی کا ایک دوسرا اعتراض بھی بغیر کسی تاریخی حوالے کے کیا گیا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی کسی ایک بھتیجی / بھانجی نے اپنی ذاتی رائے یا قبیلے کی روایت کے تحت، پردہ کرنے سے انکار کر دیا تھا اور مزید یہ کہ اس نے اپنی رائے پر عمل کرتے ہوئے آزادی برتی اور دیگر لوگوں کے سامنے بلا پردہ چلی گئیں اپنے خاوند کے حکم / خواہش کے علی الرغم! اگرچہ روبن لیوی نے آغانی (۱۰: ۵۴) کا حوالہ اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں پیش کیا ہے۔ تاہم حضرت عائشہؓ کی بھانجی / بھتیجی کے نام سے آگاہ نہیں کیا۔ ہم جس حد تک معلومات حاصل کر سکے ہیں تو بروایت حضرت عائشہؓ ''ایک دفعہ میری رشتے کی ایک بھانجی / بھتیجی جس کا نام مظمنہ تھا میرے پاس آئی اور اس وقت حضورؐ اکرم بھی تشریف لے آئے۔ اسے دیکھ کر آپؐ نے اپنا رخ دوسری جانب کر لیا۔ میں نے کہا کہ ''یہ میری بھتیجی / بھانجی ہے اور ابھی کنواری ہے۔'' اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ: ''کسی بالغ لڑکی کو اجازت نہیں کہ وہ دوسرے لوگوں کے سامنے سوائے اپنے چہرے اور ہاتھوں کے، جسم کو دکھائے۔'' (طبری، مصری ایڈیشن)

اب ہم دیکھ سکتے ہیں کہ روبن نے جو کچھ کہا وہ جھوٹ پر مبنی بات ہے اور اس کے اپنے دماغ کی اختراع ہے۔

مستشرقین کا یہ ایک عام طریقہ ہے کہ ایسی تمام روایات کو جو اسلامی تعلیمات کی رو سے صحیح ہوتی ہیں کو ''معروضی حقائق'' کی آڑ میں تبدیل اور مسخ کر دیتے ہیں۔ چونکہ روشن خیال مسلمان تو ایسے تمام دعوؤں کی تلاش میں ہوتے ہین جو ان کے مزمومہ خیالات کی تائید کرتے ہوں، اس لیے وہ ایسے تمام خیالات نہ صرف یہ کہ قبول کر لیتے ہیں بلا کسی تحقیق بلکہ ان کی تشہیر بھی کرنے لگ جاتے ہیں۔ یہ ایسے متعدد معاملات کی ایک نمایاں مثال ہے۔

جیسا کہ ہم نے اس امر کا اظہار کیا کہ مغرب میں اہل علم، ایک طویل عرصہ سے اپنے مذہبی عقائد اور نظریات کے تعصب میں اسلام کے خاندانی نظام کو تلپٹ کرنے کیلئے کوشاں رہے۔ برطانوی دور غلامی میں وہ اس مقصد کے لیے سماجی خدمات از قسم سکولوں/ کالجوں اور ہسپتالوں کے قیام کے ذریعے کام کرتے تھے۔ ہسپتالوں میں نرسوں/ ننوں (Nuns) کے ذریعے عیسائی عقائد کی تبلیغ کی جاتی تھی۔ تاہم آزادی کے بعد یہ کام غیر سرکاری تنظیموں (NGO's) کے ذریعے کرایا جا رہا ہے جو ہزاروں کی تعداد میں وطن عزیز کے طول و عرض میں اپنا جال بچھائے ہوئے ہیں۔ بدقسمتی سے اس ملک کے متمول طبقے کی خواتین بیگم لیاقت علی خان (اولین وزیراعظم پاکستان) کی قیادت میں سرگرم عمل رہیں۔ جو اپنی اولین ''امریکہ یاترا'' کے تحت قیام پاکستان کے آغاز میں ہی آل پاکستان ویمن ایسوسی ایشن (اپوا) کا ایک تحفہ اپنے ساتھ لائی تھیں۔ تاہم ۱۹۵۰ء تا ۱۹۹۰ء میں متعدد ایسی تنظیمیں معرض وجود میں آگئیں جو ان تمام مقاصد کی تکمیل کرنے لگیں اور ایسی تمام تنظیموں کو سرکاری سرپرستی اور بیرونی ممالک سے مالی معاونت کے طور پر فنڈز بھی ملتے رہے جسے بعد میں حیلے بہانے سے مختلف چالاک پڑھی لکھی خواتین نے اپنے ذاتی مفادات کے تحت اپنا لیا اور یوں انہوں نے ان غیر ممالک کے سفارت خانوں سے مالی امداد حاصل کرنے کے لئے براہِ راست رسائی حاصل کر لی۔ (باب پنجم میں ہم نے حکومت ناروے سے امداد وصول کرنے

والی ایک تنظیم کا حال لکھا ہے!) گزشتہ ۴/ ۵ دہائیوں میں یہ ''سنپولیہ'' غیر ملکی امداد کی بناء پر اب ایک ایسے ''اژدھا'' کا روپ دھار چکا ہے جس کا اظہار **''میرا جسم، میری مرضی''** جیسے نعروں سے بآسانی کیا جاسکتا ہے۔

Arifa Farid (۲۰۰۶ء) متعدد آیات قرآنی کا ترجمہ/تفسیر مختلف اہل تفسیر کے حوالے سے، زیر بحث لائی ہیں۔ تاہم سورہ الاحزاب کی آیات ۵۷ تا ۶۰ کے حوالے سے یہ کوشش کی گئی ہے کہ ان آیات کو صرف مدینہ منورہ کی عورتوں اور ازواج نبیؐ تک ہی محدود کر دیا جائے۔ (درج بالا صفحات میں روبن لیوی کے اعتراضات کی بازگشت)۔ آیت ۵۹ کے الفاظ کا یہ مطلب ہے کہ ''اے نبیؐ، اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں۔ یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور نہ ستائی جائیں......'' واضح رہے کہ اس آیت کی رو سے قیامت تک آنے والی تمام خواتین اس کے حیطۂ اختیار میں آتی ہیں۔ تاہم یہ امر ایک مذاق سے کم نہیں کہ الہامی ہدایات کو صرف ازواجِ نبیؐ تک ہی محدود کر دیا جائے اور دیگر تمام مسلمان خواتین کو اس کے دائرہ عمل سے نکال دیا جائے۔ (کہ ایسا کرنا ازخود الہامی ہدایات کی نفی کے مترادف بھی ہے)۔

اسی طرح سورۂ الاحزاب کی آیات ۳۲ تا ۳۳ ہیں جن کے بارے میں موصوفہ کے ریمارکس ہم ان کی کتاب سے ہی نقل کر رہے ہیں کہ ''ان آیات سے مراد جو تمام قدیم اور جدید مفسرین نے بیان کی ہے، مدینہ کے وہ واقعات و حالات ہیں جب منافقین اور مشرکین نے ازواج نبیؐ کو اپنے انتقام، سازشوں اور فضول گپ بازی کا نشانہ بنانا شروع کیا۔ اس کی وجہ سے نہ صرف پیغمبرؐ کو نہایت تکلیف ہوتی تھی بلکہ اس وقت موجود تمام امتی بھی اس سے پریشان ہوتے تھے۔ پس ازواج نبیؐ کو قرآن نے یہ ہدایت کی کہ وہ اس قسم کے لوگوں کی نظروں میں آنے سے جس حد تک ممکن ہو، بچیں۔ ان آیات کا ترجمہ یہ ہے

''نبیؐ کی بیویو، تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگر تم اللہ سے ڈرنے والی ہو تو

دبی زبان سے بات نہ کیا کرو کہ دل کی خرابی کا مبتلا کوئی شخص لالچ میں پڑ جائے، بلکہ صاف سیدھی بات کرو۔ اپنے گھروں میں ٹِک کر رہو اور سابق دورِ جاہلیت کی سی سج دھج نہ دکھاتی پھرو......''

ان آیات کی رو سے انہیں ہدایت کی گئی کہ وہ گھروں میں رہیں اور عبادت، خیرات اور دیگر نیکی کے کاموں میں اپنا وقت گزاریں کیونکہ ان کی حیثیت ایک قابل نمونہ (Role Model) کے طور پر ہے۔ ازواج کو بتایا جا رہا ہے کہ ان کی حیثیت عام عورتوں کی طرح نہیں کیونکہ ازواج مطہراتؓ کی حیثیت سے وہ ایک خاص مقام کی حامل ہیں۔ ضرورت ہے کہ انہیں ایسے تمام لوگوں کے الزامات جن کے دل کھوٹ نفاق اور برے ارادوں کی آماجگاہ ہیں، ان سے ہر ممکن بچایا جائے۔ بحیثیت ایک رول ماڈل، انہیں چاہیے کہ زمانۂ جاہلیت کے تبرجانہ طرزِ عمل (Dazlling Display) سے بچیں جو ان کے شایانِ شان نہیں۔ تاہم اگر انہیں کسی وقت بغرضِ ضرورت خطاب ہی کرنا پڑے تو انہیں چاہئے کہ دبی زبان سے بات نہ کریں تا کہ دل کی خرابی میں مبتلا کوئی شخص لالچ میں پڑ جائے بلکہ صاف سیدھی بات کرو'' (مفہوم آیت ۳۲)

چونکہ یہ تمام تر خطاب ازواجؓ مطہرات سے ہی ہے، اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ ان آیاتِ ربانی کا اطلاق ان تمام عام خواتین پر بھی لاگو کیا جائے کہ وہ بھی گھروں میں رہیں۔ بطور رول ماڈل ازواج نبیؐ کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ دیگر عام خواتین کے طرزِ عمل اور زندگی کو متاثر کریں تا کہ وہ بھی خوفِ خدا، عبادتِ الٰہی، اور صدقہ خیرات کرنے میں ان کی پیروی کریں اور اپنے آپ کو دورِ جاہلیت کے نام نمود کے طریقوں سے بچائیں تا کہ ان کے دل پاک اور صاف ہو جائیں۔

موصوفہ نے جس انداز میں ازواج مطہرات اور دیگر عام مسلمان خواتین (اور شاید خصوصاً دورِ حاضر میں مغرب زدہ، پردہ کی مخالف خواتین کی آسانی کے لیے) جس انداز کی ترجمانی آیات قرآنی کی ہے، ایک صحیح الفکر مرد یا عورت کے لیے اس قسم کی تاویل و تعبیر کسی

صورت بھی قبول نہیں کی جاسکتی۔ تاہم اپنے اس طرز تعبیر کے بودے پن اور کمزوری کو محسوس کرتے ہوئے، ان دلائل کے حق میں ایک اور وجہ بھی بیان کی ہے جو پہلی تعبیر سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ موصوفہ نے اس کی وجہ ان حفاظتی اقدامات کو قرار دیدیا جو موجودہ زمانے میں بادشاہوں، حکمرانوں/سیاست دانوں اور بڑی شخصیات کے لیے کی جاتی ہے۔ اگر یہ وجہ ان کی کتاب میں موجود نہ ہوتی تو ہم اسے کسی کم پڑھے لکھے فرد کے دلائل سمجھتے ہوئے کسی بھی قابل نہ گردانتے۔ لیکن یہ ایک امر واقعہ ہے کہ پیغمبرؐ خدا کے لیے کبھی بھی اس قسم کے حفاظتی اقدامات (Protocal) اختیار نہیں کیے گئے تھے ◆ کجا کہ امہاتؓ المومنین کے لیے کبھی ایسا کیا گیا ہوتا۔ اس سلسلے میں موصوفہ اس حد تک غلو میں مبتلا دکھائی دیتی ہیں کہ انہوں نے یہ تبصرہ کیا کہ ''تاہم تنگ نظر علماء (سید مودودیؒ) یہ دلیل دیتے ہیں کہ درج بالا آیات میں جو ہدایات ازواجؓ مطہرات کے لیے دی گئی کہ وہ عام مردوں کے سامنے آنے سے گریز کریں، ان ہدایات کو تمام خواتین پر آنے والے تمام ادوار تک لاگو کر دیا ہے۔ ان تمام علماء کا یہ اقدام/ یا سوچ، دراصل قرآنی تعلیمات کے دائرہ کو بہت زیادہ (Streching too much) اہمیت دے کر طبقہ اناث کی تمام عورتوں پر اسے لاگو کر دینے کے مترادف ہے۔ کیونکہ اگر خداوند عالم کا یہی منشاء ہوتا تو پھر اللہ تعالیٰ کو چاہیے تھا کہ وہ تمام مسلمان خواتین سے براہِ راست مخاطب ہوتے نہ کہ خطاب صرف امہات المومنین سے کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سچ کو واضح فرما دیتے ہیں۔''

موصوفہ کے درج بالا ریمارکس کے پیش نظر کیا انہیں، ہم سورہ الاحزاب کی آیت ۵۹ یاد دلا سکتے ہیں جو انہوں نے اپنی کتاب میں بھی درج کی ہے۔ یہاں اگر ''مولانا مودودی اور دیگر علماء'' نے ان آیات سے بہت ''سخت احکامات'' اخذ کیے ہیں تو پھر سورۃ الاحزاب

◆ تاریخ سے کبھی بھی ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ آپؐ کے ساتھ کوئی ہتھیار بند دستہ/فرد ہر وقت ساتھ رہتا ہو۔ سوائے مدینہ کے اولین دور کے جب کچھ عرصہ کے لئے آپؐ کی حفاظت کے لئے رات کو پہرہ دیا جاتا تھا تاہم اسے بھی بعد میں اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے بعد ختم کر دیا گیا! (سورۃ المائدہ: ۶۷)

کی آیت نمبر ۵۹ کو نظر انداز کرنے کا کیا مطلب ہے؟ یہاں ہم ڈاکٹر اسرار اور جاوید غامدی کے نقطہ ہائے نظر کے بارے میں کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہتے۔ سوائے اس کے کہ جاوید غامدی کے خیالات تو ان کے شیخ (مولانا امین احسن اصلاحی) کے ان خیالات کی بھی تردید کرتے ہیں جو انہوں نے اپنی کتاب ''پاکستانی عورت دوراہے پر'' (۱۹۶۹ء) میں لکھے تھے۔

درج بالا گزارشات کے علاوہ، یہاں ہم موصوفہ کے اس خیال پر بھی تبصرہ کرنا چاہیں گے کہ ''مسلم اہل علم نے کبھی نہیں چاہا کہ، علمی لحاظ سے خواتین ان کے برابر یا آزادانہ کوئی کام سرانجام دے سکیں کیونکہ یہ امر ایسے لوگوں کے لیے جو کلی اختیارات کے حامل ہوں، ایک بہت مشکل معاملہ ہوتا ہے کہ وہ کسی دوسرے کو بھی اپنے برابر تسلیم کرسکیں۔''

اپنے ان خیالات کی مزید توثیق وتصویب کرتے ہوئے، موصوفہ نے کہا کہ **''پیغمبر اسلام نے قرآن کریم کے اس مقصد کو کہ خواتین کی حالت زار کو بہتر بنایا جائے، اپنی تمام تر بہترین کوششوں کے باوجود ایسا کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے!...... کیونکہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے فوراً بعد از وفات قرآن کے اس منشاء اور مقصد کو تبدیل کر دیا گیا۔ اس بناء پر کہ عورتوں کو غیر لوگوں کی نظروں سے محفوظ رکھنے کے لیے عورتوں کے لیے چہرہ ڈھانپنے کے لیے پردہ کرنے کی پابندی لاگو کردی گئی اور یوں ان کی آزادی کو محدود کرتے ہوئے، انہیں گھر کی چاردیواری میں محدود (مقید) کر دیا گیا۔ ان خیالات کے بارے میں اگر کوئی تبصرہ کیا جائے تو بہت سے لوگ ناراض ہوجائیں گے!''**

خواتین اور مساجد میں نماز کی ادائیگی:

پردہ اور اختلاط مرد وزن کے موضوعات ایک دوسرے سے معنوی ربط رکھتے ہیں۔ اس لیے موصوفہ نے مستشرقین کے ماضی میں دہرائے گئے الزام کی یاد دوبارہ تازہ کردی۔ اس ضمن میں Rubin Levy (۱۹۶۲ء) نے اپنی کتاب میں بہت دلچسپ وجوہات کا

ذکر کیا ہے۔ اولاً یہ کہ خواتین اسلام ''بغیر پردہ'' (Unveiled) مساجد میں جا کر نماز ادا کرتی تھیں لیکن مفسرین نے قرآنی حکم سے زائد حکم لاگو کیا کہ ''فقہ کی کتابوں میں عورتوں کے لباس کے دو کپڑوں کا ذکر پایا جاتا ہے۔ ایک (Chemisl) اور دوسرا نقاب (Cloak) جو سر اور جسم کے اوپر والے حصے کو ڈھانپے۔''____ روبن لیوی نے اسے یہودیوں کے مذہبی راہ نماؤں (Rabbinical Commentators) کے مطابق اسے قانونِ الٰہی سے بالا بالا لاگو کر دیا تھا تاکہ قانونِ الٰہی کی مکمل اور معناً تکمیل کی جاسکے۔ اور مزید یہ کہ چونکہ ان بیشتر مفسرین کا تعلق ایران اور ترکی سے تھا، جنہوں نے اسلام ایسے حالات میں قبول کیا تھا جبکہ مردوں کو عورتوں پر غلبہ حاصل تھا، اس لیے انہوں نے اپنے ذاتی خیالات اور روایات کو محمڈن قانون/شریعت پر فوقیت دیدی۔''

روبن لیوی نے اپنے موقف کی تائید میں جو دوسری وجہ بیان کی وہ یہ ہے کہ ان آیات کا دراصل حکم، ازواج نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کی بیٹیوں کے لیے ہی قبیلہ قریش کے دیرینہ دستور کے مطابق دیا گیا تھا کہ وہ بطور حجاب/پردہ استعمال کریں، **فقہاء نے اسے تمام مسلمان خواتین کے لیے لازمی قرار دیدیا۔''**____ یہ سچ ہے کہ ابتدائے اسلام میں، خواتین، گھر سے باہر جانے کے لیے، زمانۂ جاہلیت کی خواتین کی طرح، عام چادروں والے لباس استعمال کرتی تھیں۔ اور دولتمند اور عزت واحترام کی حامل خواتین نیز معاشرے کی عام عورتوں کے لباس میں بہت زیادہ فرق نہیں ہوتا تھا تاہم وہ آیات جو عرف عام میں آیات حجاب (سورۃ الاحزاب ۳۳:۵۹) کہلاتی ہیں، جو ہم نے گذشتہ صفحات میں درج کی ہے۔ اس آیت قرآنی سے خاص طور پر چہرے کے پردہ کا حکم ملتا ہے۔ اس کی مزید توثیق سورۃ النور (۲۴:۳۱) سے ہوتی ہے جس کے مطابق

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ یَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَ لَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ لْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ ﴾ (النور:۳۱)

''اے نبیؐ مومن عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں بجز اس کے جو خود ظاہر ہو جائے اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈالے رہیں۔''

یہاں واضح کرنا ضروری ہے کہ دونوں سورتیں بالترتیب پانچ اور چھ ہجری میں نازل ہوئی تھیں۔سورۂ الاحزاب پہلے نازل ہوئی تھی جبکہ سورۂ النور بعد میں چھٹی ہجری کے نصف گزرنے پر، سورۂ الاحزاب کے کئی ماہ بعد نازل ہوئی تھی۔(سید مودودی:۱۹۹۹ء، ج اور د)

اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مدینہ کی خواتین (عام وخاص) نے اس حکم ربانی سے کیا سمجھا اور کس طرح کا عمل اختیار کیا تو بروایت حضرت عائشہؓ کہ ''جونہی مدینہ کی عورتوں کو اس حکم ربانی کا علم ہوا، تو انہوں نے فوراً ان کپڑوں سے جو ان کو میسر تھے، چادریں بنالیں اور اگلی صبح نماز میں، ہر عورت چادر میں چھپی ہوئی تھی۔اور خواتین نے خاص طور پر ایسے کپڑوں کا انتخاب کیا جو کسی حد تک دبیز/موٹے (Coarse) تھے۔(ابوداؤد، کتاب اللباس)''

تاہم جہاں تک ان آیات کے ترجمہ/تفسیر کا ترکی اور ایرانی مفسرین سے تعلق ہے تو اس کا کوئی سراغ تاریخ سے نہیں ملتا۔ہمیں کسی بھی ایسے نام نہاد مشہور ایرانی/عربی مفسر کے نام کا علم نہیں جن کے خیالات اور آراء، شریعت محمدیؐ پر اثر انداز ہوئے ہوں جیسا کہ روبن لیوی نے دعویٰ کیا ہے! اور مزید یہ کہ لیوی نے بھی کسی ایسے مفسر کی نشان دہی نہیں کی۔مزید براں یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان آیات کے وہی معنی اور تشریح نہ صرف ان تمام جید اصحاب نے اخذ کیے تھے جو پیغمبرؐ اسلام کے نزدیک ترین زمانے میں تھے بلکہ ان کے بعد بھی آنے والے بیشتر اہل علم جنہوں نے صحابہ کرامؓ اور تابعین اور تبع تابعین کا زمانہ دیکھا تھا، نے بھی ان آیات کی بالاتفاق وہی معنی اور تشریح بیان کی۔ابن جریر نے ان آیات کی تشریح میں کہا ''تاکہ عزت ماب خواتین، اپنے لباس سے ان باندیوں/لونڈیوں کی طرح نہ دکھائی دیں جو اکثر گھروں سے باہر بالوں کو ڈھانپے بغیر چلتی پھرتی نظر آتی ہیں بلکہ وہ نہ صرف چادر لیے ہوں بلکہ اپنے سروں پر بھی پردہ کرلیں ایک زائد کپڑے کی مدد سے تاکہ

کوئی بدشخص ان کی طرف نظر بد سے نہ دیکھ سکے۔'' (جامع البیان ۲۲: ۳۳)

عورتوں کا مساجد میں نماز ادا کرنا

اب ہم اس عورتوں کے مساجد میں جا کر نماز ادا کرنے کے سوال کی جانب آتے ہیں۔ اگرچہ مرد وزن دونوں پر فرض ہے کہ وہ پانچ وقت کی نماز ادا کریں۔ تاہم عورتوں کے لیے یہ لازم نہیں کہ وہ مسجد میں پانچ اوقات جا کر نماز باجماعت کی پابندی کریں۔ بلکہ ان کے لیے ترجیحاً اس بات کو پسند کیا گیا ہے کہ وہ گھروں میں نماز ادا کریں۔ اگرچہ نماز باجماعت کے اپنے بہت سے دیگر فوائد ہیں۔ شریعت نے اگر ایک طرف انہیں تاکید کی ہے کہ وہ نمازیں گھر کے اندر ادا کریں تو دوسری جانب مردوں کو بھی اس امر کی ہدایت کی کہ وہ اپنی خواتین کو مسجد میں نماز کے لیے جانے سے منع نہ کریں اگر وہ جانا چاہیں۔ ابوداؤد نے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کی کہ پیغمبرؐ خدا نے فرمایا کہ ایک عورت کے لیے بہتر ہے کہ وہ گھر کے ایک علیحدہ حصے میں نماز پڑھے بہ نسبت کسی بڑے کمرے کے اور مزید بہتر ہے کہ وہ گھر کے کسی کونے میں نماز پڑھے بہ نسبت کسی کھلی جگہ پر۔

یہاں اس امر کی صراحت شاید ضروری ہے کہ خواتین کو ہر ماہ اپنی فطری طبیعت کی بناء پر چند روز کے لیے نماز چھوڑنی پڑتی ہے۔ پس ایک عورت کی فطری شرم وحیا کا یہ تقاضہ ہے کہ اس کے یہ ایام کسی کے علم میں نہ آئیں، چاہے وہ اس کا باپ ہو، بھائی ہو۔ عورتوں کو تنہائی میں نماز ادا کرنے کے حکم کی یہی وجہ ہے تاہم شارح نے کلیتاً عورتوں کو مسجد میں جانے کی ممانعت نہیں کی۔ (صحیح بخاری)۔ مساجد میں جانے کی یہ اجازت خاص طور پر عشاء (رات کی نماز) اور فجر (صبح کی نماز) کے لیے ہے کیونکہ ان اوقات میں مساجد میں جا کر نماز ادا کرنے میں یہ حکمت پوشیدہ ہے جو بخاری میں روایت کی گئی ہے کہ ''حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) عشاء اور فجر کی نمازیں، ایسے وقت میں ادا فرماتے تھے جبکہ بہت حد تک اندھیرا ہوتا تھا کہ ایسی خواتین جنہوں نے اپنے آپ کو کسی چادر سے ڈھانپ رکھا ہوتا تھا، وہ نماز کے فوراً بعد گھروں کو لوٹ جاتی تھیں اور اندھیرے کی بناء پر کوئی انہیں پہچان بھی نہ پاتا تھا۔

یہاں اس بات کی وضاحت کردی جائے کہ شریعت نے خواتین کو باجماعت نماز ادا کرنے کی اجازت دی ہے۔ ایک حدیث کی رو سے ام ورقہؓ اور حضرت عائشہؓ نمازوں میں عورتوں کی امامت کراتی تھیں جبکہ وہ ان کے درمیان صف میں کھڑی ہوتی تھیں۔ اس کے علاوہ بھی شریعت نے مساجد میں آنے پر چند پابندیاں لگائی ہیں مثلاً:

O___ عورتوں کو مساجد میں آنے کیلئے آرائش اور تیز خوشبو لگا کر نہیں آنا چاہیے۔

O___ نماز میں عورتوں کے لیے بہترین صف آخری (سب سے پیچھے) ہونی چاہیے اور بری صف اگلی ہوتی ہے جو مردوں کی صف کے قریب ہو۔

O___ عورتوں کو امام کو غلطی پر ٹوکنے کے لیے زبان سے نہیں بولنا چاہیے بلکہ وہ اپنے ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر مار کر انہیں توجہ دلا سکتی ہیں۔

ان تمام تر شرائط کے علاوہ ہم اپنی ذہین اور قابل مصنفہ بہن کو یاد دلا دیں کہ اگرچہ مرد اور عورتوں کو ایک دوسرے کے ساتھ مل کر عمرہ اور حج کرنے کی اجازت ہے۔ تاہم مسجد نبویؐ میں آج بھی خواتین کے لیے علیحدہ دروازے اور جگہیں مخصوص ہیں جہاں صرف خواتین عبادت کر سکتی ہیں اور جن دروازوں کو مرد حضرات استعمال نہیں کر سکتے۔

درج بالا گزارشات کے پیش نظر، مستشرقین کے اعتراضات اور شکوک وشبہات کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ تاریخی طور پر ان کے حق میں کوئی ٹھوس شواہد پیش نہیں کیے جا سکتے۔ تاہم مسلم ممالک کی چند خواتین نے ان کے اعتراضات کو قرآنی احکامات کی مستند تعبیر وتشریح جانتے ہوئے، انہیں اختیار کر لیا ہے۔ ذرا ان کے دلائل کو توجہ سے پڑھیں کہ کس معصومیت کے ساتھ وہ مستشرقین کے خیالات کی ترجمانی کر رہی ہیں کہ ''مساواتِ مرد وزن کا مسئلہ، جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے، اسے قرآن وسنت کی روشنی ہی میں حل کیا جانا بہت ضروری ہے۔ عربی زبان میں نازل شدہ قرآن کریم کی ترجمانی، دنیا کی تمام مشہور زبانوں میں مسلمان مترجمین نے اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار اور مختلف علاقوں/ممالک میں مختلف انداز سے کی ہے۔ **عربی زبان میں قرآنی آیات میں گزشتہ ۱۴۰۰**

سالوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ تاہم تراجم اور تفاسیر میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ چونکہ یہ قرآن کریم کا اعجاز ہے کہ وہ انسانی زندگی کے بدلتے ہوئے حالات اور واقعات پر نئے انداز سے روشنی ڈالنے کی صلاحیت سے بہرہ مند ہے اس لیے اسے مختلف انداز سے پڑھا جاسکتا ہے، مختلف طریقوں سے سمجھا جاسکتا ہے اور اس کی تعبیر وتشریح بھی کسی حد تک مختلف کی جاسکتی ہے، حالاتِ زمانہ کے پیش نظر!...... ہر مسلمان ملک یا قوم نے قرآنی تعلیمات کو صحیح سمجھا ہے یا کسی قدر غلط فہمی کے ساتھ سمجھا ہے، اس کی تعبیر وتشریح صحیح طریقے سے کی ہے یا کسی غلطی کی بناء پر کی ہے۔ اپنے زمانے کے سماجی ومعاشی حالات واقعات اور ضرورتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے کسی ایک قوم یا ملک یا کسی ملک رقوم کے مختلف طبقات نے کی ہے، جبکہ ان میں سے ہر شخص رگروہ قرآن کے اتباع کا ہی داعی ہے، تو اس تعبیر وتشریح کو صحیح سمجھا جاسکتا ہے۔'' (عارفہ فرید ۲۰۰۶ء)...... یہاں ہم اپنے قارئین کو اپنی معروضات کی جانب توجہ دلائیں گے جو ہم نے اس کتاب کے باب پنجم میں کی ہیں۔ اس باب میں شرکت گاہ نامی تنظیم کے ایک کتابچے کے حوالے سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مختلف آیات قرآن کریم کے ترجمہ یا تشریح میں مختلف مترجمین رمفسرین کے درمیان کسی قسم کا جوہری فرق نہیں پایا گیا اور یہی وجہ ہے اس فکری ہم آہنگی اور مطابقت کی جو گذشتہ ۱۴۰۰ سالوں کی مختلف تفاسیر/ تراجم میں پائی جاتی ہے جسے تبدیل کرنے کی جسارت مستشرقین اور دیگر اہل علم کے پیش نظر ہے!

تا تو بیدار شوی نالہ کشیدم ورنہ
عشق کاریست کہ بے آہ و فغاں نیز کنند!
(علامہ اقبالؒ)

تاہم اس ضمن میں مزید گفتگو اگلے باب (ہفتم) میں آرہی ہے۔

باب ہفتم:

مسلم خواتین اور قرآن کی تعبیر وتشریح

اس کتاب کے باب ہشتم میں ہم نے کسی حد تک نہایت تفصیل کے ساتھ ان خواتین کی علمی اور تحقیقی صلاحیتوں کا جائزہ لیا ہے جو انہوں نے تعلیم و تربیت اور دینی علوم کے فروغ (دعوۃ) کے لیے سرانجام دیں اور جنہیں امت مسلمہ نے پذیرائی بخشی۔ تاہم، مرد و زن کے حامی لوگوں کے اس سوال کہ یہودیت / عیسائیت کی مذہبی کتب کی تعبیر وتشریح میں مردوں نے جس کتر بیونت کا مظاہرہ کیا اور اپنے ذاتی خیالات وعقائد کو شامل کر کے ان تعلیمات کو مسخ کیا۔ کیا قرآن کریم کی تعلیمات تو اس قسم کی صورت حال سے دوچار نہیں ہوئیں؟ــــــ درج بالا نظریے کے حامی تمام مرد و زن ذہنی طور پر اس نقطہ نظر کے حامی نظر آتے ہیں۔ (Amina Wadood ۱۹۹۹؛ Arifa Farid ۲۰۰۶ء، و دیگر)۔ ایسے ہی خیالات کی ایک حامی خاتون (Sheeba Hafiz 1991) نے کہا کہ ''اسلام کے علمی اور سماجی امور پر ریسرچ میں مردوں کی رائے کو کئی صدیوں سے ترجیحاً زیادہ دخل حاصل رہا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ اب ضرورت ہے کہ خواتین تحقیق کے اس ترجیحی انداز کو تبدیل کریں اور قرآن کی تعبیر نو کے عمل کو خواتین کے نقطہ نظر سے بیان کرنے کی کوششوں کا آغاز کریں۔''

ہمیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس مکتب فکر کی حامی تمام خواتین اس مسئلے کے بارے میں نہ صرف متفق اور ہم زبان ہیں بلکہ اپنی سوچ میں ژولیدہ فکری کا شکار بھی۔ بجائے اس کے کہ وہ اس موضوع پر اپنی سیدھی سادی رائے کا برملا اظہار کریں، وہ اس کا تمام تر الزام مرد مترجمین و مفسرین کے کاندھوں پر ڈال دیتی ہیں۔ ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ خواتین کے نقطہ نظر سے قرآنی تعلیمات کی تبدیل شدہ ہیئت (Changed Interpretation)

(of Structure of Quranic Knowledge کیا ہوگی یا مساوات کے حامی لوگوں کی نظر میں شرعی احکام کی کیا تعبیر وتشریح ہوگی؟ آیئے اب ہم اس سوال کا مطالعہ کسی قدر تفصیل کے ساتھ کریں۔

جیسا کہ ہم نے باب پنجم میں دیکھا ہے کہ مغرب میں یہود ونصاری کے مذہبی لوگوں نے اپنی ضروریات کے تحت عہد نامہ قدیم وجدید کی نہ صرف عبارت بلکہ مطلب ومعنی میں بھی تنسیخ وتبدیلی کے ذریعے طبقہ نسواں کے لیے بحیثیت مجموعی ایک نفرت اور کم تری کے تصور کو شامل کیا جس کے نتیجے میں تورات اور بائبل کی تعلیمات کی تعبیر نو اور تشریح کی متعدد کوششیں کی گئیں۔ ایسی تمام کوششوں کی پیروی میں پاکستان میں بھی ایک غیر سرکاری تنظیم (شرکت گاہ ویمن ریسورس ۱۹۹۰ء) نے ایک ایسی کوشش کی داغ بیل ڈالی جس کے تحت ایک چھ روزہ ورکشاپ اس عنوان کے تحت ۱۳ تا ۱۸ جولائی ۱۹۹۰ء کو منعقد کی گئی۔ ''عورتیں: قرآنی تعلیمات کی روشنی میں'' جس کے تحت انگریزی اور اردو میں معلوماتی کتابچہ کی اشاعت ہوئی۔ جس پر تفصیلی گفتگو باب پنجم میں کی گئی ہے۔

یہاں ہم پاکستان کی ایک محقق خاتون عارفہ فرید کی کتاب کو بھی اپنے مطالعے میں شامل کر رہے ہیں۔ جنہوں نے اپنی کتاب میں اس موضوع پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ اور اگر ہم ان کے ساتھ روبن لیوی کی کتاب بھی شامل مطالعہ کر لیں تو ہر سہ کتب میں ان موضوعات کے بارے میں جو یگانگت اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ وہ واضح ہو جائے گی!

درج بالا تینوں کتب کے بغور مطالعے سے ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ ہمیں مختلف آیات قرآنی کے معنی اور ترجمہ میں کسی قسم کا کوئی فرق محسوس نہیں ہوا جو ورکشاپ کی اس کتاب میں دیئے گئے ہیں۔ (باب پنجم میں بھی اس بحث کو دیکھ لینا ضروری ہے)۔ تاہم ہم شیر خوار بچیوں کا قتل (Infanticide of girls) (سورۃ التکویر: ۸۱: ۱ تا ۹) کے موضوع پر ذیل میں تین مفسرین کے تراجم ان کی اردو کتاب سے نقل کر رہے ہیں جس سے ہمارے درج بالا موقف کی مزید تائید ہو جائے گی۔

(۱) مولانا مودودی (آیات ۱ تا ۹):

''جب سورج لپیٹ دیا جائے گا۔ اور جب تارے بکھر جائیں گے، اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے، اور جب دس مہینے کی حاملہ اونٹنیاں اپنے حال پر چھوڑ دی جائیں گی اور جب جنگلی جانور سمیٹ کر اکٹھے کر دیئے جائیں گے، اور جب سمندر بھڑکا دیئے جائیں گے اور جب جانیں (جسموں سے) جوڑ دی جائیں گی، اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس قصور میں ماری گئی؟''

(۲) مولانا فتح محمد جالندھری:

''جب سورج لپیٹ لیا جائے گا: (۱) اور جب تارے بے نور ہو جائیں گے۔ (۲) اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے۔ (۳) اور جب بیانے والی اونٹنیاں بیکار ہو جائیں گی۔ (۴) اور جب وحشی جانور جمع کیے جائیں گے۔ (۵) اور جب دریا آگ ہو جائیں گے۔ (۶) اور جب روحیں (بدنوں سے) ملا دی جائیں گی۔ (۷) اور جب اس لڑکی سے جو زندہ دفنا دی گئی ہو پوچھا جائے گا۔ (۸) کہ وہ کس گناہ پر ماردی گئی؟''

(۳) مولانا ابوالکلام آزاد:

''(۱) جب سورج لپیٹ دیا جائے گا۔ (۲) اور تارے ٹوٹ کر گر پڑیں گے۔ (۳) اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے۔ (۴) اور جب دس مہینے کی حاملہ اونٹنیاں قابل توجہ نہ رہیں گی۔ (۵) اور وحشی جانور اکٹھے کر دیئے جائیں گے۔ (۶) اور سمندر بھڑکا دیئے جائیں گے۔ (۷) اور جب لوگوں کو جوڑ دیا جائے گا۔ (۸) اور جب زندہ درگور کی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا۔ (۹) کہ وہ کس جرم میں ماری گئی؟''

درج بالا تینوں تراجم کے تقابلی مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ سوائے ایک جیسے الفاظ کے استعمال کیے جانے کے، مثلاً ''زندہ گاڑی'' اور ''وہ کس گناہ پر ماری گئی'' ان کے درمیان کسی قسم کے اختلاف نشان دہی نہیں کی جاسکتی۔ اور کسی بھی شخص کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل نہیں کہ یہ تراجم ایک دوسرے سے کسی طور بھی معنی اور روح کے لحاظ سے مختلف ہیں۔

آدم وحوا کا جنت سے اخراج کا موضوع بھی اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ اسے مردوزن کی مساوات کے تصور کی بنیاد کہا جا سکتا ہے۔ تاہم قرآن کریم کسی بھی ایسے الزام کو عورت (حضرت حوا) پر لگائے جانے کی تائید نہیں کرتا۔ بلکہ قرآنی آیات کے مطابق ہر دو (آدم وحوا) سے غلطی ہوئی۔ اور **دونوں** کو زمین پر جانے کا حکم اللہ تعالیٰ کی جانب سے دیا گیا تھا جس کا فیصلہ انہیں بطور خلیفہ فی الارض کے طور پر روز اول سے ہی کر لیا گیا تھا۔ **تاہم دونوں نے توبہ کی اور دونوں کو معاف کر دیا گیا**___ مناسب ہے کہ اس تمام بحث کو اس کتاب کے باب پنجم سے مطالعہ کر لیں نیز اس موضوع پر مزید تفصیلات قرآن کریم کی متعدد دیگر آیات (سورۃ الاعراف، ۷: ۱۹ تا ۲۵، سورہ طٰہٰ، ۲۰: ۱۲۰ تا ۱۲۱ ودیگر) میں بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔

ہم اس امر کو سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ان آیات کا ترجمہ وتشریح ایک دوسرے سے کس طرح مختلف ٹھہرائے گئے ہیں اور مردانہ اجارہ داری کا تاثر کیوں کر ان آیات کریمہ سے ''کشید'' کیا جا رہا ہے جبکہ اس قسم کے کسی تاثر کا کوئی قرینہ ان آیات میں نہیں پایا جاتا۔ تاہم ہمیں خوشی ہوتی اگر اپنے مطلب ومفہوم کو ثابت کرنے کے لیے ایسے مرد وخواتین میں سے کسی نے کوئی متبادل ترجمہ پیش کیا ہوتا۔

اس ضمن میں روبن لیوی (۱۹۶۲ء) اور چند دوسرے مسلمان اہل علم نے (اغلباً لیوی کے حوالے سے قرآن کریم کے ترجمہ وتفسیر میں عباسی دور کے کسی ایرانی مفسر کا ذکر کیا ہے جس کے خیالات اور عقائد نے بعد ازاں آنے والی تفاسیر کو متاثر کیا۔ لیکن انہوں نے اپنے موقف کی تائید میں کوئی حوالہ نہیں دیا۔ تاہم ان کے اس دعوی کے بالکل برعکس بیسویں صدی کے ان تین جید مفسرین کے تراجم سے کسی ایسے بدیہی فرق کا سراغ نہیں ملتا۔ کیونکہ اس امر کا بھی کوئی امکان نہیں کہ تینوں حضرات نے کبھی ایک دوسرے سے ملاقات کی ہو اور باہمی اتفاق رائے سے ایسا کیا ہو!

درج بالا معروضات کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ چودہ سو سال کے طویل

دورانیے میں کیونکر متعدد مترجمین ومفسرین کے درمیان اس قدر مشابہت اور یگانگت پائی جاتی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی مسلمان، کجا کہ خدا سے ڈرنے والا صاحب علم، اس جرأت کا مظاہرہ کر ہی نہیں سکتا کہ وہ اس طرز تعبیر اور تشریح سے تجاوز کرنے کا سوچ بھی سکے جو نبیؐ آخری الزمان اور بعدازاں ان کے تعلیم وتربیت سے بہرہ مند صحابہ کرامؓ سے مختلف ہو اور نیز تاریخی واقعات اور عربی زبان کے قواعد وطریق کے بھی خلاف ہو۔ (محمد حمید اللہ ۱۹۹۲ء)___ یہ ایک ایسی تاریخی حقیقت جسے جھٹلایا نہیں جاسکتا کہ جب تک پیغمبرؐ اسلام زندہ رہے، آپؐ ازخود قرآنی آیات کے بارے میں تفصیلات بیان فرمادیتے تھے جب کبھی کسی نے آپؐ سے دریافت کیا۔ اس تمام دوران میں متعدد صحابہ کرامؓ بھی اپنے طور پر آپؐ کے ارشادات کو قلم بند کرلیا کرتے تھے۔ تاہم جب آپؐ نے اس دنیا سے پردہ فرمالیا تو پھر متعدد صحابہ کرامؓ نے اپنی زندگیاں تعلیماتِ قرآنی کی نشرواشاعت کے لیے وقف کردیں۔ تاہم اس کوشش میں ان کا تمام تر انحصار فرامین نبویؐ کے اتباع اور فروغ ہی کو رہا۔ ان کے بعد، ایسے لوگ آئے جنہوں نے اگرچہ صاحب قرآن کو نہ دیکھا تھا تاہم ان کا واسطہ ایسے لوگوں (صحابہ کرامؓ) سے پڑا جن کی تعلیم وتربیت ازخود نبی علیہ السلام نے کی تھی۔ ایسے لوگوں کو تابعین کہا جاتا ہے اور پھر ان کے بعد تبع تابعین کا دور آیا جنہوں نے تابعین سے تعلیم وتربیت حاصل کی تھی۔ ایسی تمام کوششوں کے نتیجے میں قرآنی تعلیمات کے چار بڑے مکاتیب مکہ، مدینہ، کوفہ اور عراق میں معرضِ وجود میں آئے۔ (محمد آفتاب خان اور مولانا عبدالحکیم اکبری ۲۰۱۲ء)

یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جب اسلامی ریاست کے حدود بلادعرب سے باہر نکلے تو ہزاروں لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ تاہم قرآن وحدیث کی علمی بنیادیں اس قدر مضبوط اور مستند روایات پر قائم ہوچکی تھیں کہ چودہ صدیاں بیت جانے پر بھی ان کے ترجمہ وتفسیر میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ اور بالخصوص اسلام کے خاندانی نظام کے بارے میں تو یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ وہ روایات بہت مستحکم اور مضبوط حوالوں سے امت مسلمہ میں

چلتی رہیں۔ اگرچہ تفاسیری لٹریچر میں ہمیں چند ایسی اسرائیلی روایات کا سراغ ضرور ملتا ہے (کہ امت مسلمہ کا یہ طرۂ امتیاز ہے کہ وہ علمی اور تحقیقی مسائل میں کسی قسم کا تعصب روا نہیں رکھتے) تاہم متعدد مفسرین اور اہل علم نے ایسے تمام معاملات پر بہت معنی خیز بحث مباحثہ کے ذریعے، ان کی خامیوں کو واضح کر دیا ہے۔ یہاں ہم اس بارے میں ابن کثیر کے حوالے سے چند نابغہ روزگار اصحاب علم کی رائے نقل کرتے ہیں کہ ''امت کبھی بھی اس امر کی محتاج نہیں رہی کہ وہ ان اصحاب کی رائے پر کلی انحصار کریں جو اگرچہ یہودی/نصرانی تھے لیکن بعد میں مشرف بہ اسلام ہوئے اور عہد نامہ قدیم وجدید میں درج امور سے بھی لوگوں کو آگاہ کر دیتے تھے۔'' (سید مودودی ۱۹۹۸ء، اور محمود غازی ۲۰۱۱ء)

اگرچہ ہم نے یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ قرآن کریم کی کوئی ایسی تعبیر ممکن نہیں جو مساواتِ مرد وزن کے حامی لوگوں (مرد وزن) نے عورتوں کے حقوق واختیارات کے لیے اور مردانہ اجارہ داری کے خاتمے کے لیے کی ہو تاہم اس موضوع پر سیر حاصل گفتگو موصوفہ کی کتاب کے حوالے سے کریں گے۔ جو موصوفہ نے اپنی کتاب کے نویں باب میں سورہ البقرہ کے آیات (۲:۲۲۸) کے حوالے سے کی ہے۔ اس کا انگریزی ترجمہ بھی ان کی کتاب سے نقل کر رہے ہیں

"And women shall have right similer to the rights against them according to that is equilable ; but men have a degree (of advantage) over women"

درج بالا آیات کے الفاظ "**و للرجال علیهن درجته**" کے ضمن میں موصوفہ نے ''عبداللہ یوسف علی (1946) کا حوالہ دیتے ہوئے یہ لکھا کہ انہوں نے اس کا ترجمہ یوں کیا کہ ''مردوں کو ایک درجہ (فوقیت) عورتوں پر ہے'' جبکہ پکھتال نے لفظ فوقیت کو ''ایک ڈگری زائد (With a degree above) لکھا ہے'' تاہم سید مودودی (۱۹۹۹ الف) نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے ''عورتوں کے لئے بھی معروف طریقے پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں۔ البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے۔

اور سب پر اللہ غالب اقتدار رکھنے والا اور حکیم و دانا موجود ہے۔''

تاہم موصوفہ نے اس کے مختلف مضمرات پر طویل بحث کرتے ہوئے متعدد سوالات کئے کہ ''کیا مردوں کو عورتوں پر اس طرح بڑائی رفوقیت حاصل ہے جس طرح انسانوں کو جانوروں پر حاصل ہے؟ یا مرد بالا (Edge) ہیں یا انہیں ایک برتری (Advantage) حاصل ہے عورتوں پر جس طرح کہ ایک مالک کو اپنے غلام پر ہوتی ہے، بادشاہوں کو اپنی رعیت پر ہوتی ہے؟'' اس کے ساتھ ہی (حسب سابق بیک وقت متعدد دیگر سوالات/ مسائل بھی چھیڑ دیئے جیسا کہ گزشتہ صفحات میں اشارہ کیا گیا)۔ یہاں انہوں نے روحانیت (Spirtuality) کا تذکرہ کر دیا اور اس ضمن میں متعدد ایسے سوالات بھی کر دیئے (جن کا اس جگہ کوئی موقعہ و محل نہیں بنتا کیونکہ سورۂ البقرہ کی زیر بحث آیات میں طلاق کا ذکر ہو رہا ہے) اور اس تمام تر طویل بحث سے یہ اخذ کیا کہ **''جس طرح عورت و مرد کا ایک دوسرے پر فوقیت اور برتری کے معاملہ کا ان کی بنیادی فطرت سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ اس کا بنیادی تعلق ان چند سوشل اور معاشی حالات سے ہوتا ہے جو کسی معاشرے میں کسی خاص دور میں درپیش ہوتے ہیں۔ اور واضح ہو کہ حالات و واقعات کے تبدیل ہو جانے سے عورت اور مرد کی حیثیتوں (فوقیت ر برتری ر بڑائی) میں بھی ایک فرق واقع ہو جاتا ہے کہ وہ مساوی حیثیت (Neutral) اختیار کر لیتی ہیں یا بالکل ہی دوسری حیثیت (Reversed) صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ بہر حال ایسی تمام حالتوں کو کسی صورت بھی مستقل اور حتمی (Permanent / Absolute) قرار نہیں دیا جا سکتا۔''**

موصوفہ کے درج بالا بظاہر دلائل کے بارے میں ہم گزارش کریں گے کہ مفسرین اور مترجمین نے جو الفاظ ''ترجیح (Advantage) ''، ''بالاتر (Above) ''، ''فوقیت (Edge) '' استعمال کیے ہیں ان کا مدعا اور مقصد کسی حتمی برتری رفوقیت (Absolute Superiority) سے ہرگز ہرگز نہیں اور نہ ہی طبقہ نسواں کو ہمیشہ کے لیے کم تر ثابت کرنا

ہے (جیسا کہ عہد نامہ قدیم وجدید میں یہود ونصاریٰ کے مذہبی لوگوں نے کیا)۔ ہمیں یقین ہے کہ کسی بھی مترجم یا مفسر نے ان آیاتِ قرآنی سے یہ مطلب اخذ نہیں کیا۔ **امر واقعہ یہ ہے کہ ان آیات کریمہ (۲:۲۲۵ تا ۲۲۷) کا تعلق طلاق کے اہم مسئلے سے ہے جبکہ مرد وزن کی برتری اور بڑائی جیسے موضوع کا اس سے دور از کار تعلق بھی نہیں تاہم یہ ایک مضحکہ خیز امر ہے کہ ان آیات سے طبقہ اناث کی ''کم تری، عدم برتری'' جیسے تصورات ''کشید'' کیے جارہے ہیں۔** ہمیں تو یہ مسئلہ بہت سادہ اور آسان لگ رہا ہے کہ ان آیات کریمہ میں مسئلہ طلاق کے بارے میں مرد وزن ہر دو کو اللہ تعالیٰ یہ حکم دے رہا ہے کہ وہ اپنے انفرادی رنجی تعلقات میں عدل وانصاف اور خدا ترسی کا مظاہرہ کریں حتیٰ کہ جب ان میں سے کوئی بھی اپنا عائلی زندگی کے نہایت قبیح فیصلے (Hateful Decision) کو استعمال کرنا چاہتا ہے جو اگرچہ جائز اور حلال تو ہے تاہم اسلامی تعلیمات میں اسے کبھی بھی پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا گیا۔ اسلام میں کبھی اس امر کی اجازت نہیں دی گئی کہ کوئی بھی اپنے حقوق واختیارات سے کسی صورت میں تجاوز کرے۔

تاہم ہمیں تعجب اور کسی قدر پریشانی ہے کہ ایک سادہ اور سیدھے مسئلے کو کیوں کر پیچیدہ اور ایک ''خاص رنگ'' دیا جارہا ہے اور اسے ان قرآنی آیات کے ساتھ جوڑا جارہا ہے جن کا کوئی تعلق بلکہ واسطہ تک بھی مسئلہ زیر بحث سے نہیں ہے؟ کیا ہمیں یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ (نعوذ باللہ) کو مناسب الفاظ اپنے احکامات دینے کے لیے نہیں ملے اور ان احکامات اور ان کے مخفی اور مناسب مفہوم کا ادراک چودہ صدیوں بعد چند مسلمان خواتین کو حاصل ہوا؟

درج بالا سطور میں بیان کردہ امور کے بارے میں مساوات کے حامی لوگوں کے طرزِ عمل میں کوئی واضح تبدیلی نہیں دکھائی دے رہی۔ سورۃ النساء (۴:۳۴) کے حوالے سے عبداللہ یوسف علی (۱۹۴۶) کے ترجمہ کو موصوفہ نے لکھا کہ'' انہوں نے لفظ ''قوام'' کو بمعنی ''محافظ (Protector)'' اور ''کفیل (Maintainer)'' کہا ہے۔ اسی

طرح موصوفہ نے لکھا کہ سید مودودی (۱۹۹۹ء، الف) نے اس کا ترجمہ ''ایک حاکم (Ruler)''، ''نگرانی کرنے والا (Care taker)'' لکھا ہے۔ جبکہ پکھتال (۱۹۸۷ء) نے اس لفظ کا ترجمہ انچارج (Incharge) سے کیا ہے۔ اسی طرح یوسف علی نے ترجمہ یوں کیا ہے کہ ''اللہ نے ایک کو دوسرے سے زیادہ طاقت دی ہے۔''

یہاں اس بات کا جاننا باعث دلچسپی ہوگا کہ سید مودودی (۱۹۹۹ء، الف) نے الفاظ ''حاکم (Ruler)'' نگران (Care taker) جو کہ عارفہ فرید کی کتاب میں ان سے منسوب کئے گئے ہیں، استعمال ہی نہیں کیے۔ ہم ان کی اردو تفسیر سے جو کچھ انہوں نے لکھا، نقل کر رہے ہیں۔ **''مرد عورتوں پر قوام ہیں، اس بناء پر کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس بنا پر کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔''**

یہاں ہم اپنے قارئین سے درخواست کریں گے کہ سید مودودی نے اپنی تفسیر میں اس کی تشریح کے لیے جو نوٹ لکھا ہے وہ اس کا براہِ راست مطالعہ کریں۔ سیّد مودودی نے واضح کہا کہ ''یہاں فضیلت بمعنی شرف اور کرامت اور عزت نہیں ہے ___ بلکہ یہاں یہ لفظ اس معنی میں ہے کہ ان میں سے ایک صنف (یعنی مرد) کو اللہ نے طبعاً بعض ایسی خصوصیات اور قوتیں عطا کی ہیں جو دوسری صنف (یعنی عورت) کو نہیں دیں یا اس سے کم دی ہیں۔ اس بنا پر خاندانی نظام میں مرد قوام ہونے کی اہلیت رکھتا ہے اور عورت فطرۃً ایسی بنائی گئی ہے کہ اسے خاندانی زندگی میں مرد کی حفاظت و خبرگیری کے تحت رہنا چاہیے۔'' ___ اس تشریحی نوٹ کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے موصوفہ نے خود بھی تسلیم کیا کہ **''اس آیت سے مردوں کو خواتین پر کسی قسم کی مکمل برتری حاصل ہونے کا ذکر نہیں ملتا۔ اس لیے کسی صنف کی فوقیت/ برتری کا تصور کرنا ایک مغالطہ سے کم نہیں۔''** ___ اگرچہ موصوفہ کی اس تصریح کے بعد یہ مسئلہ طے ہو جانا چاہیے تھا تاہم ہمارے لئے قابل احترام مصنفہ کی یہ تحریر باعث حیرت ہوئی کہ ''قطع نظر کسی ترجمہ کو اختیار کرنے کے، اگر مرد ''حاکم''

یا خواتین پر برتر ثابت (Established over Woman) یا جنہیں عورت پر ''برتری'' حاصل ہے کہ وہ ان کے محافظ ہیں اور ان کی حفاظت کرتے ہیں اور یوں کہ وہ عورتوں کی کفالت کرتے اور اپنا مال عورتوں پر خرچ کرتے ہیں۔ اس آیت کی رو سے پھر بھی بلامشروط مردوں کو کسی قسم کی برتری/ اتھارٹی طبقہ نسواں پر حاصل نہیں۔'' موصوفہ نے مزید دلائل دیتے ہوئے لکھا کہ ''اگر ایک مرد کو عورت پر کسی خاص قسم کی برتری حاصل نہیں کہ وہ اس کی حفاظت کرے اور اسے بچائے یا اگر مرد اس کی کفالت (نان نفقہ) کا ذمہ دار نہیں یا پھر اگر وہ عورت پر کوئی خرچ اخراجات نہیں کرتا یا اگر وہ دونوں (مرد اور عورت) ایک دوسرے کے ساتھ باہم مل کر روزی کماتے ہوں یا اپنے معاشی معاملات کو برابر برداشت کرتے ہوں؟ تو پھر ایسی حالت میں مرد کے لیے کسی برتری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور یوں دونوں کے درمیانی سوشل برابری پر کسی قسم کا اشتباہ کا رہنا کسی طور مناسب نہیں۔'' تاہم اس کے بعد بھی موصوفہ نے اپنے خیالات کی صحت کے بارے میں دلائل دیتے ہوئے اس تمام بحث کو یوں سمیٹا کہ ''اگر کسی معاملے میں (مرد کو معمولی/تھوڑی) فوقیت حاصل ہو جائے تو اس کی وجہ سے مردوں کو عورتوں پر کلی اختیار کا حاصل سمجھنا، مناسب نہیں۔ کیونکہ ہر دو اصناف ایک دوسرے کے رفیق حیات اور زندگی کے ساتھی (زوج) ہیں۔ شادی شدہ دو افراد کے درمیان جس قسم کا باہمی قرب پایا جاتا ہے، اس میں کسی ایک فرد کا کوئی فیصلہ یا دوسرے فرد (زوج) پر سبقت لے جاتا ہے جبکہ کسی دوسرے وقت دوسرے کا فیصلہ مان لیا جاتا ہے۔ مسلم خاندانی نظام کے خوشگوار ماحول میں اکثر و بیشتر خاوند، اپنی بیوی کے خیالات سے اتفاق کرتے ہیں اور اسی طرح بیوی بھی۔ وہ کسی طور بھی ایک دوسرے سے حصول طاقت/برتری کے لیے کبھی لڑتے جھگڑتے نہیں سوائے کبھی کبھار اختلاف رائے کی وجہ سے۔ قرآن کریم کا منشاء مدعا ایک ایسی سوسائٹی/معاشرے کو وجود میں لانا ہے جس میں مرد و زن دونوں ہاتھوں میں ہاتھ دے کر ایک دوسرے کی عزت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایک دوسرے کی رائے اور فیصلوں کا احترام کریں۔''____ ان تمام تر نہایت

ہی معتدل اور مبنی بر عدل موقف کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر مساوات مرد وزن کا یہ تمام تر شور وغوغا آخر کس لیے؟ قرآن کریم کی ان تعلیمات کی روشنی میں کہ خاوند کو سربراہ خانہ کی حیثیت کسی ایسے پہلو سے نہیں دیکھنا چاہیے کہ عائلی زندگی میں کسی سے زیادہ اختیارات کے حصول کے لیے کوئی دھڑے بندی ہو بلکہ اس کی اس حیثیت کو تسلیم کر لینے میں ہی عافیت ہے کہ وہ گھریلو امور کا ذمہ دار ہے تاہم اس کا بھی ہرگز ہرگز یہ مطلب نہیں لیا جانا چاہیے کہ گھریلو امور میں کسی طرح بھی خواتین کے کردار کو نظر انداز کیا جائے۔ جب ہم قرآنی تعلیمات اور احادیث کا مطالعہ کرتے ہیں (بالخصوص حضور کی عائلی زندگی جس طرح آپؐ نے ازواج مطہرات کے ساتھ گزاری) تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ایک آئیڈیل صورت وہ ہوتی ہے جس میں گھریلو امور باہم مشاورت سے چلائے جائیں جہاں ہر دو زوجین ایک دوسرے کے خیال اور رائے کا احترام ملحوظ خاطر رکھیں۔ تاہم ایسی (شاذ) صورت میں جب اختلاف رائے ہو جائے تو پھر عائلی زندگی کے قیام اور بقا و تسلسل کے لیے یہ ضروری ہے کہ مرد کی رائے کو اولیت دے کر اس اختلاف کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے۔ تاہم اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ بیوی کو کم تر سمجھا گیا ہے کیونکہ وہ بھی گھریلو امور کو چلانے میں برابر کی ذمہ دار اور شریک ہے۔ عائلی زندگی میں زوجین کی حیثیت سے ایک دوسرے کے ساتھ باہمی محبت ومودت، عزت واحترام اور ایک دوسرے کے حقوق کی نگہداشت کی مرہون منت ہوتی ہے۔ گھریلو زندگی میں ایک دوسرے کے ساتھ کھینچا تانی کی حالت اور ایک دوسرے پر برتری/فوقیت جتانے کو عائلی زندگی کو بہ احسن چلانا، خاندان کی ٹوٹ پھوٹ کا ایک بہت بڑا سبب ہے۔ تاہم ان ہر دو خیالات کے درمیان ہم آہنگی کے بعد، یہ امر حیرت وتعجب کا باعث ہے کہ اپنے تمام تر علم وفہم کے باوجود موصوفہ نے دوبارہ اپنی گفتگو کا رخ رابعہ بصری اور ان کی روحانیت کی جانب مبذول کر دیا۔ ایسی مبہم صورت حال میں بہتر ہے کہ ہم اس مسئلے پر مزید گفتگو سے احتراز کریں۔

خواتین کے مقام ومرتبہ پر اشکالات کا جائزہ:

مسلم ممالک کی پڑھی لکھی خواتین کے درمیان طبقہ اناث کے مقام ومرتبہ کے بارے میں جو مختلف اشکالات اور شکوک وشبہات پائے جاتے ہیں، ان کی وجہ سے یہ ضروری ہے کہ اس قسم کے خیالات کی تہہ تک پہنچ کر ان کا کھوج لگایا جائے۔ جب ہم اس کا مطالعہ کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ ان تمام تر شکوک وشبہات کا تعلق اس جھوٹے پروپیگنڈے سے ہے جو چرچ کے ذمہ داروں کی جانب سے سینکڑوں سال سے کیا جارہا ہے۔ جب اسلام نے ساتویں صدی ہجری میں یورپ میں فتوحات حاصل کرنی شروع کیں تو چرچ کے ذمہ داروں نے اسلام کی فتوحات کا سلسلہ روکنے کی خاطر مختلف شکوک وشبہات اور غلط فہمیوں کو پھیلانے کا آغاز کیا۔ وہ اپنے اس مقصد میں اس حد تک کامیاب ہوگئے کہ اس کی وجہ سے ان کے ماننے والے عیسائی عوام میں ایک تعصب کی فضا، اسلام کے خلاف پیدا ہوگئی جو نسل درنسل منتقل ہوتی ہوئی آج کے اس روشن اور علمی دور میں بھی ''تہذیبوں کے درمیان کشمکش'' کے عنوان سے زندہ ہے۔ ان عیسائی مذہبی لوگوں کی زیادہ تر توجہ آنحضرتؐ کی عائلی زندگی پر اعتراضات کی شکل میں تھی۔ اور یوں انہوں نے اسلام کے خاندانی نظام پر بھی بہت رکیک اعتراضات کیے۔ یہ امر باعث حیرت ہے کہ عوام الناس کے علاوہ، مغرب میں اہل علم کی بھی ایک بہت بڑی تعداد ہے جو نہ صرف ان خیالات سے آگاہ ہے بلکہ وہ ایسے تمام پروپیگنڈے کو آگے پھیلانے میں بھی پیش پیش ہے۔ یہ ایک بہت حیرت انگیز حقیقت ہے کہ کس طرح موجودہ اہل علم ان قدیم یہودی/عیسائی مذہبی لوگوں کے خیالات سے متاثر ہوئے۔ اگرچہ یہ موضوع ہماری کتاب کے حیطہ اختیار سے باہر ہے تاہم اس امر کو جاننے کے لیے کہ موجودہ دور میں کیونکر مسلم پڑھے لکھے مرد اور خواتین، مغربی مفکرین اور اہل علم سے متاثر ہوئے، اس کا مختصراً ذکر ضروری ہے۔

مسلمانوں نے سپین کو آٹھویں صدی ہجری کے اوائل میں فتح کیا اور وہاں آٹھ سو سال تک حکمرانی کی۔ پروفیسر ہٹی نے لکھا کہ سپین میں مسلمانوں نے مستقبل میں یورپ

کے علمی دور کی تاریخ کا سنہرا ترین باب رقم کیا۔Ameer Ali (۱۹۶۲ء) کے بقول اس وقت جرمن قوم کے وحشیانہ حملوں اور طرزِ عمل کی وجہ سے یورپ تاریکی کے اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ اس دور میں مذہبی لیڈروں نے بھی اس تاریک دور کو مزید اندھیروں میں دھکیلنے میں اپنا زور لگایا تھا۔ سپین پر فتح حاصل کرنے کے پہلے پانچ سو سالوں میں مشرق سے مسلمانوں کی تہذیب و تمدن کا ایک سیلاب یورپ میں اُمڈ کر آیا۔ بارھویں اور تیرھویں صدی تک اس علمی، ادبی، تہذیبی اور تعلیمی سیلاب کا اس قدر زور ہوا کہ یورپ اس سے بہت زیادہ بہرہ مند ہوا۔ مسلم اہلِ علم کی سائنسی توجیہات اور سرگرمیوں کی بناء پر یورپ میں ایک ایسے دور کا آغاز ہوگیا جس کے نتیجے میں پندرھویں/سولھویں صدی میں تحریک احیائے علوم (Renaissance) اور بعد ازاں تحریک اصلاح کلیسا (Reformation Movement) (۱۵۱۷ تا ۱۶۴۸ عیسوی) نے اپنا وجود تسلیم کرایا جس کے نتیجے میں یورپ کا مستقبل ایک ایسے روشن دور سے روشناس ہوا کہ اس نے تمام دنیا سے اپنا لوہا منوالیا۔

Ameer Ali 1962 نے مزید واضح کیا کہ تحریک احیائے علوم کا سب سے زیادہ مثبت اثر یورپ میں بہت بڑے پیمانے پر کتب کی اشاعت سے شروع ہوا۔ یورپین اہلِ علم نے مسلمانوں کی تحریر کردہ کتب سے استفادہ کرتے ہوئے ان کے تراجم اپنی زبانوں میں کیے اور یوں یورپ علم و ہنر کے دور سے آگاہ ہوا جبکہ اس سے پہلے وہ نہ صرف ان کا کوئی علم نہ رکھتے تھے بلکہ ایسے تمام علمی معلومات کے ذرائع کو تباہ بھی کر چکے تھے۔ یہاں اس امر کی وضاحت بھی (بالخصوص نوجوان طبقے کی معلومات کے لیے) کرنی ضروری ہے کہ مسلم اہلِ علم کی علمی کاوشوں کو یورپی زبانوں میں ترجمہ کرتے وقت یورپین اہلِ علم نے ان کی بہت سی کتب/معلومات کو اپنی ذاتی کاوش اور ذہن کی اختراع بھی قرار دیا۔ اس طرح متعدد جرمن اور فرانسیسی مستشرقین جنہوں نے ابتدائی عرب اہلِ علم سے استفادہ کیا تھا، انہوں نے تمام واقعات کو ایک رنگین عینک سے دیکھ کر پروپیگنڈے کا خود بھی شکار ہوگئے جو متعصب مذہبی

لیڈروں نے شروع کی تھی۔ تاہم یہ کہانی یہاں پر ہی ختم نہیں ہو جاتی بلکہ مزید حیران کن یہ حقیقت ہے کہ بعد میں آنے والے بادشاہ، اہل علم اور دیگر سیاسی لوگ نہ صرف سینکڑوں سال قبل بلکہ آج کے اس دور میں بھی ''تہذیبوں کی جنگ'' کے عنوان سے اسلام کے خلاف برسرِ پیکار ہیں۔ آکسفورڈ اور کیمبرج جیسے علمی اداروں نیز متعدد دیگر امریکن اور یونیورسٹیوں سے ہزاروں کی تعداد میں ایسی کتب کی اشاعت مسلسل جاری و ساری ہے۔ جو مستشرقین کے عقائد اور خیالات کا پرچار کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔

موجودہ دور میں پڑھے لکھے مسلمان مرد اور خواتین کا یہ المیہ ہے کہ وہ خود تو جرمن، فرانسیسی، حتی کہ عربی/فارسی بھی نہیں جانتے کہ وہ ان زبانوں میں موجود اصل ذرائع سے استفادہ کر سکتے۔ وہ نہ صرف ان تمام عقائد اور خیالات کا پرچار کرنے میں لگ جاتے ہیں جو مستشرقین نے اپنی کتابوں میں درج کیے ہیں۔ اگرچہ ہمیں ذاتی طور پر ان مسلمان اہل علم (مرد و خواتین) کے علمی وقار اور مقام کے بارے میں کسی قسم کا کوئی اشتباہ نہیں۔ تاہم جب ہم مغربی اہل علم کے خیالات کا ان کی زبان اور قلم سے پرچار ہوتے دیکھتے ہیں تو پھر ہماری زبان پر بے اختیار غنی کاشمیری کا یہ شعر آجاتا ہے کہ:

غنی روزِ سیاہِ پیر کنعاں را تماشہ کن
کہ نورِ دیدہ اش روشن کند چشمِ زلیخارا!

ابھی اس کتاب کی حتمی کمپوزنگ نہیں ہوئی تھی کہ ہمیں ایک بہت ہی پُرمغز مقالہ "Muslim feminists and study of objective and reinter pretition of Quranic comments: study of objective and methodologies" از ڈاکٹر آسیہ شبیر اور ڈاکٹر محسنہ منیر (۲۰۲۰) پڑھنے کو ملا۔ اس مقالے کے مندرجات نے اس خلا کو کافی حد تک پورا کرنے میں مدد دی جو ہماری تحریر میں باب ہفتم میں (مسلم خواتین اور قرآن کی تشریح) کے تحت درج ہے۔ چونکہ مساوات مرد و زن کا معاملہ اسلامی تعلیمات کے تحت حل کرنا ناممکن تھا اس لیے مسلم مرد و خواتین نے اس

کے لئے مستشرقین اور حال میں روبن لیوی (۱۹۶۲) کے خیالات کے تحت قرآنی تعلیمات کو مغربی تہذیب تعلیم سے ہم آہنگ کرنے کے لئے قرآنی تشریح برائے مساوات مرد وزن کے تحت، کا نعرہ لگایا۔ ایسے تمام لوگ، قرآنی تعلیمات کو ازمنہ قدیم کے خیالات سمجھتے ہیں اس لئے انہوں نے عورتوں کے مفادات کے تحت قرآنی آیات کی تشریح کا شوشہ چھوڑا۔ یہ مقالہ، جو پاکستان کی دو مسلمان خواتین نے لکھا ہے، اس میں مساوات مرد وزن کی نامور خواتین (Fatima Meranssi 1975، Asma Barlas 2020 ودیگر) کے اس دعویٰ کا ایک ناقدانہ جائزہ لیا گیا ہے اور اس امر کا اظہار کیا ہے کہ اس طریق قرآنی تعلیمات کی تشریح کا کام، اصل اسلامی تعلیمات (قرآن وسنت) سے متصادم ہیں اور انہیں کسی صورت بھی مسلم امت پذیرائی نہیں دے سکتی!____ ضرورت ہے کہ اس قسم کے کام کو انگریزی/ دوسری زبانوں (فرانسیسی/عربی) میں بھی ترجمہ کر کے شائع کیا جائے لیکن یہاں تو صورتِ حال یہ ہے کہ ماضی میں مختلف حکومتوں سے تعلیم کو ایک غیر پیداواری سیکٹر (Non-Productive Sector) سمجھا ہوا ہے۔ لیکن ادھر یونیورسٹیوں میں ایسے ایسے ''صاحبانِ علم'' بطور وائس چانسلر لگائے جاتے ہیں جنہیں تحقیق/ تدوین/ تالیف وتصنیف سے دور دور کا واسطہ تو کیا، ان کے حاشیۂ خیال بھی نہیں کہ یونیورسٹیوں کا صرف ایک ہی کام ہوتا ہے کہ وہ اپنے اساتذہ/محققین کے رشحاتِ قلم کو نہ صرف ملکی عوام کی راہ نمائی بلکہ اقوام عالم کی زبانوں میں پیش کریں، جیسا کہ یورپ اور امریکہ کی یونیورسٹیوں کا طرز عمل ہے کہ وہ اسلام کے خلاف ہر قسم کی ہرزہ سرائی کو اعلیٰ مقالہ جات اور کتب کی شکل میں تمام دنیا میں پھیلا دیتے ہیں۔ یہ امر بھی کسی المیہ سے کم نہیں کہ پاکستان کی ایک آدھ سرکاری یونیورسٹی کے علاوہ کسی ایک کے بھی ہاں یہ شعبہ موجود ہی نہیں۔ جہاں تک پرائیویٹ یونیورسٹیوں کا تعلق ہے تو وہ تو ''تجارتی کمپنیاں'' ہیں____ انہیں تحقیق اور اشاعت کتب سے تو دور کا بھی واسطہ نہیں! (محمد آفتاب خان 2022ء)

باب ہشتم:

مسلم خواتین اور دعوۃ

''مدینہ کی عورتیں بھی عمر سے زیادہ قرآن کا فہم رکھتی ہیں۔'' (قول عمرؓ)

مساوات مرد وزن کی آڑ میں مسلم خواتین کی دنیاوی معاملات از قسم سماجی، معاشی اور سیاسی امور میں شرکت اور حقوق کا سوال بھی اکثر و بیشتر اٹھایا جاتا ہے۔(Arifa Farid ۲۰۰۶ء) نے بھی یہ سوال کیا ہے کہ ''کیا ایک مسلمان عورت روحانی لیڈر یا راہ نما ہوسکتی ہے؟ کیا ماضی میں کبھی ایسی کوئی خاتون مذہبی یا روحانی لیڈر گزری ہے؟ کیا کوئی عورت قرآن وسنت کی تعبیر وتشریح کرنے کی اہلیت رکھتی ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر کیا مسلم امت ایسی خواتین کے طرز تعبیر اور تشریح کو شرف قبولیت بخشیں گے؟ مزید براں مختلف ادیان (یہودیت/ نصرانیت و دیگر) میں مذہبی کتابوں پر مردوں کی اجارہ داری تھی جنہوں نے اپنے مفاد اور برتری کے لحاظ سے مذہبی قوانین کو مرتب کیا تھا، کیا اسلام میں بھی ایسا ہی ہے؟ کیا ماضی میں ایسی کسی خاتون کی نشان دہی کی جاسکتی ہے جسے یہ مقام حاصل تھا اور کیا کبھی اس کی تعبیر وتشریح کو امت کے مرد وزن سب میں قبولیت حاصل تھی؟ کیا اسلام میں مردوں کے علاوہ کسی ایسی عورت کا وجود تھا جسے روحانیت میں بھی کمال حاصل تھا اور اس کے روحانی کمالات کا ایک عالم گرویدہ رہا ہے؟ اور کیا موجودہ مسلم سوسائٹی میں کسی ایسی خاتون کو کوئی مرتبہ ومقام حاصل ہوسکتا ہے؟''

قابل احترام مصنفہ کے یہ ڈھیروں سوالات صرف علمی سوالات کی حیثیت ہی نہیں رکھتے بلکہ ان کے جوابات کی ضرورت اس لیے بھی ہے کہ ان کی وجہ سے معاشرے میں عورت کے مرتبہ ومقام کا تعین کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔ کیونکہ عورتوں کا کسی روحانی مقام

پر فائز ہونا دراصل دنیا میں ان کے سماجی اور معاشی حقوق کے تعین میں ممد و معاون ہوسکتا ہیں۔اس باب میں ہم ان تمام سوالات کا مطالعہ کریں گے۔اور کوشش کریں کے معروضی انداز میں ان کا جواب دیں۔تاہم ہمیں پہلے قدم پر ہی معاف کر دیا جائے کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس قسم کے تمام سوالات دراصل مستشرقین کے خیالات کی بازگشت (Echo) ہیں جو ہم اس کتاب کے ابواب پنجم اور ششم میں کسی حد تک زیر بحث لا چکے ہیں۔تاہم قبل ازیں کہ ہم ان سوالات کی جانب آئیں، یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ پہلے ہم اس سوال پر غور کریں کہ اسلام علم اور حصول علم کے بارے میں کن خیالات کا حامل ہے اور کیا وہ ہر مسلمان مرد اور عورت کے لیے اس کے حصول کو ضروری سمجھتا ہے یا نہیں؟ یہاں ہم یہ بھی واضح کر دیں کہ اس باب کا بیشتر مواد طالب ہاشمی (۱۹۹۸ء) کی کتاب نیز متعدد دیگر کتب و رسائل سے لیا گیا ہے جس کی صراحت حوالہ جات کے باب میں کر دی گئی ہے۔

اسلام میں حصول علم کی فرضیت:

البلاذری نے لکھا ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں صرف پانچ ایسی خواتین تھیں جو لکھنا پڑھنا جانتی تھیں۔ان میں حفصہ بنت عمرؓ (ام المومنینؓ)، ام کلثوم بنت عقبہ، عائشہ بنت سعاد، کریمیہ بنت مقداد اور الشفاء بنت عبداللہ اوزاری شامل تھیں۔اس فہرست میں درج آخری نام، ان خاتون کا ہے جنہوں نے حضرت حفصہؓ کو پڑھایا تھا اور نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی شادی کے بعد بھی انہیں اس تعلیمی سلسلے کو جاری رکھنے کی ہدایت کی تھی۔حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تمام ازواج میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا صرف پڑھ سکتی تھیں۔تاہم حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے جو تعلیم حضرت الشفاء سے حاصل کی تھی، وہ دراصل اسلام میں خواتین کی تعلیم و تربیت کا سنگ میل ثابت ہوئی۔بعد ازاں خواتین کی ایک نامزد صحابیہؓ نے آنحضرتؐ سے درخواست کی کہ آپ خواتین کی تعلیم و تربیت کے لیے علیحدہ سے بندوبست فرما دیں اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایسا ہی کیا۔

Ahmad Shalbi 1954 نے اپنی کتاب **''اسلام میں خواتین کی تعلیم و تربیت کی تاریخ''** [1] کے موضوع پر مقالہ لکھا تھا۔ وہ رقمطراز ہیں کہ ''مسلمان بچیوں کو گھر پر ہی تعلیم دی جاتی تھی۔ اکثر والدا اپنی لڑکیوں کو تعلیم دیا کرتے تھے جیسا کہ ہم عیسیٰ بن مسکین (جن کا انتقال ۲۷۸ھ میں ہوا) کے بارے میں جانتے ہیں۔ وہ اپنے نوجوان طلبہ کو دوپہر (نماز ظہر) تک پڑھاتے تھے اور شام کے وقت اپنی لڑکیوں اور نواسوں، نواسیوں، پوتے پوتیوں کو پڑھاتے تھے۔ شاہی خاندان اور امراء کی خواتین کی تعلیم کے لیے علیحدہ سے کسی استاد کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں۔ اس طرح بہت سی خواتین نے گھر پر رہ کر تعلیم حاصل کی۔ اور مختلف علوم بالخصوص فلسفہ اور اسلامی قانون (فقہ) میں مہارت تامہ حاصل کی۔ شلبی نے متعدد خواتین کے نام بھی دیئے ہیں جنھوں نے مختلف علوم میں دسترس حاصل کی۔

لٹریچر کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ خواتین کی دلچسپی کے مضامین میں حدیث اور فقہ تھے۔ ہم آئندہ صفحات میں مطالعہ کریں گے کہ متعدد خواتین نے ان مضامین میں اعلیٰ مقام حاصل کیا۔ ابن حجر نے اپنی کتاب ''الاصبۃ فی تمیز الصحابہ'' میں ۱۵۴۳، ایسی خواتین کے نام درج کیے ہیں جنھوں نے علم حدیث حاصل کیا۔ اسی طرح النوی نے اپنی کتاب ''تہذیب الاسماء'' میں اور خطیب بغدادی نے اپنی کتاب ''تاریخ بغداد'' میں بہت تفصیل کے ساتھ اپنی کتابوں میں ایسی نامور خواتین کا ذکر کیا ہے جنھوں نے اسلامی تعلیمات میں بہت مہارت حاصل کی۔

Ameer Ali (۱۹۱۰ء) نے اپنی کتاب میں شیخا شبدے نامی خاتون جو فخر النساء کے لقب سے مشہور تھیں، لکھا کہ وہ بغداد کی جامع مسجد میں درس دیا کرتی تھیں۔ ان کا نام دیگر متعدد اہل علم کے ہمراہ ادب و احترام کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ خطیب بغدادی نے

---

[1] یہ کتاب ان کے پی ایچ ڈی کے اس مقالے پر مبنی ہے جو انہوں نے کیمبرج یونیورسٹی (برطانیہ) کے لیے ۱۹۵۱ء میں لکھا تھا۔ جو غالباً ۱۹۵۴ء میں منظور ہوا تاہم کتابی شکل میں ۱۹۶۴ء میں شائع ہوا:

آہ کو چاہیے اک عمر اثر ہونے تک!

بخاری شریف کا درس کریمیہ بنت احمد المعروض سے حاصل کیا۔ اسی طرح دیگر ۸۰ خواتین بھی تھیں جو مختلف جگہوں پر درس و تدریس میں مصروف رہتی تھیں۔

قرآن کریم کی سب سے پہلی جو آیت (سورۂ العلق: ۱:۹۶) نازل ہوئی وہ حصول علم کے لیے ہدایت ربانی کا شاہکار ہے۔ سورہ الممتحنہ (۶۰: ۱۲) میں بھی جہاں خواتین سے بیعت لینے کا ذکر ہے، اللہ تعالیٰ نے ایک نہایت اہم نکتہ شامل فرمایا کہ عورتوں کے لیے لازم ہے کہ وہ معروف میں آپ کے حکم کی تابعداری کریں گے۔ اس کی رو سے عورتوں کے لیے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اتباع اور پیروی فرض ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ حصول علم کریں۔ پس ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام نے دین یعنی حصول علم کی ایک پیاس مرد و عورت، ہر دو اصناف میں پیدا کر دی کہ نہ صرف وہ بہت سے معاملات امہات؇ المومنین سے پوچھتے تھے بلکہ خواتین تک براہِ راست اللہ کے رسولؐ سے بھی اپنے معاملات پر راہ نمائی حاصل کرتی تھیں۔ اس ضمن میں ہمیں صحیح مسلم کی ایک حدیث حضرت عائشہؓ کی روایت سے ملتی ہے کہ ''قریش کی عورتیں کتنی اچھی ہیں کہ دین سیکھنے میں شرم و حیا کا خیال نہیں رکھتیں اور کبھی عار محسوس نہیں کرتیں دین سیکھنے کے بارے میں۔'' (مفہوم)۔ اسی طرح ایک دوسری حدیث میں جو حضرت عائشہ صدیقہؓ سے ہی مروی ہے کہ جب قرآن کا نزول ہو رہا تھا تو خواتین نے اس کی عبارت اور معنی و مضمرات کو سیکھنا شروع کر دیا تھا کہ وہ جان سکیں کہ حلال/ جائز کیا ہے اور حرام (ناجائز) کیا ہے۔ (مفہوم)

درج بالا نہایت روشن چند مثالوں کے بعد، اسلام چونکہ ایک نظام حیات ہے جو انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے اسلامی شریعت نے نہ صرف ایک انسان کی ذاتی/ نجی زندگی بلکہ اجتماعی زندگی کے مختلف ادوار جس میں ذاتی صفات/ کیریکٹر، اخلاقیات، خاندانی روابط، سوشل اور معاشی معاملات، شہریوں کے حقوق اور فرائض، سیاسی، عدالتی، نیز صلح و جنگ کے قوانین، تعلیم اور عبادات، غرضیکہ تمام زندگی کے بارے میں راہ نمائی دی گئی ہے۔ ایسے حالات میں یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ اسلام نے انسانی زندگی کے ایک اہم

ترین شعبہ تعلیم وتربیت اور وہ بھی تعلیم نسواں کو نظر انداز کیا ہوگا؟ مسلم معاشرے کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا یہ تقاضہ ہے کہ معاشرے کے تمام ارکان کو ان معاملات کا علم ہو جن کے مطابق انہوں نے زندگی بسر کرنی ہے!

درج بالا گزارشات سے طبقہ اناث کی زندگی میں قرآن وسنت پر مبنی تعلیمات کے حصول کی اہمیت اور ضرورت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ قرآن وسنت کی تعلیمات دراصل زمانہ، وقت، عہد یا صنف کی پابند نہیں۔ پس تمام مسلمان مرد اور عورتوں کو حصول علم بطور فریضہ کے حاصل کرنے کا پابند کیا گیا ہے چاہے اس کے حصول کے لیے انہیں دور دراز کا سفر ہی کیوں نہ کرنا پڑے!

رسولِ خدا نے کبھی بھی تعلیم تربیت نسواں کو نظر انداز نہیں فرمایا۔ اس ضمن میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمیشہ اپنی مختلف عمر کی ازواجؓ کو تعلیم وتربیت بالخصوص خواتین کے وہ مسائل جن کا تعلق ان کی زندگی کے پرائیویٹ/نجی/ انفرادی معاملات (طہارت وغیرہ سے ہوتا ہے) کی تعلیم کا اہتمام فرمایا۔ اس ضمن میں مسلمان خواتین کو فجر اور عشاء کی نمازوں میں خاص کر مسجد نبوی میں جا کر نماز پڑھنے کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ مزید خواتین کو جمعہ اور بالخصوص عیدین کے موقعہ پر اجتماعی نماز میں شرکت کی تاکید فرمائی۔ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ بہت سی خواتین نے رسولؐ خدا کو جمعہ کے روز قرآن کی تلاوت سے قرآن کو ازبر یاد کیا (بخاری، مسلم)۔ نہ صرف یہ بلکہ کئی مواقع پر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) بذاتِ خود، خواتین کے اجتماعوں میں تشریف لے جاتے اور انہیں دینی امور کی تعلیم دیتے۔ اسلام نے طبقہ اناث میں علم کی ایک ایسی پیاس پیدا کر دی کہ درج بالا اقدامات کے علاوہ، عورتوں کی اپنی درخواست پر ان کی تعلیم وتربیت کے لیے علیحدہ سے ایک دن کا تعین فرمایا کہ بالعموم دیگر تمام اوقات میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اردگرد صحابہ کرامؓ موجود رہتے تھے اور یوں عورتوں کو علیحدہ سے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع نہ ملتا تھا۔ اس مقصد کے لیے آپؐ نے اکثر مختلف اصحاب کو بھی نامزد

فرمایا کہ وہ خواتین کے پاس جا کر انہیں تعلیم سے سرفراز فرمائیں۔ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے خواتین کو عیدین کی نماز میں شرکت کی تاکید فرمائی حتیٰ کہ حائضہ خواتین کو بھی عید کی اجتماعی دعا میں شریک ہونے کی تاکید کی۔

اسلام میں طبقہ نسواں کی تعلیم و تربیت ایک ایسا اہم موضوع ہے جس پر ڈھیروں کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔پیغمبر اسلام اس ضمن میں اس حد تک دلچسپی رکھتے تھے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے والدین اور شوہروں کو مکلف ٹھہرایا کہ وہ اپنے بچوں (لڑکوں اور لڑکیوں) اور بیویوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کریں۔(ابوداؤد، بخاری)۔ابوداؤد نے اپنی کتاب کے باب طب میں اور امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں روایات درج کی ہیں کہ آنحضرتؐ نے خواتین کو لکھنے کی تربیت کی تاکید فرمائی۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے اپنے ابتدائی دور سے ہی تعلیم کی ایک ایسی زبردست مہم کا آغاز کیا کہ مرد اور عورتیں، نوجوان یا بوڑھے، دیہی یا شہری، تمام لوگ اس سے اس حد تک مستفیض ہوئے کہ تاریخ کے صفحات ماضی بعید سے لے کر آج تک اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں۔مسجد نبوی میں صفہ کا چبوترہ، موجودہ اصطلاح میں ایک ایسی بین الاقوامی یونیورسٹی کے روپ میں ڈھل گیا تھا جہاں دور اور نزدیک سے آنے والے طلبہ، اگرچہ وہ اکثر بھوکے اور مناسب کپڑوں سے بھی تہی دست ہوتے تھے، اس جگہ آکر تعلیم حاصل کرتے تھے گویا کہ یہ ایک ہمہ وقتی تعلیم و تربیت کا ادارہ بن گیا تھا۔اس تعلیمی مہم کے اثرات کی ہمہ گیریت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ آج بھی امت اس تعلیمی مہم اور اس کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کر سکی۔ذیل کے صفحات میں ہم ان تعلیمی اقدامات اور انقلاب کا ایک اجمالی خاکہ پیش کریں گے جس نے قرآنی تعلیمات کے اس فرمان ''اقراء'' اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اس قول کہ ''علم حاصل کرو مہد سے لحد تک'' کے اصول سے جنم لیا تھا۔سب سے پہلے ہم ان خواتین کی زندگیوں کے حالات کا مطالعہ کریں گے جنہوں نے اسلام کے بالکل ابتدائی دور میں اسلامی تعلیمات نہ صرف خود سیکھیں بلکہ دوسری خواتین تک

بھی ان تعلیمات کو پہنچایا۔ بعدازاں ہم تاریخ کے حوالے سے مختلف ادوار میں تعلیمی امور کا جائزہ لیں گے۔

صحابیات: اسلامی شریعت کی نابغۂ روزگار خواتین:

جیسا کہ درج بالا سطور میں بتایا گیا کہ اسلامی تاریخ کے دور اولین میں متعدد ایسی خواتین نے دینی تعلیم میں اس قدر مہارت حاصل کر لی تھی کہ متعدد صحابہ کرامؓ بھی ان کے تبحر علمی کے معترف ہو گئے تھے۔ ابن قیم کے بقول ایسے صحابہؓ کرام جن کی روایات/ فتاوی مدون ہو گئے تھے اور آج بھی موجود ہیں، ان کی کل تعداد ۱۳۰ تھی جس میں صحابیاتؓ بھی شامل تھیں۔ ان میں سے سات حضرات ایسے ہیں جن کی فتاوی/ آراء اس قدر زیادہ ہیں کہ اگر انہیں مرتب کیا جائے تو ابن حزم کے بقول ان میں سے ہر ایک بڑی ضخامت کی کتاب بن جائیں گے۔ ان سات نابغۂ روزگار ہستیوں میں حضرت عائشہ صدیقہؓ شامل ہیں جبکہ دوسرے اصحابؓ میں حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ شامل ہیں۔ دوسرے گروپ میں وہ اصحابؓ شامل ہیں کہ ان کی آراء اور فتاوی کو ایک کتاب/ جلد کی شکل میں جمع کیا جا سکتا ہے اور اس میں حضرات ابوبکرؓ، حضرت عثمانؓ، اور ام سلمہؓ شامل ہیں۔ تیسرے گروپ ان اصحابؓ پر مشتمل ہے جنہوں نے بہت کم فتاوی/ روایات کی ہیں اور ان میں ام عطیہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت ام حبیبہؓ، حضرت صفیہؓ، لیلاؓ بنت قیم، اسماءؓ بنت ابوبکرؓ، ام شریکؓ خولہ بنت تویت، ام درداءؓ، عاتکہؓ بنت زید، سہلہؓ بنت سہیل، حضرت جویریہؓ، حضرت میمونہؓ، حضرت فاطمہؓ بنت قیس، ام سلمہؓ، حضرت فاطمہؓ، زینبؓ بنت ام سلمہ، ام ایمنؓ، ام یوسفؓ اور غامدؓ ـــــ یہ تمام خواتین ہیں (اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہو)۔ اس طبقے میں اسلام کی وہ مایہ ناز خواتین شامل ہیں جن کے فتاوی اور آراء نہ صرف اس قدر مستند اور اعلیٰ علمی و دینی حیثیت کے حامل ہیں کہ ان کو دیکھتے ہوئے متعدد جید صحابہؓ کرام نے نہ صرف اپنی آراء سے رجوع کر لیا بلکہ ان خواتین کے خیالات و آراء کو ازخود اپنے طور پر اختیار کر لیا۔ تاہم یہاں ہم اپنی اس حیرت اور تعجب کا

اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس قدر علمی کام کیوں کر اور کس طرح ہماری قابل اور ذہین مصنفہ اور اس قبیل کی دوسری خواتین کی نظروں سے اوجھل رہ گیا جنہیں اسلام میں خواتین کے علمی مقام اور مرتبہ کے بارے میں اس قدر اشتباہ ہے کہ انہوں نے اس ضمن میں ایک طویل فہرست سوالات کی شکل میں پیش کر دیئے۔ آیئے اب ہم ان خواتین کی علمی وجاہت اور قدر و قیمت کے بارے میں مزید معلومات حاصل کریں۔ ہم اپنے اس مطالعے کو چار مختلف طبقات کی خواتین کے حوالے سے دیکھیں گے:

(الف) امہات ؓ المومنین جو مختلف عمروں اور معاشرے کے مختلف سوشل رسماجی ذہن کی نمائندہ ہیں۔

(ب) صحابیات ؓ

(ج) چند دیگر اہل علم خواتین اور

(د) مسلم معاشرے کی عام خواتین

(الف) امہات المومنین ؓ:

ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ ؓ:

امہات المومنین کے زمرے میں اولیت کے شرف میں سب سے پہلے حضرت خدیجۃ الکبریٰ ؓ ہیں کہ رسول خدا پر ایمان لانے میں انہیں اولیت کا شرف حاصل ہے اور یوں وہ طبقہ نسواں کے لیے فضیلت و بزرگی کا ایک ایسا انمول نمونہ ہیں جن پر یہ طبقہ قیامت تک کے لیے فخر کر سکتا ہے۔ اگرچہ سیدہ ؓ سے بہت زیادہ روایات احادیث مروی نہیں تاہم نزول وحی کی بابت تمام تر معلومات ہمیں سیدہ ؓ کے اقوال سے ہی ملتی ہیں۔ نیز سیدہ ؓ نے جس طریق پر شادی کے بعد، آنحضرت ؐ کی خدمت سرانجام دی اور جس طرح اپنی تمام تر دولت، آپ ؐ کے قدموں میں ڈال دی اور جس انداز میں نبوت کے آغاز میں شعب ابو طالب میں قید و بند کے دن گزارے، وہ سب امت مسلمہ کی تاریخ کا ایک ایسا سنہرا باب ہے جس کی مثال قیامت تک کے لیے اعزاز کا باعث رہے گی۔ محسوس ہوتا ہے کہ نبوت کے ابتدائی ایام میں،

اللہ کی مشیت میں اپنے رسولؐ کی دلجوئی اور جس خدمت کی ضرورت تھی تا کہ آپ کارِ نبوت کی تکمیل میں ہمہ تن مصروف ہوسکیں وہ اللہ تعالیٰ نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سیدہؓ کی شکل میں خاص طور پر فراہم کردی جس کا اظہار آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی احادیث میں کیا اور سیدہؓ کی خدمات کو سراہا۔

(۲) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ:

امہاتؓ المومنین میں سب سے کم عمر کی نہایت ذکی اور فہیم ذات حضرت عائشہؓ کی ہے جنہوں نے اپنی کم عمری کے باوجود، رسولِؐ خدا سے سب سے زیادہ اکتساب فیض کیا اور اسے رسولِؐ خدا کی رحلت کے بعد بھی ایک طویل عرصہ تک پہنچانے کا شرف حاصل کیا۔ اس سے معترضین کے اس اعتراض کا بھی ازالہ ہو جاتا ہے کہ مختلف عمروں اور سماجی طبقات کی ازواجِؓ مطہرات کی زندگی موجودہ روشن اور ترقی یافتہ دور کی خواتین کے لئے کسی طور بھی مفید نہیں ہوسکتی!

سیدہ صدیقہؓ کو آنحضرتؐ کی احادیث اور اسوۂ حسنہ کو امت تک پہنچانے کا ایک خصوصی مقام حاصل ہے۔ سیدہؓ نے اپنی بیشتر احادیث کی روایت براہِ راست پیغمبر خدا سے کی، پھر آپؓ نے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت سعد بن ابی قاصؓ اور دیگر صحابہ کی وساطت سے روایت کی۔ آپ کی مروی کل احادیث کی تعداد ۲۲۱۰ ہے جو نہ صرف احادیث کی متعدد کتب میں روایات کی گئی ہیں بلکہ وہ صحیح بخاری اور مسلم میں بھی شامل ہیں جو احادیث کی مستند ترین کتب ہیں۔

سیدہ صدیقہؓ کو تمام لوگوں میں روایت حدیث میں وہ اعزاز حاصل ہے کہ آپؓ نے آنحضرتؐ سے براہِ راست اکتساب علم کیا اور جس مقام تک معدودے چند صحابہ کرام ہی پہنچ پائے۔ بہت سے صحابہؓ نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حین حیات میں اور بعد میں آنے والے اہل علم نے سیدہؓ کے قرآن و حدیث کے علم و فضل کو سراہا۔ سیدہؓ کے ایک شاگرد خاص (بھتیجے) عروہ بن زبیرؓ کا یہ کہنا ہے کہ ”میں نے کسی کو بھی سیدہؓ کے فہم قرآن

سے زیادہ فہیم نہیں پایا۔ آپؓ کو فرائض اسلام (علم وراثت) کا علم حاصل تھا، سنت رسول کو سب سے زیادہ جانتی تھیں۔ نیز شاعری اور عرب کے ادبی لٹریچر پر بھی آپؓ کو بہت دستگاہ اور عبور حاصل تھا۔ مزید براں، سیدہؓ کو عربوں کے انساب (Family Lineage) کا بہت علم تھا (جو اس زمانے کی ایک اہم معاشرتی ضرورت تھی کہ یہ امر عزت و وقار کا ضامن سمجھا جاتا تھا)۔ سیدہؓ کو متعدد ایسے فیصلوں اور مقدمات کا بھی علم تھا جو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمائے۔ حتیٰ کہ آپ کو انسانوں کے علاج معالجہ کے علم سے لگاؤ تھا''—— یہ ایک شاگرد اور بھتیجے کا خراج تحسین ہی نہ تھا بلکہ ایک صحیح ترین علمی احوال کا بیان بھی ہے اور روایات سے پتہ چلتا ہے کہ عروہؓ بن زبیرؓ سیدہ صدیقہؓ کی روایات کو ضبطِ تحریر میں بھی لاتے تھے۔

امام زہری کا قول ہے کہ اگر تمام لوگوں کی روایات میں دیگر ازواج مطہرات کی روایات بھی اس میں شامل کر لی جائیں تو حضرت عائشہؓ کی روایات ان سب سے زیادہ ہیں۔ (حاکم جلد چہارم: ۱۱)۔ انہوں نے مزید کہا کہ ''میں کسی ایسی خاتون سے آگاہ نہیں جو امت میں سب سے زیادہ اور بالخصوص طبقۂ نسواں میں سیدہؓ سے زیادہ علمی معلومات کی حامل ہو۔ (بحوالہ مولانا جلال الدین عمری ۲۰۰۸ء)۔ ترمذی میں موسیٰ بن طلحہ سے روایت ہے کہ ''میں نے سیدہ عائشہؓ سے زیادہ کسی کو عربی شاعری اور ادب کا ماہر نہیں دیکھا۔ (مستدرک جلد چہارم: ۱۱)۔ حضرت عائشہؓ کو علم الفرائض (علم میراث) میں بہت زیادہ درک حاصل تھا کہ جید صحابہؓ کرام کو بھی کبھی ایسے کسی معاملے میں الجھن پیش آتی تھی تو وہ سیدہ صدیقہؓ سے رجوع کرتے تھے۔

تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ بیرون مدینہ سے اکثر خواتین، سیدہ صدیقہؓ سے اسلامی تعلیمات کے حصول کے لیے آیا کرتی تھیں۔ سیدہؓ کو قرآن اور سنت کا اس قدر زیادہ علم اور فہم حاصل تھا کہ متعدد جید صحابہؓ کرام (حضرت عمرؓ، عبداللہ بن عمرؓ، اور ابوہریرہؓ) آپ کی رائے کی روشنی میں اپنے خیالات اور رائے سے رجوع کر لیتے تھے۔

اس کی سب سے اہم وجہ یہ تھی کہ سیدہؓ نے براہِ راست آنحضرتؐ سے اکتساب علم کیا تھا۔ اور حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اس دنیا سے پردہ کر جانے کے بعد طویل عمر (۵۰ سال) تک امت کی راہ نمائی فرماتی رہیں۔ لوگ سیدہؓ سے مختلف امور میں راہ نمائی حاصل کرتے تھے اور بعد ازاں دوسرے لوگوں تک پہنچاتے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا کہ شریعت کے ایک چوتھائی احکام سیدہؓ کی وساطت سے امت کو حاصل ہوئے ہیں۔ (ابن حجر، فتح الباری، جلد ہشتم: ۸۲، ۸۸)۔ ابن حجر نے کم از کم ۸۸، افراد کے نام بھی گنوائے ہیں جنہوں نے احادیث کا علم حضرت عائشہؓ سے سیکھا اور بعد میں سیدہؓ کے حوالہ سے اسے آگے روایت کیا۔ ایسے لوگوں میں جید صحابہ کرام از قسم عمرو بن العاصؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، اور عبداللہ بن زبیرؓ شامل ہیں جو اس زمانے کی نمایاں سیاسی شخصیات بھی تھے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ سیاسی امور کے لیے علم دین کی کس قدر اہمیت ہے۔ **ایک آج کا دور ہے کہ ایک وزیر باتدبیر ایک سورت بھی صحیح پڑھنے سے قاصر ہوتا ہے!**

ان اصحاب کے علاوہ، ایسے لوگوں میں صحابہ کرامؓ (ابوہریرہؓ، ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ) جیسے صاحبان علم بھی شامل تھے جو از خود راویانِ حدیث تھے اور اپنے وقتوں میں فقیہہ کے درجے پر بھی فائز تھے۔ مزید براں، اس فہرست میں سعید بن مسیب اور علقمہ بن قیس جیسے تابعین بھی شامل تھے جو اسلامی تاریخ میں مشہور ترین فقیہہ مانے جاتے ہیں۔

ابن احمد حنبلی نے حضرت عروہؓ بن زبیرؓ جو مدینہ کے ایک مشہور فقیہہ اور راویٔ حدیث ہیں۔ نیز قاسمؓ بن محمد ان دونوں نے حدیث کا علم حضرت عائشہؓ سے حاصل کیا۔ یہ دونوں حضرت عائشہ کے مسلک رطریقے سے ہرگز تجاوز نہ کرتے تھے اور اپنے خیالات کو ان حدود وقیود کا پابند رکھتے تھے جو حصول علم میں انہوں نے سیدہ صدیقہؓ سے سیکھے تھے۔ ترمذی میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، ایک جید صحابی نے سیدہ صدیقہؓ کے تبحر علمی اور اسلامی شریعت سے آگہی کے بارے میں حضرت عائشہؓ کی تعریف کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ”جب کبھی بھی ہم کسی حدیث کے بارے میں کسی اشکال سے دوچار ہوتے تھے تو ہم حضرت

عائشہؓ سے رجوع کرتے تھے اور یہ جان کر (خوش ہوتے) کہ سیدہؓ کو اس کا علم ہوتا تھا۔''
(ترمذی باب فضائل عائشہؓ)

سیدہ عائشہؓ کی قرآن و حدیث کے فہم کے بارے میں معلومات صرف اس حد تک محدود نہیں بلکہ سیدہؓ نے متعدد مردوں اور خواتین کو علم دین سکھایا جو بعد میں اسلامی تعلیمات کے فروغ میں علمبردار کی حیثیت اختیار کر گئے۔ ایسی ایک خاتون عمرہؓ بنت عبدالرحمن تھیں۔ ابن احمد حنبلی نے ان کے بارے میں یوں تذکرہ کیا کہ ''ان کی تربیت حضرت عائشہ نے فرمائی تھی جو بہت مستند علم کی حامل، نہایت احتیاط سے زندگی بسر کرنے والی خاتون تھیں جنہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے بہترین یادداشت کی دولت بھی اس قدر فراواں ملی تھی کہ ان کی روایات بہت سے اہل علم نے قبول کیں۔ اسی طرح ایک دوسرے عالم ابن حبان نے ان کے بارے میں کہا کہ ''وہ حضرت عائشہؓ سے مروی روایات کی سب سے زیادہ حامل تھیں۔'' (تہذیب التہذیب جلد ۱۲: ۱۲۹)۔ اسی طرح قاسم ابن محمد جو تابعین کے دور میں بہت مشہور محدث اور فقیہہ کی حیثیت سے جانے جاتے تھے، نے امام زہری کو کہا کہ ''میں تمہارے اندر علم کی ایک خاص پیاس اور لگن محسوس کرتا ہوں، کیا میں تمہیں ایک ایسے خزینہ کا پتہ دوں جو علم سے لبریز ہے؟'' امام زہری کے مثبت جواب پر انہوں نے کہا کہ تو جاؤ اور عمرہ بنت عبدالرحمن کے درس سے باقاعدگی سے استفادہ کرو جس نے حضرت عائشہؓ کے علم و فضل سے وافر حصہ پایا ہے۔'' بعد ازاں امام زہری نے کہا کہ ان کی ہدایت کے مطابق میں نے ان کے درس میں باقاعدہ حاضری دینی شروع کی اور محسوس کیا کہ وہ علم شریعہ کا ایک ایسا بحر ذخار ہیں جو لا محدود وسعتوں کا حامل ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد اول: ۱۰۶)۔ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے محمد بن عبدالرحمن کو لکھا کہ کوئی شخص ان خاتون کے علاوہ حضرت عائشہؓ کی روایات کو بہت زیادہ نہیں جانتا، انہوں نے ابوبکر بن محمد بن حزام کو لکھا کہ ان کی روایات کو ضبط تحریر میں لایا جائے۔'' (ابن سعد جلد ہشتم: ۴۸۰)

درج بالا کے علاوہ ہمیں حضرت عائشہؓ صدیقہ کی ایک اور طالبۂ علم کا پتہ چلتا ہے جن کا

نام عائشہ بنت طلحہ ہے۔ وہ حضرت عائشہ کی بھتیجی / بھانجی تھیں اور اپنی ذاتی علمی قابلیت کی وجہ سے، لوگ ان سے خط و کتابت کے ذریعے راہ نمائی حاصل کرتے تھے اور ان کی خدمت میں تحائف بھیجا کرتے تھے۔ سیدہ صدیقہؓ نے انہیں ہدایت کی کہ وہ لوگوں کے خطوط کا جواب دیا کریں اور تحائف کے بدلے میں تحائف بھی۔

(۲) ام المومنین حضرت ام سلمہؓ:

ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے بھی متعدد احادیث کی روایت ہمیں براہِ راست حضور اکرمؐ سے استفادے کی صورت میں اور چند حضرت ابو سلمہؓ اور حضرت فاطمہؓ کے حوالے سے ملتی ہے۔ اس کے علاوہ ۳۵ صحابہ کرامؓ اور تابعین جس میں مرد اور عورتیں شامل ہیں، نے بھی سیدہؓ سے روایات کی ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۲: ۴۵۶)۔ آپؓ سے کل ۳۷۸، احادیث کی روایت کا ذکر ملتا ہے۔ ان میں سے تیرہ روایات کو مسلم اور بخاری نے اپنے مجموعۂ احادیث میں ذکر کیا ہے۔ حضرت ام سلمہؓ کو فقہی معاملات میں بھی درک حاصل تھا۔ امام زہری کے مطابق، آپؓ ان صحابیات میں ہیں جو فقہاء کے زمرے میں شامل ہیں۔

ابن حجر نے ان کے بارے میں لکھا کہ ''حضرت ام سلمہؓ کو نہ صرف ایک فطری جذبۂ علمی اور قوتِ فیصلہ ودیعت ہوا تھا علاوہ ذاتی خوبصورتی کے۔ مسند احمد بن حنبل میں لکھا ہے کہ مروان (اموی بادشاہ) کو ایک مسئلہ درپیش تھا۔ اس نے کہا کہ ''جب امہاتؓ المومنین ہمارے درمیان حیات ہیں تو پھر ہمیں کسی دوسرے سے استفسار کرنے کی کیا ضرورت؟ اس نے وہ مسئلہ ام المومنین سے دریافت کیا جنہوں نے اس مسئلے کا حل بتا دیا۔ (مسند احمد جلد ششم: ۳۲۳)

امام ابن قیم کا یہ قول ہے کہ جب کبھی صحابہ کرامؓ کو کسی مسئلے میں اشکال پیش آتا تھا اور ازواج مطہراتؓ میں سے کوئی حدیث اس مسئلے کے بارے میں بیان فرما دیتی تھیں تو سب لوگ فوراً تسلیم کر لیا کرتے تھے اور اپنے تمام تر خیالات کو ترک کر دیا کرتے تھے۔

(زاد المعاد جلد چہارم: ۲۲۱)۔ سیدہؓ کی مختلف تلامذہ میں آپؓ کی اپنی بیٹی زینبؓ، اپنے زمانے کی بہت مشہور فقیہہ تھیں ۔اس طرح ابو صانعہ نے ایک دفعہ کہا کہ ''جب کبھی بھی میں نے مدینہ کی کسی خاتون فقیہہ کا ذکر کیا ہے تو میرے ذہن میں فوراً زینبؓ بنت ابی سلمہ کا خیال آیا...... نہ صرف یہ بلکہ اس دور کی تو لونڈیاں / باندیاں بھی اس قدر مہارت تامہ اور شریعت کا علم حاصل کر چکی تھیں کہ ام سلمہؓ کی ایک لونڈی (ام الحسن) خواتین کو درس دیا کرتی تھیں۔ (طبقات ابن سعد جلد ہشتم: ۳۵۰)

یہاں ہم ام المومنینؓ کی ایک نہایت اہم اور دوررس رائے کا اظہار بھی کرنا چاہتے جو آپؓ نے بیعت رضوان کے موقع پر دی۔ اس موقع پر جب رسولؐ اللہ اپنے صحابہؓ کے ساتھ عمرے کی غرض سے کعبۃ اللہ کا طواف کرنے کا عزم لے کر تشریف لے جا رہے تھے تو کفار مکہ نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس سال عمرے کی اجازت نہ دینے کی نہایت کڑی شرط لگا دی جسے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حکم خداوندی کے تحت رفع شر اور دیگر حکمتوں کی بناء پر قبول فرما لیا۔ اس پر صحابہؓ کرام میں غم وصدمہ کی ایک لہر دوڑ گئی اور جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے صحابہؓ کو حکم دیا کہ وہ اپنے جانوروں کی قربانی دیں اور حلق کروائیں (سر کے بال کٹوائیں) تو حضرات صحابہؓ، اپنی اس حالت مایوسی میں فوری طور پر عمل نہ کر سکے۔ حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) اس صورت حال کو دیکھ کر اپنے خیمے میں تشریف لائے اور سیدہؓ سے ذکر کیا جس پر ام المومنینؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ آپ باہر تشریف لیجائیں اور از خود قربانی شروع کریں اور اپنے سر کے بال کٹوائیں۔ صحابہ کرامؓ کی شان فدائیت ملاحظہ ہو کہ جونہی انہوں نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ کرتے دیکھا تو فوراً ہی جانور قربان کرنے شروع کر دیئے اور ایک دوسرے کے سروں کے بال بھی کاٹنے لگے۔ (رضوان اللہ اجمعین)

(۳) ام المومنین حضرت صفیہؓ:

امام نووی نے لکھا کہ ''ام المومنین حضرت صفیہؓ ان خواتین میں سے تھیں جنہیں اللہ

تبارک تعالیٰ نے نہایت اعلیٰ علمی صفات سے بہرہ مند فرمایا تھا۔ (تہذیب الاسماء وصفات جلد دوم: ۳۴۹) مسند احمد میں صہیرہ بنت حیدر کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''حج کی ادائیگی سے فارغ ہونے کے بعد کچھ عورتوں نے حضرت صفیہؓ سے ملاقات کے لیے عزم مدینہ بھی کیا۔ ہم نے دیکھا کہ کوفہ سے آئی ہوئی خواتین کا بڑا گروہ سیدہ کی خدمت میں پہلے سے موجود تھا۔ ہم لوگوں نے بھی چند مسائل جن کا تعلق زوجین کے درمیان تعلقات اور حالت حیض سے تھا، دریافت کیے۔ (مسند احمد جلد ششم: ۳۳۷)

امر واقعہ یہ ہے کہ امہات المومنینؓ کے دروازے ہمیشہ امت کی راہ نمائی کے لیے کھلے رہتے تھے ہر اس شخص کے لیے جو دینی امور پر راہ نمائی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ نہ صرف حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیات میں بلکہ بعد از وفات بھی فیض کا یہ سلسلہ اسی طرح عام جاری رہا۔ اس سے بھی حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی متعدد ازواج کا جواز ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس طرح ان سب کی ذاتِ والا صفات، امت کے لیے راہ نمائی کے ایک مینارہ نور کی حیثیت رکھتی تھی۔

(۴) ام المومنین حضرت حفصہؓ:

سیدہ حفصہؓ، حضرت عمرؓ کی بیٹی تھیں۔ سیدہ نے نہ صرف آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے احادیث کی براہِ راست روایت کی ہے بلکہ اپنے والد محترم کے حوالے سے بھی۔ وہ لوگ جنہوں نے سیدہ کی وساطت سے روایات کی ہیں ان میں نمایاں ترین آپؓ کے بھائی حضرت عبداللہ بن عمرؓ، آپؓ کے بیٹے حمزہ اور ان کی بیوی بھی ان راویان میں شامل تھے۔ اسی طرح متعدد دیگر مرد و خواتین ام بشاریہؓ انصاریہ، مطلب بن وداع، حارثہ بن وہاب شامل ہیں۔ آپؓ سے ۶۰ احادیث کی روایت ثابت ہے جس میں چند کو بخاری اور مسلم نے بھی اپنے مجموعوں میں شامل کیا ہے۔

(۵) ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ:

وہ ابوسفیان کی بیٹی تھیں۔ اور آپؓ سے ۱۶۵ احادیث کی روایت حضور اکرم (صلی اللہ

علیہ وسلم) سے براہِ راست ثابت ہے۔ آپؓ کی بیٹی حبیبہ، بھائی امیر معاویہؓ، ان کے بھتیجے عبداللہ بن عتبہ، عروہ بن زبیر، صفیہ بنت شیبہ اور زینب بنت ابوسلم نے آپؓ سے روایات کی ہیں۔

(ب) چند دیگر صحابیات:

(۱) حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ:

اسماءؓ، حضرت ابوبکرؓ کی بیٹی اور حضرت زبیرؓ کی اہلیہ تھیں۔ چونکہ آپؓ حضرت عائشہؓ کی بڑی بہن تھیں اس لیے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھر میں اکثر آنا جانا رہتا تھا اور آپؓ نے متعدد احادیث براہِ راست حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے روایت کی ہیں۔ متعدد صحابہ/صحابیات اور تابعین نے حضرت اسماءؓ سے روایات بیان کی ہیں۔ ایسے لوگوں میں آپؓ کا بیٹا عبداللہ بن زبیرؓ ان کا پوتا عبداللہ بن عروہ، عبید بن عبداللہ، عبداللہ بن عباس، صفیہ بنت شیبہ، فاطمہ بنت منظر، آپؓ کا آزاد کردہ غلام عبداللہ بن کیان، آپؓ کا پوتا عبید بن حمزہ اور متعدد دیگر لوگ شامل ہیں۔ آپؓ سے ۵۸ احادیث مروی ہیں جن میں سے بہت سی مسلم اور بخاری میں موجود ہیں۔

(۲) حضرت ام سلیمؓ:

آپؓ حضرت انس کی والدہ ماجدہ تھیں اور جید صحابیات کے زمرے میں شمار ہوتی تھیں۔ ابن حجر نے لکھا کہ آپؓ ایک مشہور اور نہایت متقی خاتون تھیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۲: ۴۷۲)۔ امام نووی نے بھی آپؓ کی تعریف میں ایسے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ انہوں نے اپنے بیٹے حضرت انسؓ کو آنحضرتؐ کی خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا۔

(۳) ام درداؓ:

حضرت ابودرداؓ، حضور اکرمؐ کے ایک مشہور صحابی تھے۔ ان کی زوجہ ام درداؓ اس درجہ کی علمی شخصیت تھیں کہ امام بخاری نے ان کے ایک عمل سے استشہاد کیا ہے کہ جب

ایک شخص دو رکعت نماز کے بعد کچھ وقفے کے لیے تشہد میں بیٹھتا ہے تو ام درداؓ تشہد میں اس طرح بیٹھا کرتی تھیں جس طرح کہ مرد حضرات بیٹھتے ہیں۔ امام بخاری نے کہا کہ ام درداؓ از خود ایک فقیہہ تھیں، اس لیے ان کا عمل عقلی لحاظ سے اس قابل ہے کہ اس کا اتباع کیا جائے۔ (بخاری)

ام درداؓ کے علمی مشاغل میں انہماک کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ بقول عوف بن عبداللہ کہ وہ ایک دفعہ ام درداؓ کے ساتھ کسی علمی گفتگو میں حصہ لے رہے تھے۔ جب کافی وقت گزر گیا تو ہم نے عرض کیا کہ ہم نے آپ کو بہت تکلیف دی آپ کسی حد تک تھک گئی ہوں گی۔ یہ سن کر انہوں نے جواباً فرمایا کہ میں ہمیشہ رضائے الٰہی کے لیے کوشاں رہتی ہوں۔ اور میں اہل علم کی مجلس میں بیٹھ کر ان سے تبادلہ خیالات کرنے میں کبھی بھی تھکاوٹ محسوس نہیں کرتی۔ امام نووی نے لکھا ہے کہ بہت سے تابعین نے آپؓ سے فیض حاصل کیا تھا۔ اسی طرح امام زہری نے بھی ان کے بارے میں کہا کہ ''وہ اسلامی فقہ کی ایک ماہر خاتون (فقیہہ) تھیں، عبادت گزار ایک بااخلاق خوبصورت خاتون جو بہت زیادہ علم و حکمت سے بہرہ مند تھیں۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد اول: ۵۰)

(۴) فاطمہؓ بنت قیس:

فاطمہ بنت قیس ایک ایسی جید عالمہ تھیں کہ ایک بار وہ حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ کے ساتھ کسی قانونی نکتہ پر گفتگو کر رہی تھیں جو بہت دیر تک جاری رہی تاہم وہ دونوں ان کی رائے کو تبدیل نہ کر سکے اور وہ اپنے موقف پر قائم رہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ امت کے بہت سے دیگر اہل علم نے بھی ان کی موافقت کی۔ امام نووی نے ان کے بارے لکھا کہ ''وہ ان چند صحابیاتؓ میں شامل تھیں جنہوں نے ابتدائی دنوں میں ہجرت کی تھی اور وافر عقل وفہم سے بہرہ مند خاتون تھیں۔ (تہذیب الاسماء صفات جلد دوم: ۳۵۳)۔ یہ بتایا گیا ہے کہ اس دور میں بہت سے صحابہ، ان سے علم حدیث کا درس لیتے تھے جن میں قاسم بن محمد، سعید بن مسیب تابعی، عروہ بن زبیرؓ، ابوسلمہ بن عبدالرحمن جیسے لوگ شامل تھے۔

(۵) ام عطیہؓ:

ام عطیہؓ ایک ایسی صحابیہ تھیں جنھوں نے جہاد میں حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ شرکت کی۔ امام نووی جیسے جید عالم نے ان کے علم وفضل اور تقوی کی تعریف کی ہے۔ (تہذیب الاسماء وصفات جلد دوم: ۳۶۳) ۔ حضرت حفصہ بنت سیرین نے ان سے احادیث کی روایت کی ہے۔ ان کا تعلق بصرہ سے تھا اور قرآن کی تعلیم بارہ سال کی عمر میں مکمل کرلی تھی۔ بصرہ کے ایک مشہور قاضی اور فقیہہ نے ان کے بارے میں کہا کہ **"میں کسی ایک شخص کو تلاش کرنے میں کامیاب نہ ہوسکا جسے میں حفصہ بنت سیرین پر ترجیح دے سکوں۔"** (تہذیب التہذیب جلد ۱۲: ۴۰۹) ۔ علامہ ابن عبدالبر نے ان کے بارے میں لکھا کہ وہ ان چند خواتین میں سے تھیں جو مردہ کو غسل دینے کا طریقہ جانتی تھیں اور حضور اکرمؐ کی بیٹیوں کی وفات پر انہیں غسل دیتی تھیں۔ مردہ کو غسل دینے کے بارے میں جس قدر بھی احادیث مروی ہیں، اس میں ان کی روایت بہت اہم اور مرکزی حیثیت کی حامل ہے۔ لوگ، ان سے مردہ کو غسل دینے کا طریقہ سیکھا کرتے تھے۔ مزید براں، بہت سے جید اہل علم نے ان سے احادیث کی روایت کی ہے جس میں اہم ترین انس بن مالک، محمد ابن سیرین اور حفصہ بنت سیرین شامل ہیں۔

(ج) چند دیگر اہل علم خواتین:

حصولِ دین کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے، یہ بہت ضروری ہے کہ ہم ان دو خواتین کے تبحر علمی کا ذکر کریں جو تابعین کے دور میں موجود تھیں۔ اس سے بجا طور پر یہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام کے دور اول میں خواتین کس قدر علمی انہماک کے ساتھ دوسروں کو دین کا علم سکھانے میں سرگرمِ عمل رہتی تھیں۔ ہمارے علم کی حد تک ان کے بعد تاریخ کسی ایسی دوسری مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

(۱) پہلی مثال کا تعلق امام سعید بن مسیب کی بیٹی کی ہے جو ایک بہت مشہور تابعی ہیں۔ انہوں نے اپنی بیٹی کا نکاح اپنے ایک شاگرد سے کردیا۔ شادی کے دوسرے دن

جب خاوند نے اپنی بیوی کے والد (خسر محترم) کے درس میں جانے کے لیے تیاری شروع کی تو بیوی نے کہا کہ ''آپ یہاں تشریف رکھیں۔ آپ جو کچھ میرے والد سے سیکھنے کے متمنی ہیں، وہ سب کچھ آپ کو یہاں بتا دوں گی۔''

(۲) دوسری مثال حضرت امام مالک کی بیٹی کی ہے۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ جب امام مالک کے کوئی شاگرد ''موطا'' (امام مالک کی کتاب) کے پڑھنے میں کسی قسم کی غلطی کرتے تھے تو وہ گھر کے اندر سے دروازے پر دستک دیتی تھیں، امام مالک کو اپنی اس بیٹی کے علم پر اس قدر وثوق اور یقین تھا کہ وہ اس شاگرد کو کہتے کہ ''اسے دہراؤ کیونکہ تم کسی حد تک غلط پڑھ رہے ہو۔''

یہ ہر دو واقعات ایسے اچھوتے اور عقل کو اس قدر حیران کر دینے والے ہیں کہ انسان ان پر جتنا بھی غور کرے کم ہے اور کم از کم تاریخ انسانیت میں ڈھونڈنے سے بھی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی۔ تاہم اس کا ایک بہت ہی افسوس ناک پہلو یہ بھی ہے کہ ایک ایسی امت جس میں اس قسم کی نابغۂ روزگار خواتین موجود تھیں، آج کے دور میں یہ سوال کیا جا رہا ہے کہ کیا اسلام کے کسی دور میں کوئی ایسی مثال پائی جاتی ہے کہ خواتین نے تحصیلِ علم کے میدان میں کوئی نمایاں خدمات سرانجام دی ہوں؟۔ موجودہ روشن خیالی اور علمی سرگرمیوں کے اس دور میں ایسے سوالات کرنے پر ہم جیسے ایک عام آدمی کا سر شرم وندامت سے جھک جاتا ہے۔

مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آباء کی
جو دیکھو ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سی پارہ

(د) عوامی سطح پر معاشرے میں علمی خواتین کا وجود:

درج بالا سطور میں اب تک ہم نے جن خواتین کی علمی وادبی صلاحیتوں کا مطالعہ کیا ہے، ان میں سے بیشتر کا تعلق متمول گھرانوں کی خواتین سے تھا۔ تاہم کسی بھی دور کے علمی اور تدریسی حالات کو معلوم کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ کسی معاشرے میں ان گھریلو اور عام خواتین کا کیا حال ہے جنہیں مناسب علمی ماحول میسر نہیں ہوتا؟۔ اس کی یہ وجہ ہے کہ کسی

بھی معاشرے میں تعلیم کے عام ہونے کا یہی ایک پیمانہ ہے کہ اس معاشرے کی عام خواتین کے علمی مرتبہ و نظام کا حال معلوم کیا جائے۔ اگرچہ اس ضمن میں ہم چند لونڈیوں کا ذکر کر چکے ہیں جو اپنے دور میں درس و تدریس کے علمی مناسب پر متمکن تھیں اور ہر خاص و عام کو اپنے علم سے بہرہ مند کر رہی تھیں۔ (طبقات ابن سعد جلد ہشتم: ۳۵۰)

یہ سب کچھ دراصل اس حکمت و دانائی اور علمی دلچسپی کا مرہون منت ہے جو رسولؐ خدا کو معاشرے کی خواتین کی حالت بدلنے میں تعلیم و تعلم کے ساتھ تھا۔ ایک حدیث کی رو سے کسی ایسے شخص کو دو خوش خبریوں کی نوید دی گئی تھی جو اپنی باندی/لونڈی کو تعلیم دین سے آراستہ کرے اور پھر اس سے نکاح کر لے۔ خیال کیا جا سکتا ہے کہ اس ایک اقدام سے ہی عرب کے اس معاشرے میں علم و عمل کی ایک ایسی لہر اور انقلاب برپا ہو گیا ہو گا جس نے ایسی ایسی نابغۂ روزگار مرد و خواتین کو جنم دیا ہو گا جو مستقبل میں مفسرین، محدثین اور فقہاء کے مناصبِ جلیلہ پر فائز ہوئے اور اسلامی ریاست کے کونے کونے کو علم و عمل کی روشنی سے روشناس کرا دیا۔

ذیل کی سطور میں ہم مدینہ کی باسی چند ایسی عام خواتین کا ذکر کریں گے جس سے ہمارے درج بالا اصول اور معیار کے مطابق اندازہ کیا جا سکے گا کہ کسی معاشرے میں پائی جانے والی عام خواتین کس علمی مقام کی حامل تھیں اور وہ معاشرہ کس حد تک علم آشنا بلکہ علم پرور تھا۔

(۱) **ام ورقہؓ بنت نوفل:** ام ورقہؓ بنت نوفل ایک صحابیہؓ تھیں۔ ابوداؤد نے لکھا ہے کہ ''وہ قرآنی تعلیمات سے آگاہ تھیں۔ اور رسول خدا نے انہیں اجازت مرحمت فرمائی تھی کہ وہ اپنے اہل خانہ کی نماز میں امامت کرائیں۔ یہاں اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہو کہ حضرت عائشہ بھی خواتین کی باجماعت نماز کی امامت کراتی تھیں، عورتوں کی صف میں درمیان میں کھڑے ہو کر۔ (بیہقی اور دارقطنی)۔ اس سے معترضین کے اس اعتراض کے تردید ہو جاتی ہے کہ کیا خواتین امامت کرا سکتی ہیں؟

(۲) **ام یعقوبؓ**: ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے درس و تدریس کے دوران (جس میں خواتین بھی شریک تھیں) کسی مسئلے کا ذکر کیا۔ اس پر ایک خاتون ام یعقوبؓ جن کا تعلق بنو اسد قبیلے سے تھا، نے ان سے کہا کہ ''میں نے تمام قرآن کا مطالعہ کیا ہے، مجھے تو کسی ایسے مسئلے کا علم نہیں جو آپ بیان کر رہے ہیں؟'' اس سے اسلام کے ابتدائی دور میں خواتین کے علمی انہماک اور قرآن فہمی کا اندازہ کرنا چنداں مشکل نہیں۔

(۳) یہ ایک بہت مشہور تاریخی اور علمی واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں، انہوں نے مسلم معاشرے میں عام اور غریب لوگوں کو شادی / نکاح کی ترغیب دینے کے لیے مہر کی رقم پر پابندی لگانے کا عندیہ دیا (یاد رہے کہ آپؓ کی خلافت تک ریاستِ مدینہ کے باشندے کافی حد تک خوشحال اور متمول ہو گئے تھے) اور شادی بیاہ کے لیے مہر کے لیے بہت زیادہ مال و دولت دینے کا رجحان بھی پیدا ہو گیا تھا۔ اس پر ایک بوڑھی خاتون نے نہایت سختی کے ساتھ ان کی اس رائے سے اختلاف کیا کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبرؐ نے اس امر کی کوئی تحدید نہیں کی تو عمرؓ کو اس امر کا کوئی اختیار نہیں کہ وہ مہر کی رقم کی تحدید کریں۔ حضرت عمرؓ نے اس خاتون کی اس دلیل کو قبول کیا یہ کہتے ہوئے کہ ''مدینہ کی عورتیں تو عمرؓ سے زیادہ قرآن کا فہم رکھتی ہیں۔''

(۴) اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمان خواتین کو دین سیکھنے اور سکھانے کا جو ذوق و شوق تھا، اس کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایئے جو حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کا سبب بنا۔ اس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

اسلام کے ابتدائی دن تھے۔ مکہ میں اسلام کی دعوت کے لیے یہ دور اس قدر کٹھن اور دشوار تھا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)، تبلیغ دین کا کام بہت احتیاط اور چھپ کر صحابہ کرام کے ساتھ مختلف جگہوں اور مکانوں میں بیٹھ کر سرانجام دیتے تھے۔ اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد ابھی بہت زیادہ نہ ہوئی تھی لیکن مکہ کی فضا اس دن بہت زیادہ جذباتی ہو گئی جب حضرت حمزہؓ نے قبول اسلام کا اعلان کیا اور وہ بھی ابو جہل اور دیگر کفار مکہ کے سامنے

صحن کعبہ میں۔

عمر بھی اس واقعہ سے بہت کبیدہ خاطر ہوئے۔ایک دن گھر سے یہ ارادہ لے کر نکلے کہ آج (نعوذ باللہ) حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو___ راستے میں ایک شخص سے ملاقات ہوئی جس نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور بتایا کہ ان کی اپنی بہن اور بہنوئی بھی مشرف بہ اسلام ہو چکے ہیں۔ یہ سن کر وہ اور بھی برافروختہ ہوئے اور ان کے گھر جا پہنچے۔ دیکھا کہ وہ قرآن کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں (ایک صحابی جو انہیں قرآن پڑھا رہے تھے، ڈر کر چھپ گئے)۔عمر کو دیکھ کر بہن اور بہنوئی نے اوراق قرآن چھپا لیے۔عمر نے غصے سے بہن اور بہنوئی کو مارنا شروع کر دیا۔تاہم جب انہوں نے اپنی بہن کو زخمی حالت میں روتے ہوئے دیکھا تو کہا کہ مجھے وہ کلام دکھاؤ جسے تم لوگ پڑھ رہے تھے۔بہن نے کہا کہ قرآن کے اوراق دیکھنے سے پہلے غسل کرو......مشیت الٰہی کہ قرآن نے اپنا معجزہ نما اثر دکھایا اور وہ جو قتل کرنے کو نکلے تھے خود گھائل ہو گئے اور بقول سید عطاء اللہ شاہ بخاری، حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جن دو افراد کے قبول اسلام کی دعا کی تھی، اس دعا کے ''مراد'' بن گئے۔

عمر کشاں کشاں وہاں پہنچے جہاں حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کے ساتھ تعلیم وتدریس میں مشغول تھے، دروازے پر دستک دی۔تلوار کے ساتھ عمر کو دیکھا تو سب پریشان ہو گئے تاہم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا آنے دو اگر صحیح نیت ہے تو ٹھیک ورنہ اسی کی تلوار سے قتل کر دوں گا۔حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اشتیاق سے پوچھا عمر کیسے آئے ہو......عرض کیا کہ قبول اسلام اور قدم بوسی کا شرف حاصل کرنے کے لیے......علامہ اقبال نے اس واقعے کو خواتین اسلام کی سعی تبلیغ دین میں ایک سنگ میل قرار دیتے ہوئے یہ شعر کہا:

تو میدانی کہ سوز قرأتِ تو
دگرگوں کرد تقدیر عمررا!

(طبقہ نسواں کی) معزز خاتون کیا تو نہیں جانتی کہ تمہارے قرآن خوانی کے

سوز دروں نے عمر کی تقدیر کو بدل ڈالا۔ وہ عمر سے فاروق اعظمؓ خلیفہ دوم بن گئے۔

(۵) تعلیم نسواں کے عمومی انقلاب ہی کے ضمن میں یہ امر بھی جان لینا ضروری ہے کہ دور اولین کی خواتین نہ صرف کاروبار کرتی تھیں بلکہ حساب کتاب رکھنا بھی جانتی تھیں۔ طبقات ابن سعد میں لکھا ہے کہ ایک صحابیہؓ ربیعہ بنت معوذ نے کسی دوسری صحابیہؓ سے عطر خریدا۔ ایسی تمام خواتین کی عطر کی بوتلیں بھرنے کے بعد انہوں نے خریدار خواتین سے کہا کہ ''اب مجھے اس رقم کی تفصیل لکھواؤ جو تمہارے ذمہ واجب الادا ہے۔'' یاد رہے کہ یہ وہی خاتون صحابیہ ربیعہ بنت معوذ ہیں جن سے راہ نمائی لینے کے لیے عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر اکثر جایا کرتے تھے۔ ان صحابیہؓ کو اس حد تک علم احادیث سے آگہی تھی کہ متعدد مشہور فقہاء از قسم فقیہہ مدینہ سلمان بن یاسر نے ان سے احادیث کی روایت کی ہے۔ اسی طرح ابوعبیدہ جو عمارؓ بن یاسر صحابیٔ رسول کے پوتے تھے اور ابن عمر کے غلام نافع۔ اسلام کے اس علمی اور ذہنی انقلاب کے مضمرات کا اس امر سے اندازہ لگایئے کہ **حضرت نافع، امام مالک کے اساتذہ میں تھے جنہوں نے ایک دفعہ فرمایا کہ ''مجھے نافع سے جو روایت حدیث ملتی ہے، میں اسے بغیر کسی چھان بین کیے موطا میں شامل کر لیتا ہوں''** اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس خاتون کا کیا مقام ہوگا جن سے نافع نے اکتساب علمِ حدیث کیا تھا اور جنھوں نے متعدد احادیث کی اُن سے روایت کی ہے؟ یہاں اس امر کی صراحت ضروری ہے کہ یہ تمام حضرات اپنے اپنے عہد میں بہت مشہور فقیہہ کی حیثیت کے حامل تھے۔

(۶) تعلیم نسواں کی عمومیت کے بارے میں ایک ایتھوپین لڑکی بریرہؓ کا ذکر بھی بہت ضروری ہے جو عتبہ بن ابولہب (مشہور کافر) کی باندی تھی۔ جس نے اس کی شادی ایک دوسرے حبشی غلام سے کردی تھی۔ حضرت عائشہؓ نے اس جوہر قابل کو خرید کر آزاد کر دیا۔ آزاد ہونے پر اس نے محسوس کیا (اسلامی تعلیمات کی برکت کا واضح ثبوت) کہ

اب وہ خود اپنے تمام معاملات (نجی) کی ذمہ دار ہے تو اس نے اپنے خاوند سے طلاق دینے کو کہا (یاد رہے کہ اسلام میں کوئی آزاد عورت، کسی غلام کے رشتہ ازواج میں نہیں رہ سکتی)۔ اس کا خاوند مغیث اس کے ساتھ بہت محبت کرتا تھا، وہ مدینہ کی گلیوں میں اس کے پیچھے روتے ہوئے گزرتا جبکہ وہ اس کے ساتھ رشتہ ازواج میں رہنے سے انکار کرتی تھی۔ صحیح بخاری میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسولؐ خدا اس خاوند کی اپنی بیوی کے لیے جذبات محبت سے بہت متاثر ہوئے اور ساتھ ہی ساتھ اس خاتون کے جذبات نفرت جو اسے اپنے خاوند سے تھی۔ پس آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس عورت سے فرمایا کہ ''اے بریرہ، خدا سے ڈرو (اور اس کے جذبات محبت کا خیال کرو) وہ کل تک تمہارا خاوند تھا اور تمہارے بطن سے اس کا ایک بچہ بھی ہے۔'' بریرہ نے کہا ''اے رسولِ خدا کیا آپ مجھے حکم دے رہے ہیں کہ میں اس کی زوجیت میں رہوں؟'' رسولِ اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: ''نہیں، میں صرف اس کے لیے تمہیں سمجھانا چاہتا ہوں۔'' اس نے کہا کہ ''مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔'' **اس ایک واقعے سے اس زمانے کی ایک باندی کے فہم قرآن وسنت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ شریعت کے قوانین کو جاننے کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ وہ باندی رسولِ خدا کے احکامات اور سفارش کرنے کے درمیان حد فاصل کا علم رکھتی تھی اور یوں اس نے اپنی رائے پر اصرار بھی کیا تا کہ وہ اس پر عمل درآمد کر سکے۔ اس واقعے کا ایک بہت ہی اہم پہلو یہ ہے کہ رسولِ خدا نے اس باندی کے موقف کو نہایت خندہ پیشانی سے شرفِ قبولیت بخشا۔** [1]

گوشوارہ نمبرا میں ہم ایسے صحابہ کرام نیز دیگر مرد حضرات کی کسی حد تک تفصیلات پیش کر رہے ہیں جنہوں نے خواتین اسلام (امہاتؓ ودیگر) سے احادیث کی روایت کی۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ اسلام نے اولین دور سے ہی علم وعمل کی ایک ایسی جوت بلاد عرب میں

---

[1] یہ امر اس دور میں امت کے بڑوں کے لئے ایک راہ نما اصول کی حیثیت رکھتا ہے کہ وہ اپنے بچوں بالخصوص بیٹیوں کی شادی کے لئے ان کی رائے/ مرضی کو ترجیح دیں۔

لگا دی تھی جس کے نتیجے میں ان پڑھ عربوں میں دین کے علوم کی ایک ایسی طلب پیدا کر دی جس نے قرآن و حدیث کی تعلیمات کو عوام الناس تک پہنچا دیا۔ درج بالا سطور میں ہم نے ان خواتین کا ذکر کیا جو نہ صرف علوم اسلامیہ کی بہترین اور نابغۂ روزگار ہستیوں میں شمار ہوتی تھیں بلکہ انہوں نے بلا تمیز جنس اور عمر و قبیلہ لوگوں تک دینی تعلیمات کو عام کر دیا۔

گوشوارہ نمبر ا: چند نامور خواتین اسلام جن سے مردوں نے روایات احادیث کیں:

صحابیات	مرد حضرات جنہوں نے روایت حدیث لکھیں۔
(ا) حضرت سودہؓ بنت زمعہ	صحیح بخاری میں ایک حدیث اور چار دیگر کتب حدیث میں روایت کی گئی۔
(۲) حضرت عائشہؓ صدیقہ (متوفی ۵۸ ہجری/۶۷۸ عیسوی)	عروہؓ بن زبیرؓ (بھتیجے)
(۳) حضرت ام سلمہؓ (متوفی ۶۳ھ)	تین صحابہ کرامؓ اور تابعین (مرد و خواتین)
(۴) حضرت حفصہؓ (متوفی ۴۵ھ)	بارہ سے زیادہ لوگ جن میں عبداللہؓ بن عمر (بھائی) ان کے بیٹے اور ان کی اہلیہ صفیہ، ام بشار الانصاریہ اور حارثہ بن وہاب جیسے لوگ شامل ہیں۔
(۵) حضرت ام حبیبہؓ (متوفی ۴۴ھ)	حبیبہؓ (بیٹی)، حضرت معاویہ (بھائی)، عبداللہ بن عتبہ (بھانجا)، عروہؓ بن زبیرؓ، صفیہ بنت شیبہ اور زینب بنت ابوسلمان
(۶) حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ	عبداللہ بن زبیرؓ (بیٹا)، عبداللہ بن عروہ (پوتا)، عبید بن عبداللہ، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن کیسان (آزاد کردہ غلام)، عبید بن حمزہ (پوتا)

۷) حضرت میمونہؓ بنت حارث (متوفی ۵۱ھ)	عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن سعدہ، عبدالرحمن، عطار بن یاسر
(۸) ام درداءؓ	انیس لوگوں نے اکتساب علم کیا جن میں مشہور تابعین شامل ہیں۔
(۹) عمرہؓ بنت عبدالرحمن	یہ حضرت عائشہؓ کی تربیت یافتہ اور ان کی پسندیدہ ترین طالبہ تھیں۔ وہ حضرت عائشہؓ کی روایات حدیث کی بہترین عالمہ تھیں۔ اس وقت کے متعدد اہل علم امام زہری، عبداللہ بن ابوبکر حزم، یحییٰ بن سعید انصاری، عروہ بن زبیر، سلیمان بن یاسر نے ان سے احادیث کی روایت کی۔
(۱۰) حفصہ بنت سیرین	محمد بن سیرین، قتادہ اور متعدد دیگر مشہور حضرات
(۱۱) عائشہ بنت سعد بن ابی وقاص	انہیں مختلف امہات المومنین کی محبت وشفقت کا فخر حاصل ہے اس وقت سے جبکہ وہ صرف چھ سال عمر کی تھیں۔ بہت سے اہل علم مثلاً یزید بن عبدالرحمن، حکم بن عتیبہ، خزیمہ اور امام مالک نے ان سے روایات حدیث کی ہیں۔
(۱۲) عائشہ بنت طلحہ	متعدد اصحاب جس میں ان کے اپنے بیٹے، بھتیجے اور موسیٰ بن عبیداللہ، فضیل بن عمرہ نے اکتساب حدیث کیا۔
(۱۳) خیرہؓ	یہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کی باندی تھیں۔ ان کے بیٹے حسن بصری اور سعید بصری اور علی بن جدان، معاویہ بن قرعا مزنی، اور حفصہ بنت سیرین نے علم حدیث حاصل کیا۔
(۱۴) ام المعاد زینب بنت ابوالقاسم	نیشاپور میں انہیں متعدد اہل علم کی جانب سے اجازت تھی کہ وہ درس حدیث دیں اور طلبہ کو سرٹیفکیٹ بھی عنایت کریں علم

	حدیث کے حصول پر۔ ان کا دور ۶۱۵ ھ کا ہے۔
(۱۵) شھدہ بنت نصر (متوفی ۵۷۴ھ)	بہت سے لوگوں نے علم حدیث آپ سے حاصل کیا۔ ان کے محل میں ۱۰۰ نوکر تھے جو تمام حافظِ قرآن تھے۔
(۱۶) سعیدہؓ بنت نفیسہ	ان کا تعلق اہل بیت سے تھا۔ امام شافعی نے جب مصر کا دورہ کیا تو ان سے ملاقات کے ذریعے اکتساب حدیث کیا۔
(۱۷) حضرت فاطمہؓ زہراؓ	حضرت علیؓ (شوہر)، حسن و حسین (بیٹے) اور حضرت عائشہؓ و ام سلمہؓ نے احادیث روایت کیں۔
(۱۸) ام ایمن	آپؓ بہت بوڑھی تھیں اس لیے غزوات میں زخمی لوگوں کی تیمارداری/علاج معالجہ میں مدد فرماتی تھیں۔ اکتساب حدیث کرنے والوں میں حضرت انسؓ، ابو یزید شامل ہیں۔
(۱۹) صفیہؓ بنت عبدالمطلب (حضرت عمرؓ کے دور میں فوت ہوئیں)	حضور اکرمؐ کی رشتے دار بہن (Cousin) اور یہ حضرت زبیرؓ کی والدہ تھیں۔ آپؓ ایک بہت بہادر خاتون تھیں جنہوں نے قریظہ قبیلے کے ایک یہودی جاسوس کو قتل کیا غزوہ احزاب کے وقت۔ انہیں شعر و شاعری سے خاص لگاؤ تھا۔ انہوں نے حضرت حمزہؓ کی شہادت پر ایک مرثیہ بھی کہا تھا جس میں انہوں نے آنحضرتؐ سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ ''آج آپؐ پر سورج گہنا گیا ہے (تاریک ہو گیا ہے) جبکہ وہ ہمیشہ آپؐ پر روشن رہا کرتا تھا۔'' انہوں نے اپنے والد کی وفات پر بھی مرثیہ لکھا تھا۔ آنحضرتؐ کے سانحہ ارتحال پر بھی انہوں نے بہت سے غمگین اور افسردہ اشعار کہے تھے کہ ''اے پیغمبر اسلام، آپؐ ہماری امیدوں کا مرکز و محور تھے اور ہمارے محسن تھے، آپؐ بہت رحمدل تھے اور آپ نے ہمیشہ ہمیں تعلیم سے

	بہرہ مند کیا اور سیدھی راہ دکھائی۔ ہر شخص کو آپؐ کی وفات پر غمگین اور اظہار افسوس کرنا چاہیے۔ اے اللہ کے رسولؐ، میری ماں، خالہ، چچا آپؐ پر مجھ سمیت قربان ہوں اور میرا تمام مال و جائیداد بھی۔ اگر اللہ تبارک تعالیٰ نے ہمارے راہ نما (پیغمبر اسلام) کو زندہ رکھا ہوتا تو ہم سب کس قدر خوش قسمت ہوتے! لیکن اللہ رب العزت کے فیصلے ہمیشہ نافذ ہو کر رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بہت سی سلامتی اور رحمتیں ہوں، آپؐ پر اور وہ جنت الفردوس میں مقام حاصل کریں۔'' ایک دوسری جگہ انہوں نے کہا کہ'' میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو رواں ہیں، رسول خدا کی وفات کے سانحہ پر۔''
(۲۰) حضرت اسماء بنت عمیس خزیمہ (متوفی ۴۰ھ)	حضرت عمرؓ، عبداللہ بن عباس، اور ابو موسیٰ اشعری جیسے جید صحابہ کرام اور بہت سے مشہور تابعین نے اکتسابِ حدیث کیا۔
(۲۱) شفاءؓ بنت عبداللہ (حضرت عمرؓ کے آخری دور میں یا حضرت عثمان کے دور میں فوت ہوئیں)	یہ قریش کے قبیلے کی ان چند خواتین میں سے تھیں جو لکھنا اور پڑھنا جانتی تھی۔ حضور اکرمؐ نے انہیں حضرت حفصہؓ اپنی زوجہ محترمہ کو پڑھانے پر مامور کیا تھا۔ جس پر انہوں نے تعمیل حکم کی (اس سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ کو طبقہ نسواں کی تعلیم سے کس قدر شفقت اور دلچسپی تھی)۔ چونکہ آپؐ ان کے ساتھ بہت شفقت فرماتے تھے اس لیے دیگر تمام صحابہ کرام بھی ان کے عزت و احترام میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ اپنے دور خلافت میں بہت سے شرعی امور میں ان سے مشاورت کرتے تھے اور انہیں بازار مدینہ میں اشیائے

	ضرورت کی خرید و فروخت پر نگرانی کا فریضہ بھی سونپا ہوا تھا (یہاں دوبارہ ہم اپنے اس موقف کا اظہار کریں گے کہ مرد طبقہ نسواں کے مشورے پر عمل پیرا ہوتے تھے اور وہ بھی خلیفہ دوم کے دور خلافت میں) انہوں نے پیغمبر اسلام سے (۱۲) احادیث کی براہِ راست روایت کی ہے اور حضرت عمرؓ سے بھی۔ ان کے بیٹے سلیمان اور پوتے ابوبکر اور عثمان ام المومنین حضرت حفصہؓ، ابو سلمہؓ اور ابو اسحق نے ان سے احادیث کی روایت کی ہے۔
(۲۲) ام الفضلؓ لبابۃ الکبریٰ	متعدد جید حضرات مثلاً حضرت عبداللہ، اور حضرت عباس کے بیٹوں نیز انس بن مالک نے احادیث کی روایت کی۔
(۲۳) حضرت خنساءؓ بنت عمرو (متوفی ۲۴ھ)	تفصیلات کے لیے ضمیمہ الف دیکھئے
(۲۴) حضرت ام زیادؓ	آپ جنگوں میں تیر اکٹھے کر کے مسلمانوں کو دوبارہ فراہم کرتی تھیں اور زخمی شدہ سپاہیوں کو جَو اور شکر کو پانی سے گوندھ کر کھلایا کرتی تھیں۔ غرضیکہ ایک ماہر غذائیات تھیں۔
(۲۵) حضرت لیلہؓ غفاریہ	متعدد غزوات میں شریک رہیں اور زخمی لوگوں کی عیادت ر مرہم پٹی کی۔
(۲۶) حضرت ام سلیطؓ	غزوہ احد میں شریک رہیں اور پانی پلانے کی خدمت سرانجام دیتی رہیں بشمول حضرت عائشہ اور دیگر صحابیاتؓ کے۔
(۲۷) حضرت فاطمہؓ بنت قیس (مکہ میں	بہت ہی فہیم اور عاقلہ خاتون۔ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں صحابہ کرامؓ کی مجلس مشاورت ان کے گھر میں منعقد ہوتی تھی؟

حضرت عبداللہ بن زبیر کی خلافت تک زندہ رہیں)	صحابہ کرام ہمیشہ کسی فیصلے پر پہنچنے سے قبل ان کے ساتھ مشورہ کیا کرتے تھے۔ ان سے جن لوگوں نے اکتساب حدیث کیا اس میں قاسم بن محمد، ابوسلمہ، سعید بن مسیب، عروہ بن زبیر، سلمان بن یاسر اور شعبی جیسے تابعین شامل تھے۔
(۲۸) حضرت زینبؓ بنت ابی سلمہ	آنحضرتؐ سے ان کا رشتہ بھتیجی کا تھا اور اسی لیے آپؐ نے ان کی تعلیم و تربیت کا بہترین انتظام کیا۔ بہت سے اہل علم نے انہیں **كانت من فقه النساء** یعنی بہترین فقیہہ کا خطاب دیا ہے۔ بہت سے لوگ ان سے علم حاصل کرتے تھے۔
(۲۹) ام خلاد انصاریہ	ایک یہودی عورت نے ان کے بیٹے خلاد پر ایک بھاری پتھر پھینکا جس سے وہ شہید ہو گئے تاہم جب انہیں اس کا علم ہوا تو وہ حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اس وقت بھی وہ پردے / حجاب کی پابندی کیے ہوئے تھیں۔ لوگوں نے تعجب کا اظہار کیا کہ ایسے کڑے وقت میں بھی پردے کا اس قدر اہتمام۔ آپؓ نے فرمایا کہ ''میں نے اپنا بیٹا تو ضرور کھویا ہے تو کیا میں اپنی حیا اور عزتِ نفس بھی ضائع کردوں۔''
(۳۰) حضرت ام ہانیؓ	وہ حضرت ابوطالب کی بیٹی تھیں اور حضرت علیؓ کی سگی بہن۔ وہ آنحضرتؐ سے بہت محبت اور احترام کرتی تھیں اور آپؐ بھی ان سے بہت احترام اور شفقت سے پیش آتے تھے۔ وہ آنحضرتؐ سے قرآن کریم کے معنی براہِ راست پوچھ لیا کرتی تھیں۔ (ان کے ساتھ حضورؐ کو کس قدر محبت تھی کہ جب کبھی دروازے پر کسی کے آنے کی آہٹ ہوتی تو فرط اشتیاق سے بول اٹھتے کہ یا اللہ ام ہانی ہوں کہ ان سے مل کر حضرت خدیجہؓ

	کی یادتازہ ہوجاتی تھی) بہت سے سینئر صحابہ (حضرت عبداللہؓ بن عباس، عبداللہ بن حارث، ابن ابی لیلہ، مجاہد، عروہ اور شعیب نے ان سے روایات کی ہیں۔
(۳۱) حضرت ام حکیم	انہوں نے سات رومیوں کو قتل کیا اپنے خاوند کی شہادت کے بعد
(۳۲) حضرت ہندہؓ بنت عتبہ	یہ ابوسفیانؓ کی بیوی تھیں۔ فتح مکہ کے بعد قبول اسلام کرنے کے بعد انہوں نے یرموک کی جنگ میں رومیوں کے خلاف بہت بہادری کے ساتھ جہاد کیا۔ جب کبھی کسی سپاہی کو پیچھے ہٹتے دیکھتی تھیں انہیں اپنی تقریر اور شاعری سے غیرت دلاتی تھیں۔ دیگر مسلمان خواتین کے ساتھ مل کر انہوں نے متعدد رومیوں کو قتل کیا۔
(۳۳) حضرت خولہؓ بنت حکیم	آپؓ سے روایت کرنے والوں میں حضرت سعدؓ بن وقاص (مشہور صحابی رسولؐ) سعید بن مسیب (تابعی)اور عروہ بن زبیر شامل ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ وہ شاعری کا بھی ایک عمدہ ذوق رکھتی تھیں۔ اور اپنے خاوند(حضرت عثمان بن مظعونؓ) کی وفات پر مرثیے بھی کہے۔(ضمیمہ ب)
(۳۴) حضرت سعادہؓ بنت کریض	وہ شاعری کا بہت عمدہ ذوق رکھتی تھیں۔ حافظ ابن حجر کے بقول انہوں نے حضرت عثمان کو قبول اسلام کرنے کے لیے چند متعدد اشعار کہے(ضمیمہ ج)
(۳۵)ام کلثوم بنت عقبہ	وہ حضرت عثمان (تیسرے خلیفہ) کی سوتیلی بہن تھیں۔ ان سے روایت حدیث کرنے والوں میں ابراہیم بن عبدالرحمن، حمید بن عبدالرحمن اور حمید بن نافع ہیں۔

(۳۶) حضرت ام خالد بنت سعید	احادیث کے راویوں میں کریب بن سلیمان کندی، موسیٰ بن عقبہ اور ابراہیم بن عقبہ شامل ہیں۔
(۳۷) ام ورقہؓ بنت نوفل	انہوں نے قرآن کی تعلیمات براہِ راست حضور اکرمؐ سے حاصل کی اور کچھ روایات کی رو سے تمام قرآن کا حفظ بھی کیا۔ حضورؐ نے انہیں اپنے خاندان کے لوگوں کی نماز میں امامت کی اجازت دی تھی۔ حضور اکرمؐ نے ایک آدمی کی ڈیوٹی لگائی تھی کہ وہ اذان دیا کرے جسے سن کر عورتیں ان کے گھر جمع ہو جایا کرتی تھیں۔
(۳۸) ام عمارہؓ	ان سے راویان حدیث میں ام سعاد، حارث بن عبداللہ عباد بن تمیم بن زیاد، لیلا (باندی) اور عکرمہ شامل ہیں۔ انہوں نے غزوہ احد میں شرکت کی اور زخمی سپاہیوں کو پانی پلانے کی خدمت سرانجام دی۔ اس غزوہ میں ایک بہت ہی خطرناک موقع پر جب کفار نے آنحضرت کو اپنے گھیرے میں لے لیا تھا اور آپؐ کی زندگی کو خطرہ لاحق تھا تو ام عمارہؓ نے پانی کی مشک پھینک دی اور اپنے ہاتھوں میں تلوار لے کر حضورؐ کی مدافعت میں لڑنے لگیں اور اس مشرک کو ازخود مار دیا جس نے ان کے بیٹے کو زخمی کیا تھا۔ حضورؐ نے ان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ ''میں نے احد کی جنگ میں ام عمارہؓ کو اس طرح لڑتے دیکھا کہ جس طرف نگاہ اٹھتی تھی ام عمارہؓ لڑائی کرتی دکھائی دیتی تھیں۔'' آنحضرتؐ کے وصال کے بعد مسیلمہ کذاب نے دعویٰ نبوت کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس کے خلاف جہاد کیا جس میں ام عمارہؓ نے خود شرکت کی اور مسیلمہ کو قتل کرنے کی کوشش

	میں اس کے ہاتھ کی کلائی کو کاٹ دیا۔ اس دوران ان کے بیٹے عبداللہ اور حضرت وحشی نے بیک وقت مسیلمہ کذاب کو قتل کر دیا۔ وہ اسی وقت سجدہ میں گر گئیں کہ ان کے بیٹے (حضرت حبیب) کا قاتل مارا گیا تھا۔
(۳۹) حضرت اسماءؓ بنت یزید انصاریہ (جنگ یرموک ۱۵ھ) کے چند سال بعد وفات ہو گئیں	مدینہ میں آنے کے بعد قبائل اوس و خزرج کی چند خواتین کا ایک وفد حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان میں سے ایک (حضرت اسماء بنت یزید انصاریہ) نے آگے بڑھ کر کہا کہ ''اے پیغمبر خدا میں اپنی خواتین کے ایک وفد کی نمائندہ بن کر حاضر خدمت ہوئی ہوں تا کہ ان تمام عورتوں کی طرف سے ایک پیغام دوں کہ آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورتوں دونوں کی راہ نمائی کے لیے مبعوث فرمایا ہے۔ تاہم ہر دو اصناف کے درمیان حقوق و فرائض میں ایک فرق ہے۔ خواتین اپنے گھروں کے چار دیواری کے اندر رہتی ہیں اور یوں ہم جمعہ کی فرض نماز کے لیے مسجد میں شریک نہیں ہو سکتے۔ مزید ہم اکیلے حج بھی نہیں کر سکتے اور جہاد بھی نہیں کر سکتے جس طرح مرد کرتے ہیں۔ چونکہ مرد لوگ بیرون گھر مصروف ہوتے ہیں، اس لیے خواتین ان کے گھروں میں ان کی جائیداد اور بال بچوں کی نگران ہوتی ہیں۔ کیا عورتوں کو بھی اللہ تعالیٰ کی جانب ویسا ہی انعام (بدلہ) ملے گا؟'' رسولؐ خدا، ایک خاتون کی زبان سے اس قدر جامع گفتگو سن کر بہت متاثر ہوئے اور صحابہ کرام سے استفسار فرمایا کہ ''کیا تم نے کبھی پہلے اس قدر جامع گفتگو کسی عورت سے سنی ہے؟'' صحابہ کرام نے جواباً عرض کی

	''یا رسول اللہ کریم کسی عورت سے اس قدر جامع گفتگو سننے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔'' تب رسولِ خدا نے طبقہ نسواں کو بہترین خوش خبری سے آگاہ فرمایا کہ ''عورتوں پر فرض ہے کہ وہ اپنے شوہروں کی تابعداری کریں۔ اگر وہ اپنے حقوق زوجین ادا کرتی رہیں اور شوہروں کا کہا مانیں تو انہیں بھی اسی قدر ثواب/اجر ملے گا جس قدر کہ مردوں کو۔'' یہ سن کر وہ خاتون اطمینان اور مسرت کے ساتھ اپنی ساتھی خواتین کے پاس واپس چلی گئیں۔
(۴۰) ام حرامؓ بنت ملہن (۲۸ھ میں وفات پائی، حضرت عثمان کے دور میں قبرص کی فتح کے بعد)	جن لوگوں نے آپؓ سے کیا اس میں انسؓ بن مالک، عبادہؓ بن صامت جیسے صحابی اور سینئر تابعین مثلاً عطاء بن یاسر، یحییٰ بن شداد بن اوس شامل ہیں۔ انہوں نے قبرص میں ایک بحری جنگ میں بھی شرکت فرمائی جس میں فتح حاصل کرنے کے بعد آپؓ ایک منہ زور گھوڑے سے گر کر شدید زخمی ہو گئیں۔
(۴۱) حضرت ربیع بنت معوذ	راویان حدیث میں جو لوگ شامل ہیں، ان میں سلیمان بن یاسر، نافع، خالد بن ذکوان، عائشہ بنت انس، ابوعبیدہ بن محمد بن عمار یاسر نمایاں نام ہیں۔ مسند احمد بن حنبل میں لکھا ہے کہ اگرچہ اس دور میں عبداللہ بن عباس اور امام زین العابدین جیسے اہل بیتؓ کے جید اہل علم وتقوی بھی مدینہ میں موجود تھے تاہم وہ بھی ان کے ساتھ مختلف امور میں مشورہ کرتے تھے۔
(۴۲) حضرت ام سلیمؓ	یہ حضرت انس کی والدہ ماجدہ تھیں۔ ان سے جن اصحاب نے کسب حدیث کیا ان میں انسؓ (بیٹے)، عبداللہؓ بن عباس، زید بن ثابت اور عمرو بن عاصم شامل ہیں۔ لوگ ان سے مختلف

	مسائل پوچھا کرتے تھے جنہیں وہ تسلی بخش جواب دیدیا کرتے تھے۔ علامہ ابن اثیر نے ان کے بارے میں کہا کہ ''وہ ایک زیرک و دانا خاتون تھیں۔'' انہوں نے غزوہ احد میں بھی شرکت کی ام المومنین حضرت عائشہؓ کی ہمراہی میں زخمی لوگوں کی خدمت کی۔
(۴۳) حضرت جمیلہؓ بنت سعادانصاریہ	وہ حضور اکرمؐ کے ایک بہت ہی جانثار اور سینئر صحابی حضرت سعاد بنت ربیعہ انصاری کی دختر تھیں، جن کی شہادت غزوۂ احد میں ہوگئی تھی۔ ان کی وفات کے وقت ایک بچی تھیں جنہیں حضرت ابوبکرؓ نے اپنی کفالت میں لے لیا تھا کہ وہ ان کے چچا لگتے تھے۔ ان کی تعلیم و تربیت محبت سے جید صحابہ کرام اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کی اور یوں وہ علمی طور پر بہت ماہرانہ رائے کی حامل تھیں۔ متعدد تاریخ دانوں نے ان کی علمی مہارت کا برملا اظہار کیا ہے۔ وہ قرآن فہمی کا بہت گہرا مطالعہ کی حامل تھیں۔ ترمذی میں روایت ہے کہ ایک صحابیؓ ان سے قرآن کی تعلیم حاصل کیا کرتے تھے۔ وہ تعلیم قرآن کی کلاسز بھی لیتی تھیں اور قرآن کا کچھ حصہ حفظ بھی کیا ہوا تھا۔
(۴۴) حضرت بریرہؓ	حضرت بریرہ سے روایت حدیث کرنے والوں میں اموی بادشاہ عبدالمالک بن مروان کا نام لیا جاتا ہے۔ روایت حدیث کے موقعہ پر ان پر بہت رقت کی کیفیت طاری ہوجایا کرتی تھی اور وہ بہت عاجزی کا اظہار فرماتی تھیں۔ سید سلیمان ندوی نے لکھا کہ حضرت عائشہؓ نے ایک دفعہ فرمایا کہ امت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تین احکامات حضرت بریرہؓ کی وجہ

	سے ملے: (۱) عورتوں کو وراثت کا حق (۲) اگر کوئی باندی کسی مرد کے ساتھ رشتہ ازواج میں دیدی جائے تو ایسی حالت میں کہ بعد میں وہ باندی آزاد ہو جائے تو پھر وہ اپنے خاوند سے خلع / طلاق لینے کی حقدار ہے۔ (۳) ایسی حالت میں کہ کسی کو صدقہ دیا جائے اور وہ شخص اسے بعد میں کسی ایسے شخص کو دے دے جو صدقہ لینے کا مستحق نہ ہو تو پھر وہ اس شخص کے لیے ایک تحفہ بن جاتا ہے کیونکہ اس حالت میں تبدیلی واقع ہو جاتی ہے۔
(۴۵) حضرت خولہؓ بنت قیس	متعدد احادیث کی روایت کی۔
(۴۶) حضرت زینبؓ بنت علیؓ	ضمیمہ 'ذ' دیکھئے
(۴۷) حضرت امامہؓ بنت ابوالعاص	حضرت امامہ، رسول کریمؐ کی نواسی تھیں جن سے حضور اکرم اس قدر محبت فرماتے تھے کہ ایک دفعہ نجاشی بادشاہ نے آپؐ کی خدمت میں انگوٹھی کا ایک تحفہ بھیجا۔ حضورؐ نے فرمایا: ''میں یہ تحفہ اسے دوں گا جو مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے۔'' لوگوں کو حضرت عائشہؓ کا خیال آیا لیکن حضورؐ نے حضرت امامہؓ کو یاد فرمایا اور یہ تحفہ انہیں دیدیا۔ صحیح بخاری میں وارد ہے کہ حضورؐ کو ان سے اس قدر محبت تھی کہ آپؐ انہیں مسجد میں اپنے ساتھ لیجایا کرتے تھے۔ لوگوں نے ایک دفعہ دیکھا کہ آپؐ مسجد میں تشریف لا رہے ہیں وہ آپؐ کے کاندھوں پر سوار ہیں۔ رسولؐ خدا نے اسی حالت میں نماز شروع کر دی اور جب آپؐ سجدہ میں جاتے تو آپؐ انہیں نہایت احتیاط کے ساتھ علیحدہ

	فرماتے اور دوبارہ کھڑے ہونے پر انہیں اپنے کاندھے پر سوار فرما لیتے۔ حضرت علی کی شہادت کے بعد وہ اپنے نانا یعنی رسول کریم کی کفالت وحفاظت میں آ گئیں۔
(۴۸) حضرت امِ ہشیمؓ	آپؓ ایک نہایت ہی علمی مرتبہ کی صحابیہ تھیں جنہیں شعروادب سے ایک گونہ لگاؤ اور دلچسپی تھی اور جنہوں نے بہت سے مرثیے کہے تھے۔ حضرت امامہ بنت العاص کے خاوند کی وفات پر، انہوں نے ایک بہت دردناک مرثیہ کہا کہ ''سروں کے بال سفید ہو گئے اور طویل قامت جھک کر کبڑے بن گئے، اور امامہ جب تمہارے شوہر کا انتقال ہوا تو تم اس کی ضروریات پورا کرنے کے لیے اس کے گرد چکر لگاتی تھیں۔ لیکن جب تو نا امید ہو جاتی تھی تو رونا شروع کر دیتی تھی۔''
(۴۹) حضرت زینبؓ بنت عوام	یہ حضرت خدیجہؓ کی بھتیجی تھیں اور حضرت زبیرؓ کی بہن۔ حضرت زبیرؓ کی جنگ جمل کے موقع پر شہادت کی وجہ سے انہوں نے چند اشعار کہے۔ (ضمیمہ ر)
(۵۰) حضرت سلمہؓ بنت زارہ بنت عروہ	جہاد میں متعدد مرتبہ شریک رہیں اور زخمی سپاہیوں کی خدمت کی
(۵۱) حضرت اثیرہؓ بنت صفوان	رسول اللہ نے انہیں انگلیوں پر قرآن کی مختلف آیات کو گن کر یاد رکھنے کی تلقین فرمائی تھی۔
(۵۲) حضرت عفیرہ بنت غفار	جنگ یرموک میں شرکت کی۔
(۵۳) حضرت نائیم بنت قناس	ان کی ادبی مہارت اور شعر وشاعری سے دلچسپی نیز انتظامی امور میں مہارت تامہ کی بناء پر انہیں اسلامی فوج کے لیے

	راشن اور دیگر انتظامات کا نگران بنایا گیا تھا۔
(۵۴) حضرت ام راکہ قشیریہ	ایک بہت ہی عالمہ خاتون اور بہترین مقررہ
(۵۵) حضرت معاذہ غفاریہ	علاج معالجہ اور سرجری کے ذریعے مجاہدین کی خدمت کے فن میں ماہر خاتون

حضور اکرمؐ کے دور سے لے کر تابعین کے عہد تک کا جو ذکر ہم نے درج بالا گوشوارے میں خواتین اسلام کے قرآن وحدیث کی تعلیمات سے دلچسپی اور تبحر علمی کو واضح کرنے کے لیے کیا ہے کافی ہونا چاہیے۔ مزید اس سے یہ حقیقت بھی واضح انداز میں ہمارے سامنے آئی ہے کہ امت مسلمہ بشمول نہایت بزرگ ترین اصحاب (مثلاً ابوبکر صدیقؓ اور دیگر) سے لے کر تبع تابعین اور مفسرین ومحدثین کی بھی بہت بعد میں آنے والی نسلیں، اپنی تمام نابغۂ روزگار خواتین کی تعلیم وتعلم کے ساتھ تعلق خاطر اور آراء کو بہت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے رہے ہیں۔ یوں اس حقیقت کا بھی علم ہو جاتا ہے کہ تمام امت بالخصوص مرد حضرات کے دلوں میں ان خواتین کے بارے میں کسی قسم کا کوئی تعصب یا جذبۂ مسابقت نہیں پایا جاتا تھا۔ اس سے یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ کسی بھی دور میں خواتین کے لیے علمی کاوشوں میں حصہ لینے پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں بشرطیکہ وہ قرآن وحدیث کی تعلیمات کی پیروی کرتی ہوں اور کسی غیر اسلامی نظریے اور خیالات سے متاثر ہوئے بغیر وہ یہ خدمت سرانجام دیتی ہوں۔ مزید براں یہاں اس امر کی صراحت بہت ضروری ہے کہ اسلام میں صرف حصول علم اور اس میں مہارت تامہ کا ہونا ہی کافی نہیں سمجھا جاتا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ذاتی طور پر تعلیمات اسلامی پر عملی پیرا ہونا بھی بہت ضروری ہے۔ پس یہ دراصل تقوی (خوفِ خدا) کی وہ حالت ہے جو کسی بھی فرد (مرد یا عورت) کو علم وعمل کے

بلند ترین مقام تک پہنچانے اور خلق خدا کی نظروں میں ایک اعلیٰ و ارفع مقام دلانے کا سبب بنتا ہے۔ شاید دورِ حاضر کا یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے کہ اس دور میں علم و عمل اور قول و فعل میں ایک تضاد پیدا ہو گیا ہے۔ ذاتی عمل کے بغیر علم کا کوئی مثبت اثر انسان کی اپنی زندگی پر ہی نہیں بلکہ دوسرے لوگوں کے لیے بھی کسی صورت میں نافع نہیں ہوتا۔

اس لیے اسلام نے حصول علم کے ساتھ ساتھ ان تعلیمات پر عمل کو بھی بہت اہم قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے مسلمانوں سے کہا کہ ''تم وہ بات کیوں کہتے ہو جن پر خود عمل پیرا نہیں ہوتے'' (سورہ الصّف ۶۱:۲۲)

درج ذیل صفحات میں گوشوارہ نمبر ۲ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں صرف ان خواتین کے اسم ہائے گرامی درج ہیں جو صحابیاتؓ رسول کا درجہ رکھتی تھیں۔ اور ان میں سے چند تابعات بھی ہیں۔ تاہم اس گوشوارے کی تمام معلومات کو کسی طور بھی حتمی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ مرد تابعین اور دیگر اہل علم کی طرح، تابعات (خواتین) اور دیگر اہل علم خواتین کی تعداد بھی، گزشتہ چودہ صدیوں میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں سے تجاوز کرتی ہے جنھوں نے اپنے اپنے شعبہ اور مضمون میں مہارتِ تامہ کا ثبوت دیا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلامی تعلیمات کے نتیجے میں مسلم خواتین اور مرد حضرات میں ایک ایسا انقلاب عظیم (Metamorphosis) رونما ہوا کہ اول ہجری سے لے کر آج تک، خواتین اسلام کا ایک ایسا خوبصورت روپہلی سلسلہ وجود میں آیا جنھوں نے انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں تعلیم و تعلم کے حوالے سے بہت نمایاں مقام حاصل کیا۔ ایسی تمام خواتین میں قرآن کا فہم رکھنے والی، حدیث اور فقہ کی ماہر، عبادت گزار اور بہادر خواتین (جنھوں نے دشمنان اسلام کے خلاف جہاد کیا)، حکمران خواتین، شعر و ادب کی شناور، زبان و بیان پر قدرت رکھنے والی (Orators) اور زیرک و دانا خواتین شامل تھیں جنھوں نے اپنے اپنے دور میں نمایاں ترین خدمات سرانجام دیں۔ ایسی خواتین میں وہ بھی تھیں جنھوں نے شعر و ادب اور دستکاری میں مہارت حاصل کی، ان میں سیاست کے میدان کارزار کی شناور خواتین بھی

تھیں، مختلف ممالک کی ملکہ اور شاہزادیاں بھی تھیں جنھوں نے حکمرانی کا منصب بھی نہایت خوبی کے ساتھ نبھایا۔ ان میں ایسی خواتین بھی تھیں جنھوں نے تعلیماتِ قرآن وحدیث کو حرز جاں بنا کر تمام عمر توسیع واشاعت دین میں لگا دی۔ ان میں سے کچھ خواتین ایسی بھی تھیں جنھوں نے سماجی اور فلاحی کاموں میں اعلیٰ خدمات سرانجام دیں اور متعدد تعلیمی ادارے قائم کیے، مسافروں کے لیے مختلف مقامات پر کنویں کھدوائے کہ انہیں پانی میسر آسکے۔ اس ضمن میں نہر زبیدہ تو ایک ایسا نام ہے جو تاریخ کے صفحات میں ہمیشہ جگمگاتا رہے گا۔ (تفصیل آئندہ صفحات میں آرہی ہے)۔ ایسی خواتین کی تعداد تو شاید ہزاروں سے تجاوز کر جائے جنھوں نے یتیم بچوں اور لاوارث لوگوں کے لیے نہ صرف انتظامات کیے بلکہ ہزاروں لڑکیوں کی شادی/ بیاہ کے ذریعے غریب گھرانوں کی مدد کی۔ متعدد نے بیواؤں کی مدد کی۔ تاریخ کے صفحات ایسے لاتعداد اور دلآویز واقعات کا ایک حسین مرقع پیش کرتے ہیں جنھوں نے انسانیت کی خدمت کی۔ یہاں ہم اس قابل نہیں کہ گزشتہ ۱۴۰۰ سالوں میں خواتین اسلام نے جو درخشاں مثالیں پیش کی ہیں، ان کا کوئی جامع تذکرہ مرتب کرسکیں۔ تاہم گوشوارہ نمبر ۲ پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمان خواتین ہر دور میں نمایاں ترین خدمات سرانجام دینے میں کسی بھی قوم اور ملک کی خواتین سے پیچھے نہیں رہیں۔ **اس سے اس مغالطے کو ہمیشہ کے لیے دور ہو جانا چاہیے کہ اسلام نے طبقہ اناث کو کم تر سمجھتے ہوئے، زندگی کی دوڑ میں شانہ بشانہ نہیں بلکہ داعیانہ انداز میں پیش قدمی کرنے کے اعزاز سے نوازا ہے۔**

گوشوارہ نمبر ۲: گزشتہ ۱۴۰۰ سالوں میں مختلف علمی خدمات دینے والی نمایاں ترین خواتین:

پہلی صدی ہجری

علمی میدان	تعداد خواتین	کیفیت
علم حدیث	۵۱	محدثین کرام۔ ان میں نمایاں ترین خواتین تھیں (ام عاصم) جو حضرت عمرؓ کی پوتی تھیں

		اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کی والدہ اور دوسری حضرت عمر بن عبدالعزیز کی اہلیہ۔ تاریخ کے صفحات ان خواتین کے کارناموں سے بھرے پڑے ہیں۔
علم و ادب (شاعری سے تعلق)	۳	
بہادر خواتین	۳	ان کا تعلق خوارج سے تھا۔
متدین / متقی پرہیزگار خواتین	۱۳	دوسری صدی ہجری رابعہ بصریؒ کا نام ایک نمایاں متقی اور دین دار خاتون کی حیثیت سے ناقابل فراموش ہے۔ یہاں ہم مستشرقین کے اس اعتراض کا ذکر کریں گے جو وہ اسلام کے خلاف لگاتے ہیں کہ اسلام میں کوئی خاتون پیغمبر/رسول کے طور پر مبعوث نہیں ہوئی اور تمام تر پیغمبر مرد حضرات میں سے تھے ان کے خیال میں یہ اس لیے ہے کہ اسلام میں عورت کو کم تر حیثیت کا حامل گردانا گیا ہے عقلی اور علمی طور پر۔ اس مغالطے کی ایک اور دلیل یہ دی جاتی ہے کہ گواہی کے لیے دو عورتوں کی ضرورت ہوتی ہے بمقابلہ ایک مرد کے۔ یہ ایک دلچسپ امر ہے کہ یہ اعتراض خود رابعہؒ بصری سے کیا گیا تاہم جو جواب انہوں نے دیا وہ مستشرقین نے جان

		بوجھ کر حذف کر دیا۔ آنسہ نے جواباً کہا: ''اے بھائی! کیا تم نے کبھی کسی عورت کو دعویٰ خداوندی کرتے بھی دیکھا ہے؟'' اس تکبر کا سہرا تو مرد حضرات کے سر پر ہی بندھا ہے کہ انہوں نے اس متکبرانہ دعوی سے بھی گریز نہیں کیا۔ جہاں تک کسی عورت کے پیغمبر یا رسول مبعوث کرنے کا تعلق ہے تو یہ صحیح ہے تاہم ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ تمام پیغمبر رسول، صدیق، شہداء اور بزرگ لوگوں کا وجود تو کسی عورت کا ہی مرہون منت ہے۔ ان سب کی پرورش نگہداشت، تعلیم و تربیت کی ذمہ دار ایک عورت ہی ہوتی ہے۔ کیا صنف نازک کے لیے یہ اعزاز کافی نہیں؟
زبیدہ زوجہ ہارون الرشید		وہ نہ صرف قرآن و حدیث کی ایک بہترین عالمہ تھیں کہ ان کے محل میں ۱۰۰ باندیاں تھیں جو حفاظ قرآن تھیں اور روزانہ محل میں قرآن کی تلاوت کرتی تھیں۔ ان کا سنہرا کارنامہ ''نہر زبیدہ'' کی تعمیر ہے جو دو نہروں کی شکل میں مختلف بلکہ مخالف سمتوں سے آنے والے چشموں سے نکلتی تھیں۔ اس نہر کی کل لمبائی ۳۳۰۰۰ میٹر (یعنی ۳۳ کلومیٹر تھی) جو شہر مکہ کو صاف اور میٹھا پانی فراہم کرتی تھیں۔ یہ عظیم الشان کام ۱۷۰ ہجری یعنی ۷۸۶ عیسوی

		میں سرانجام پایا اگرچہ اب یہ نہر قریباً اپنی افادیت کھو چکی ہے تاہم اس کے بقیہ نشانات مختلف جگہوں پر مکہ سے مدینہ جاتے ہوئے سڑک کے کنارے دیکھے جاسکتے ہیں۔ ملکہ زبیدہ کا انتقال ۲۱۶ ہجری ۸۳۱ عیسوی میں ہوا۔
اہل علم خواتین	۱۲	
اہل علم	۸	تیسری صدی ہجری
ادب و شاعری سے دلچسپی رکھنے والی خواتین	۵	
اہل علم/ ادب و شاعری	۱۳+۶	چوتھی صدی ہجری
		پانچویں صدی ہجری
علمی/ دینی علوم کی ماہر خواتین	۱۴	ان خواتین میں نمایاں ترین سید عبدالقادر جیلانیؒ کی والدہ ماجدہ نمایاں ترین ہیں۔ جو بعد ازاں صوفی سلسلہ قادریہ کے بانی مبانی اور بہت بڑے عالم و فاضل تھے۔
شعر و ادب	۳	
خطاطی کی ماہر	۱	
سماجی خدمات	۱	
اہل علم/شعر و ادب	۱۴ +۶	چھٹی صدی ہجری

		ان میں نمایاں ترین فخر النساء شہدا نامی خاتون تھیں جو اپنے زمانے کی بہترین خطاط تھیں۔ مزید وہ ایک محدث عالمہ تھیں جنہوں نے ایک مکتب کی بنیاد ڈالی۔
سماجی خدمات	۲	
ماہر زچہ/بچہ (Obstetrician)	۲	
		ساتویں صدی ہجری
اہل علم اور حکمران بطور ملکہ	۲۸	اس دور میں نہ صرف ۲۸ نامور ترین علم حدیث کی شناور خواتین تھیں بلکہ چار ایسی خواتین بھی تھیں جنہوں نے بطور ملکہ حکمرانی بھی کی۔ان میں ملکہ شجر جو مشہور بادشاہ نجم الدین ایوبی (سلطان صلاح الدین ایوبی کے بھائی ۶۳۷ھ/ ۱۲۴۰ عیسوی) کی اہلیہ تھیں۔دوسری ملکہ ترکان جو شیراز بادشاہ ایران کی ملکہ تھیں (۶۵۸ھ/ ۱۲۶۰ عیسوی) اور تیسری ملکہ رضیہ سلطانہ، بادشاہ التمش کی بیٹی (ہندوستان) ۶۰۷ھ ۶۳۳ھ بمطابق ۱۲۱۰ تا ۱۲۳۶ عیسوی اور چوتھی ملکہ قتالہ خاتون تھیں جو بادشاہ قطب الدین ایبک کی ملکہ تھیں (۶۵۰ھ تا ۶۵۵ھ)
ادب وشاعری	۲	آٹھویں صدی ہجری

اہل علم ادب و شاعری	۲۵	نویں صدی ہجری اس صدی میں گزشتہ صدی کے علمی اور دینی کاموں کا تسلسل جاری ملتا ہے کہ اس میں اتنی
		بڑی تعداد میں علم حدیث کی ماہر خواتین موجود تھیں۔ اس دور میں ایک خاتون ملکہ امت الحبیب نامی تھیں (۱۷۷ھ / ۱۲۶۹ عیسوی) جنہیں متعدد زبانوں ترکی، عربی، فارسی اور چینی پر عبور حاصل تھا۔ وہ یہ تمام زبانیں مہارت کے ساتھ لکھنا، پڑھنا، اور بولنا جانتی تھیں۔ اس دور میں متعدد خواتین نے سماجی خدمات از قسم ہسپتالوں کا قیام اور غریب / محتاج لوگوں کے لیے گھروں کا انتظام کیا۔
		دسویں صدی ہجری
اہل علم ادب / شاعری	۸	اس دور میں چاند بی بی (چاند سلطانہ) نامی ایک حکمران خاتون بھی تھیں۔ جو بیجاپور (دکن) کے بادشاہ علی عادل شاہ کی زوجہ تھیں (۹۶۵ھ / ۱۵۵۸ عیسوی)
حکمران	۹	
سماجی ماہرین	۱۵	
		گیارہویں صدی ہجری
اہل علم / ادب / حکمران		اس صدی میں متعدد ایسی خواتین تھیں جو نہ صرف علمی و ادبی طور پر مشہور تھیں بلکہ وہ مختلف

		ممالک کی حکمران بھی تھیں۔ ان میں نمایاں ترین ملکہ نور جہاں ہیں جو مغل بادشاہ جہانگیر کی زوجہ تھیں (۱۶۱۱ء) ممتاز محل، محمد شاہ جہاں مغل بادشاہ کی ملکہ (۱۶۲۸ تا ۱۶۵۸ء)، شہزادی جہاں آرا بیگم، شاہ جہاں مغل بادشاہ کی بیٹی، شہزادی زیب النساء، مغل بادشاہ اورنگزیب عالمگیر (۱۶۵۹ تا ۱۷۰۷ء) کی بیٹی نمایاں ہیں۔ یہ تمام خواتین فارسی اور عربی زبانوں پر عبور رکھتی تھیں۔ اور ان سب نے اپنے طور پر خواتین کی بہتری کے لیے تدابیر کیں۔
		بارہویں صدی ہجری
اہل علم / ادب و شاعروں	۸	ان میں نمایاں ترین شرف النساء بیگم ہیں (تفصیلات کے لیے باب نہم، اقبال اور خواتین دیکھئے)
		تیرہویں صدی ہجری
اہل علم شعر و ادب	۱۸	ان میں نمایاں ترین حیثیت کی حامل شاہ محمد اسحق کی بیٹی اور مفتی عبدالقیوم بڈھانوی کی اہلیہ ہیں۔ انہوں نے قرآن و حدیث کا علم اپنے والد سے حاصل کیا تھا۔ اس دور میں دو شاعرہ خواتین بی بی کیفی اور اختر محل اختر (۱۲۸۰ھ) میں مغل بادشاہوں کے خاندان سے تعلق رکھنے والی خواتین تھیں۔

		چودھویں صدی ہجری
		چودھویں صدی ہجری کی تاریخ بہت ہی دلچسپ اور ایمان افروز ہے۔ اس صدی میں برصغیر ہندو پاکستان کی مسلم امت نے بالخصوص اور دیگر دوسرے اسلامی ممالک کی خواتین نے بالعموم گزشتہ تین صدیوں کی برطانوی و دیگر یورپین ممالک کے استعماری نظام سے آزادی حاصل کرنے کی ایک ایسی ولولہ انگیز داستان کا آغاز کیا جس میں مردوں کے ساتھ ساتھ مسلم خواتین نے بھی کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ اس دور میں ہمیں ایسے ایسے سرفروشانہ قربانی، بہادری اور علمی جدوجہد پر مبنی واقعات وحالات دیکھنے میں آتے ہیں کہ ایک شخص یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ: ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی!

اس دور میں ایسی چند خواتین کی بہادری اور سرفروشی کے ان واقعات کی ایک جھلک ہم درج ذیل صفحات میں درج کر رہے ہیں جس کی مثال انسانیت کی تاریخ میں کسی بھی ملک وملت کی خواتین نے پیش نہیں کی۔ درج بالاصفحات نیز ان واقعات کو پڑھنے کے بعد کسی شخص کو بھی یہ پریشانی لاحق نہ ہوگی کہ مسلم خواتین کو مسلم تاریخ کے کسی بھی دور میں کم تر نہیں سمجھا گیا بلکہ ان کے کارہائے نمایاں کو امت کی عظیم اکثریت نے سراہا اور ان کی خوبیوں کا اعتراف کیا ہے جو انہوں نے انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے بالعموم اور امت مسلمہ کے لیے بالخصوص سرانجام دیں۔ ذیل کی سطور میں اس کی چند نمایاں مثالیں زیر بحث آئی ہیں۔

(۱) نواب سلطان جہاں بیگم آف بھوپال: (۱۲۷۴ تا ۱۳۴۸ھ/ ۱۸۵۸ تا ۱۹۳۰ء)

اپنی والدہ محترمہ کی وفات کے بعد ریاست بھوپال کی حکمران رہیں۔ قرآن و حدیث، عربی/فارسی اور انگریزی زبانوں پر عبور اور گھوڑ سواری/ اور جنگی امور میں مہارت حاصل کی۔ تاریخ میں اردو زبان میں پہلی کتاب سیرت النبیؐ (از شبلی نعمانی/سید سلیمان ندوی) کے لیے مالی معاونت میں پیش قدمی کا اعزاز حاصل کیا۔ مختلف موضوعات پر ۵۰ کتابیں بھی تصنیف کیں۔

(۲) فاطمہ بنت عبداللہ:

ان کا تعلق طرابلس غربی (لیبیا) کے ایک قبیلے سے تھا۔ ۱۹۱۲ء میں اٹلی کے عیسائی بادشاہ نے ان پر حملہ کر دیا جو کہ اس وقت سلطنتِ عثمانیہ کے زیر اثر تھا۔ اس نوجوان لڑکی نے میدانِ جنگ میں مسلمان سپاہیوں کی مدد کی اور انہیں پانی پلاتے ہوئے میدانِ جنگ میں شہید ہو گئی۔ علامہ اقبالؒ نے بانگ درا میں اس سے متاثر ہو کر جو نظم کہی اس کا پہلا مصرعہ یہ ہے:

فاطمہ تو آبروئے امت مرحوم ہے
ذرہ ذرہ تیری مشتِ خاک کا معصوم ہے!

اس ضمن میں مزید معلومات آئندہ صفحات میں آ رہی ہے۔

(۳) بی اماں عابدی بیگم (۱۸۵۲ تا ۱۹۲۴ء):

آپ جنگ آزادی ہند کے دو عظیم الشان متوالوں (مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی جوہر) کی والدہ ماجدہ تھیں۔ جو ''علی برادران'' کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ کسی نے ''صدائے خاتون'' کے عنوان سے ایک نظم لکھی جس کا پہلا بول تھا:

بولیں اماں محمد علی کی
جان بیٹا خلافت پہ دینا!

یہ نظم اس قدر مقبول عام ہوئی کہ دیہاتوں میں بھی مردوزن اسے پڑھتے اور سر دھنتے تھے۔

(۴) سیدہ نشاط النساء بیگم (متوفی ۱۹۳۷ء):

یہ رئیس الاحرار مولانا سید فضل حسین حسرت موہانی کی اہلیہ تھیں وہ خود بھی اردو، فارسی اور عربی زبانوں پر مکمل دسترس رکھتی تھیں۔ انہوں نے آزادی کی جدوجہد میں اپنے خاوند کی اس انداز میں انتھک مدد کی کہ کوئی عورت اس سے زائد نہیں کر سکتی۔

(۵) خالدہ ادیب خانم (۱۸۸۴ء تا ۱۹۶۴ء):

ترکی سے تعلق رکھنے والی ایک باہمت، خاتون جو اپنی علمی استعداد اور قابلیت کی بناء پر بہت مشہور ہوئیں۔ نہ صرف یہ بلکہ ملکی سیاسی امور میں بھی بہت شرکت کی جس پر کسی بھی ملک وقوم کو فخر سے اپنا سر بلند کر لینا چاہیے۔ سترہ سال کی عمر ہی میں انہوں نے ترکی زبان میں جیکب ایبٹ کی کتاب (The Mother in her home) کا ترجمہ کیا اور ترکی کے سلطان نے میڈل دیا۔ انہوں نے ایک سوشل تنظیم کی بنیاد ڈالی جس کے تحت ہسپتال اور لڑکیوں کے لیے سکول قائم ہوئے۔ ۱۹۱۸ء میں وہ آرٹس کے شعبۂ استنبول یونیورسٹی میں پروفیسر بن گئیں۔ انہوں نے ترکی کو دوسری جنگ عظیم میں اتحادی فوجوں کی دستبرد سے بچانے کی انتھک جدوجہد کی۔ کمال اتاترک نے انہیں ملک بدر کر دیا اور وہ پندرہ سال تک اپنے وطن سے باہر رہیں۔ اس دوران میں انہوں نے برطانوی ہندوستان کا دورہ بھی کیا اور یہاں علمی مجالس میں آٹھ لیکچر بھی دیئے جس میں سے ایک لیکچر کی صدارت علامہ اقبال نے بھی کی۔ وہ ایک بہت بڑی عالمہ خاتون تھیں جنہوں نے متعدد کتب بھی لکھیں۔

(۶) نازی بیگم (۱۸۷۶ء تا ۱۹۰۹ء):

یہ علی حسن آفندی کی بیٹی تھیں جو عبدالحمید ثانی ترک خلیفہ کے ایک ایڈوائزر تھے وہ استنبول میں پیدا ہوئی تھی اور وہاں تعلیم حاصل کی اور یوں ترکی، انگریزی، عربی، فارسی اور بعد ازاں گجراتی اور اردو زبانوں میں مہارت حاصل کی۔ ان کی شادی بمبئی میں ہوئی تھی۔ اپنے خاوند کی عملداری میں سماجی کاموں کے نگران کے طور پر سکول قائم کیے اور عام لوگوں

کے لیے پینے کے پانی کی فراہمی کے انتظامات کیے۔ انہوں نے سیرت النبی کی فضیلت و تالیف کے لیے شبلی نعمانی کی مالی مدد بھی کی۔ وہ پہلی خاتون تھیں جس نے عورتوں کی پہلی کانفرنس کی صدارت کی اور طبقہ اناث کی بہتری کے لیے آواز بلند کی۔

(۷) عطیہ بیگم (عطیہ فیضی، ۱۸۸۱ء تا ۱۹۶۷ء):

یہ نازلی بیگم کی چھوٹی بہن تھیں اور قسطنطنیہ میں پیدا ہوئی۔ انہوں نے ترکی، عربی، فارسی، اردو اور گجراتی زبانوں میں مہارت حاصل کی۔ وہ بہت ذہین اور تقریر کرنے کی مہارت رکھتی تھیں۔ اور علم وادب سے ایک گونہ رغبت رکھنے والی خاتون تھیں۔ ان کی بڑی بہن متعدد اہل علم (شبلی نعمانی)، سیاست دانوں (محمد علی جناح) اور شعرا (علامہ محمد اقبال) کو اکثر مختلف مواقع پر بلاتی رہتی تھیں۔ علامہ قبال، عطیہ فیضی کی صلاحیتوں اور علمی قابلیت کے بہت معترف تھے۔ ان دونوں کے درمیان خط و کتابت شائع بھی ہو چکی ہے۔ اس خاتون کو شعر وادب، موسیقی اور فوٹو گرافی کا بہت شوق تھا۔ انگریزی زبان پر عبور کی بناء پر وہ فوری طور پر فی البدیہہ تقریر کرنے کی صلاحیت سے بہرہ مند تھیں۔

(۸) مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح:

وہ قائداعظم محمد علی جناح کی چھوٹی بہن تھیں۔ ان کی خدمات کے ضمن میں یہ لکھنا ہی کافی ہے کہ وہ قائداعظم کی دل و جان کے ساتھ دیکھ بھال کرتی تھیں۔ اپنی زندگی کے آخری دور میں انہوں نے مسلمان سیاسی و دیگر مذہبی لیڈروں کے اصرار پر ایوب خان کے خلاف صدارتی انتخاب بھی لڑا۔ بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ قائداعظم کے بعد ان کا پاکستان بنانے میں بہت بڑا کردار ہے۔

(۹) آپا فاطمۃ الکبریٰ (۱۸۸۳ء تا ۱۹۶۷ء):

وہ برصغیر ہندو پاک کے سب سے بڑے خطاط کی بیٹی تھیں اور وہ پہلی خاتون تھیں جنہوں نے نہایت ادب و احترام اور محبت کے ساتھ قرآن کریم نہایت خوبصورت خطاطی میں تحریر کیا۔

(۱۰) جینی زوجہ مولانا عزیر گل:

برطانوی شاہی خاندان کے ایک فرد جو برطانوی عہد میں حیدر آباد (سندھ) میں کلکٹر تھے، کی بیٹی تھیں۔ اگرچہ وہ ایک عیسائی خاندان میں پیدا ہوئی تھیں تاہم بائبل اور دیگر عیسائی رسم و رواج پسند نہ کرتی تھیں۔ ذہنی سکون کے لیے ہندوازم قبول کرلیا۔ اور ایک ادارہ کھول لیا غریب نوجوان بچوں کی اخلاقی تعلیم و تربیت کے لیے۔ وہاں ایک مسلمان بچہ لایا گیا لیکن چونکہ وہ اسلام کے بارے میں عیسائی پروپیگنڈے وغیرہ کی وجہ سے معلومات نہ رکھتی تھیں، اس لیے انہوں نے اسلام کا مطالعہ شروع کیا۔ بالآخر اسلام قبول کرلیا۔ اس دوران انہوں نے دیوبند (ہندوستان کا ایک مشہور دینی تعلیم کا ادارہ) جا کر مولانا حسین احمد مدنی اور ان کے رفیق کار مولانا عزیر گل سے ملاقات کی۔ مولانا مدنی نے ان کے اسلام لانے کی توثیق کی۔ بعدازاں انہوں نے اپنے خاوند سے طلاق لے کر کہ وہ اب مسلمان ہو چکی تھیں اور کسی کافر کے نکاح میں نہ رہ سکتی تھیں۔ مولانا عزیر گل سے شادی کرلی۔

(بحوالہ خاص نمبر ماہنامہ الجمیت راولپنڈی)

(۱۱) زینب خاتون کاکاخیل:

وہ اسلامیہ کالج فار ویمن کوپر روڈ لاہور کی پرنسپل تھیں۔ یہ کالج انجمن حمایت اسلام نے ۱۹۳۹ء میں لڑکیوں کی تعلیم کے لیے قائم کیا تھا۔ انہوں نے قائداعظم کی تحریک آزادی میں شرکت فرمائی اور اس کالج نے متعدد لڑکیوں اور خواتین کو تحریک آزادی میں شرکت کے لیے تیار کیا۔ انہوں نے ایک کتاب ''جستجو و آرزو'' کے موضوع پر لکھی اور اس میں وہ تمام تر تفصیلات درج کیں جو لاہور میں مسلم لیگ کی ۱۹۴۰ء کی کانفرنس سے متعلق تھیں اور اس میں قائداعظم محمد علی جناح کے اس کالج میں خطاب کا بھی ذکر کیا ہے۔

(۱۲) آپا جی حمیدہ بیگم (۱۹۱۴ء تا ۱۹۷۳ء):

آپ ایک ایسی خاتون تھیں جنہوں نے اپنی تمام زندگی اسلامی تعلیمات کو طبقہ نسواں کے لیے مخصوص کر دیا تھا۔ انہوں نے قرآن و حدیث کی تعلیم اپنے باپ کے ایک چچا اور

رشتے دار مولانا عبدالعزیز سے حاصل کی۔ ۱۹۴۶ء میں انہوں نے سید ابوالاعلیٰ مودودی کی دعوت پر جماعت اسلامی میں شرکت کی اور اپنی تمام عمر اور صلاحیتیں، طبقہ اناث کی بہتری اور اسلامی تعلیمات کے فروغ کے لیے وقف کر دیں۔ ان کی کوششوں سے آج کالجوں/ یونیورسٹیوں میں لڑکیوں کے ہاں دین کو فروغ ہوا۔

(۱۳) بنت الاسلام:

بنت الاسلام، ان کا قلمی نام تھا۔ اصلی رفعت اقبال تھا جو شادی کے بعد رفعت حنیف مشہور ہوا۔ ان کی متعدد کتب میں ''زندگی بے بندگی'' اور ''اسلامی اخلاق'' کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے اور خواتین میں بہت مقبول ہیں۔ ملک اور بیرونِ ملک ان کی ہزاروں شاگرد لڑکیاں ان کے لئے صدقۂ جاریہ ہیں۔

وہ اس صدی کی بہت عظیم خواتین میں سے ایک تھیں اور بطور پروفیسر اسلامک سٹڈیز ڈیپارٹمنٹ لاہور کالج فار ویمن کے عہدے سے ریٹائر ہوئیں۔ انہوں نے درجنوں کتب خواتین اور بچیوں کے لیے لکھیں اور اپنی تمام زندگی ترویج واشاعت اسلام کے لیے صرف کی۔

حالہ دور میں ملت اسلامیہ اور خواتین: ایک طائرانہ جائزہ:

ابھی درج بالا حقائق کی روشنائی سوکھنے بھی نہ پائی تھی کہ ہمیں اپنی فائلوں میں ایسے ضروری نوٹس مل گئے جن سے حالیہ دور میں ملت اسلامیہ میں طبقہ نسواں کی نہایت اہم خواتین کی خدمات کا علم ہوا۔ اس لیے اس کا مطالعہ بہت ضروری ہو گیا کہ یہ بات تو ہمارے آنکھوں دیکھی ہے۔ یہ کوئی ازمند قدیم کا معاملہ نہیں کہ صرف تاریخ کی ورق گردانی کی ضرورت پڑے (جس کے لیے ہمارے روشن خیال لوگ تگ ودو کرنے کے عادی نہیں)۔ یہ تو وہ داستان ہے جو مسلم امہ کے طول وعرض میں گزشتہ ایک صدی میں مختلف خواتین نے سرانجام دی ہے۔ اور جسے یاد رکھنا آزاد قوموں کی زندگی کے قیام اور بقا کے لیے نہایت ضروری ہوا کرتا ہے۔ **اس ضمن میں ہم مساوات مرد وزن کے حامی تمام افراد سے**

یہ اپیل کرنا چاہیں گے کہ وہ اس جدوجہد کو ضرور اپنی تحریروں میں نمایاں کریں جو کردار ایسی بہادر اور غیور خواتین نے مصر، پاکستان، کشمیر، فلسطین اور بوسنیا وغیرہ میں سرانجام دیا۔ کیا یہ وہ چند ایسے مثبت پہلو نہیں جن کا تعارف، نژادنو کے لیے ضروری ہو جو سکولوں/کالجوں/یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم ہیں؟ کیا چند منفی خیالات اور واقعات کو وہ بھی مغرب سے مستعار خیالات کو شائع کرنا تذلیل نسواں کے زمرے میں نہیں آتا؟۔زینب غزالی جیسی بہادر متعدد خواتین نے مصر میں اپنے غلام نما حکمرانوں کے خلاف جو جدوجہد کی، کیا وہ طبقہ نسواں کے لیے باعث فخر و مباہات نہیں؟ فلسطین اور کشمیر میں جس بہیمانہ طریق پر خون نسواں کو بہایا جا رہا ہے، کیا وہ کسی بھی آنکھ میں آنسو لانے کے لیے کافی نہیں؟ یہ کھیل ایک طویل عرصہ سے تمام دنیا کے سامنے کھیلا جا رہا ہے لیکن اس کے لیے کسی مغربی ملک کے دانشوروں اور ان کا اتباع کرنے والوں کی رگ حمیت نہیں جاگتی؟ امریکہ نے حالیہ دور میں پاکستان کے دور دراز گاؤں/دیہات میں مدارس میں پڑھنے والے معصوم بچوں پر ڈرون حملے کیے اور اسی طرح ان عالمی طاقتوں کے وحشی درندوں نے پشاور میں جس انداز میں خون طفلاں کو بہایا، اے کاش مساوات مرد و زن کے حامی کسی بھی ایک مرد اور عورت نے اس کیخلاف کوئی صدائے احتجاج بلند کی ہوتی......ان تمام واقعات اور حالات نے ہمیں مجبور کیا کہ ہم اپنے جدید تعلیم یافتہ اور روشن خیال لوگوں نیز عالمی ضمیر کو جگانے کے لیے چند حقائق پیش کریں۔ اگرچہ طوالت گفتگو کو خوبی نہیں گردانا جاتا لیکن خون مسلم اور عورتوں/بچوں کا لہو جب ارزاں ہو رہا ہو تو اس کی قدر و قیمت بڑھ جاتی ہے کہ یہ تو اپنے زخموں سے بہنے والا لہو ہے!

متاع لوح و قلم چھن گئی تو کیا غم ہے
کہ خون دل میں ڈبو لی ہیں انگلیاں میں نے!

ان تمام تر معلومات کے لیے ہم اپنی **ایک دانشور عزیز بیٹی عائشہ مسعود** کے ان دو کالموں کے مرہون منت ہیں جو انہوں نے روزنامہ ''نوائے وقت'' ۲۳/ مارچ ۲۰۰۸ء

میں لکھے۔ موصوفہ نے لکھا:

☆ بیگم مولانا محمد علی جوہر نے ۱۹۴۰ء میں پاکستان ریزولیوشن والی کانفرنس لاہور میں شرکت کی۔ ایک ایسی ہی میٹنگ میں جس کی صدارت محترمہ فاطمہ جناح (مادر ملت) نے کی اور انہوں نے ملت اسلامیہ کی خواتین میں بیداری کی اس لہر کو بہت سراہا۔

☆ اس کانفرنس کا ایک دوسرا بہت اہم پہلو یہ تھا کہ تمام ہندوستان سے عورتوں کی نمائندگی کے لیے متعدد خواتین نے نہایت دور دراز سفر کی صعوبتوں کو برداشت کیا۔ اس میں بیگم لیاقت علی خان اور لیڈی عبداللہ ہارون نے سندھ سے، بیگم نواب حفیظ الدین نے سوات، بیگم نواب محمد اسمٰعیل خان نے میرٹھ، بیگم حبیب اللہ نے لکھنو، بیگم رضا اللہ بیگ نے دہلی، بیگم عبدالحفیظ نے لکھنو، بیگم نواب بہادر یار جنگ نے حیدر آباد دکن، بیگم ہمایوں مرزا نے حیدر آباد، بیگم مومن نے کلکتہ، بیگم کمال الدین نے شمال مغربی سرحدی صوبہ/حالیہ پختونخواہ، لیڈی سر عبدالقادر، بیگم شاہ نواز، بیگم سلمٰی تصدیق حسین اور بیگم بشیر احمد شامل ہوئیں۔

☆ درج بالا تمام معزز خواتین کے علاوہ، کالم نگار نے بالخصوص **بیگم اقبال حسین ملک** کے اس نمایاں اقدام کو بہت سراہا جس میں انہوں نے ایک جلوس کی قیادت ۱۰ فروری ۱۹۴۷ء میں کی۔ **اس جلوس میں ایک نوجوان بچی نے نہایت جرأت کا مظاہرہ کیا اور اس نے سول سیکرٹریٹ لاہور کی بلڈنگ پر مسلم لیگ کا جھنڈا لہرا دیا اور برطانوی جھنڈا اتار دیا۔**

☆ اسی طرح کا ایک دوسرا تاریخ ساز واقعہ **بیگم کمال الدین صوبہ سرحد** (موجودہ خیبر پختونخواہ) کے ایک غریب پٹھان خاندان سے تعلق رکھنے والی خاتون کا ہے۔ اس خاتون نے قائد اعظم محمد علی جناح سے ملاقات کے بعد صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کے لئے کام کرنے کی اس نصیحت کو حرز جان بنا لیا اور اس کے لیے رات دن تگ و دو کی اور اس علاقے میں تحریک پاکستان کے لئے کوششیں کیں۔ اس دوران سول نافرمانی

کے جرم میں قید کی گئیں لیکن رہا ہونے سے انکار کر دیا۔ ۲۹ رفروری ۱۹۴۷ء کو انہوں نے ایک جلوس کی قیادت لاہور میں کی اور جب یہ جلوس گورنر (لاٹ صاحب) ہاؤس کی طرف جا رہا تھا تو راستے میں چیرنگ کراس مال روڈ لاہور میں **ملکہ وکٹوریہ کا بہت بڑا مجسمہ نصب تھا، جس کے سر پر مسلم لیگ کا جھنڈا اگاڑ دیا۔**

بیگم کمال الدین نے اپنی کوششیں جاری رکھیں اور قیام پاکستان کے بعد کشمیر کی آزادی کی خاطر اپنی اور دیگر متعدد خواتین کی جانیں بھی حکومت کو پیش کر دیں کہ وہ ان بوڑھی خواتین کے جسم کے ساتھ بم باندھ کر دشمنوں کے ٹینکوں کے سامنے ڈال دیں تا کہ وہ مسلمان سپاہیوں کی جان بچا سکیں۔

☆ ملت اسلامیہ کی گزشتہ ۱۴۰۰ سالہ تاریخ ایسی بہادر خواتین کے متعدد واقعات سے لبریز ہے لیکن یہاں ہم ان تمام کارناموں کو ایک غریب باپ (ملک محمد عالم) کی بیٹی کے ذکر پر ختم کرنا چاہتے ہیں۔ ملک محمد عالم ایک صحافی تھے اور اپنے ذاتی ذرائع سے دو اخبارات کی اشاعت کرتے تھے۔ ایک کا نام ''ہمت'' تھا جبکہ دوسرا ''پیسہ اخبار'' (لاہور اردو بازار میں آج بھی ایک گلی اسی نام سے موسوم ہے) کے نام سے جدوجہد آزادی کے عروج کے دنوں میں شائع ہوتا تھا۔ ان کی بیٹی فاطمہ بیگم کو تعلیم و تعلم سے ایک فطری لگاؤ تھا۔ وہ علامہ اقبال سے راہ نمائی لینے کے لیے اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہوتی رہتی تھیں جو ان کی بہت حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ وہ خود بھی ایک صحافی خاتون تھی اور ایک ہفت روزہ ''خاتون'' کی ایڈیٹر بھی تھیں۔ وہ تحریک پاکستان میں بھی سرگرمی کے ساتھ حصہ لیتی تھیں۔ انہوں نے ایک سکول ''فاطمہ جناح سکول'' کے نام سے موسوم تھا، بھی قائم کیا۔ (بحوالہ سید نذیر نیازی ۱۹۸۸ء)

ہم اپنی اس گفتگو کا اختتام ان سب خواتین کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں اور اپنے اس دور کے دانشور اور موجودہ تمام صحافی/ اینکر پرسن کو یاد دلانا

چاہتے ہیں کہ وہ بھی اسی قسم کے تاریخی واقعات کو اپنے کالموں اور ٹی وی پروگراموں کا حصہ بنایا کریں۔

گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

اور

دلِ مردہ، دل نہیں ہے، اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے امتوں کے مرضِ کہن کا چارہ!

باب نہم:

تصوف اور روحانیتِ خواتین

اسلام کے خاندانی نظام پر، مستشرقین کے چند اعتراضات کا احاطہ کرنے کے بعد بھی ان کے اعتراضات کا سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ ان میں سے ایک بہت اہم موضوع تصوف اور مختلف مسلمان صوفیوں کا ہے۔ روبن لیوی (۱۹۶۲ء) نے ایک جرمن مستشرق گولڈ زیہر (Goldzihr 1889) کے حوالے سے، ہمارے مسلمان روشن خیال طبقے کے لیے ایک مزید موضوع ذہنی زور آزمائی کے لیے میدان میں چھوڑ دیا ہے اور وہ ہے۔ صوفیاء کرام اور اسلام میں تصوف کا تصور۔ گولڈ از یہر کے حوالے سے یہ کہا گیا ہے کہ ''قدیم کتابوں میں ایک طویل فہرست ایسی صوفیا خواتین کی ملتی ہے جن کے معجزات ◆ عام طور بھی مرد صوفیاء سے کم تر نہ تھے۔ اس ضمن میں روبن لیوی نے مارگریٹ سمتھ (Margaret Smith 1974) کے حوالے سے ''اسلام میں صوفیائے کرام کے سلسلے کی اہم شخصیت رابعہؒ بصری کا ذکر چھیڑ دیا'' اور یہ امر باعث دلچسپی ہے کہ فوراً ہی اس موضوع کو جدید ذہن کی مرد و خواتین (اور چند سیاسی لوگوں) نے لپک کر اپنا لیا اور نہایت زور شور کے ساتھ مسلم ممالک میں اس کی اشاعت شروع کر دی۔

Arifa Farid (۲۰۰۶ء) نے اپنی کتاب کے باب ہفتم (اسلام اور قرآن میں نمایاں روحانی خواتین) کے موضوع پر چند ایسی نمایاں ترین خواتین کا ذکر کیا ہے۔ جن کا

◆ چند ایسے خوارق عادت معاملات کو مستشرقین معجزات کا نام دیتے ہیں جسے اسلامی لٹریچر میں کرامت کہتے ہیں جبکہ معجزہ صحیح اصطلاحی معنوں میں وہ چند محیر العقول واقعات ہیں جو صرف پیغمبروں کو دیئے جاتے ہیں اللہ کی جانب سے اگر ضروری ہوں۔

ذکر قرآن کریم میں آیا ہے۔ نیز چند ایسی دیگر خواتین کو بھی اپنی گفتگو کا حصہ بنایا جو اسلام کے مختلف ادوار میں تھیں۔ اس ضمن میں موصوفہ نے حضرت مریمؑ (حضرت عیسیٰؑ کی والدہ ماجدہ) کا ذکر کیا ہے، حضرت عائشہؓ (زوجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) اور بالخصوص نہایت تفصیل کے ساتھ رابعہؒ بصری کا ذکر کیا ہے۔ مزید براں چند دوسری خواتین (فرعون کی بیوی آسیہ) اور ملکۂ سبا (بلقیس) کے نام بھی درج کیے ہیں۔ تاہم درج بالا تین خواتین کے نمایاں کردار کو واضح کرتے ہوئے انہوں نے خواتین کی روحانیت کے بارے میں چند نہایت اہم نتائج اخذ کیے ہیں۔ اگرچہ ہر سہ خواتین کے روحانی مرتبے، تقویٰ اور ان کے نمایاں مقام کے بارے میں کسی شخص کو بھی کوئی شک وشبہ نہیں تاہم گولڈ زیہر کے تصور معجزہ (کرامات) کے حوالے سے اس امر کی صراحت بہت ضروری ہے کہ اسلام بطور ایک نظام حیات، کسی بھی شخصیت کے لیے ''معجزے'' (کرامت) کو اس کے لیے متقی اور پرہیزگار ہونے کا قائل نہیں۔ قرآن کی نظر میں معجزات/کرامات کا ظہور ایک مرد یا عورت کے لیے کسی طور پر بھی متقی ہونے کے لیے ضروری نہیں۔ قرآن کی رو سے معجزات (نہ کہ کرامات) اللہ تعالیٰ کی جانب سے صرف انبیاء کرام ہی کو اپنی قوموں کو قائل کرنے کے لیے بطور نشانی دیئے جاتے رہے ہیں۔

مزید برآں صوفی ازم (صوفیت) کوئی ایسا دینی/مذہبی ادارہ یا عہدہ نہیں جو کسی بھی شخص کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا کیا جاتا ہو۔ تاہم کسی بھی شخص (مرد و عورت) کے دل میں کسی خیال کے القاء ہونے کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ کوئی حتمی بات ہے بالکل اس طرح جس طرح کہ وحی جو صرف پیغمبروں پر نازل کی جاتی ہے۔ قرآن کریم نے سورۂ جن (۷۲:۲۶۔۲۷) میں واضح کیا:

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿٢٦﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿٢٧﴾

''وہ عالم الغیب ہے، اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا، سوائے اس رسول کے

جسے اس نے (غیب کا علم دینے کے لیے) پسند کرلیا ہو، تو اس کے آگے اور پیچھے وہ محافظ لگا دیتا ہے۔''

اگرچہ بعض لوگوں کے نزدیک صوفی ازم ایک روحانی کیفیت کی انتہائی حالت سمجھی جاتی ہے تاہم اس قسم کی کسی کیفیت کو تصوف جس پر مختلف صوفیاء کے عمل کا دارومدار رہا ہے، سے کسی قسم کا کوئی تعلق اور واسطہ نہیں جو مختلف بزرگ شخصیات از قسم فضیلؒ بن ایاز، ابراہیم ادہمؒ اور معروفؒ کرخی کے ناموں کے ساتھ موسوم ہیں۔ ان سب حضرات کا تصور دین اور خوف خدا کا تعلق، عبادت کے طریقے وہی ہیں جن کا قرآن وسنت میں حکم دیا گیا ہے۔ ان کے نزدیک ایک خالص اسلامی زندگی کا وہی تصور عبادت ہے جو قرآن کی سورہ البینہ (۹۸: ۵) میں وارد ہوا ہے:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ

''اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی بندگی کریں، اپنے دین کو اس کے لیے خالص کر کے......''

تاہم اس کے علاوہ وہ تصورات جو یونانی اور زرتشت اور ویدک نظاموں سے اخذ کردہ ہیں اور کسی طریق پر اسلامی عبادات کے ساتھ نتھی کر دیئے گئے ہیں اور جن میں مختلف راہبانہ اور دیگر اعمال وافعال، مشرکانہ خیالات اور اوہامات جنہیں ''شریعہ، طریقت اور معرفت'' کی اصطلاحوں کے مزین ناموں سے سمجھا جاتا ہے اور جو نہ صرف کسی دینی حیثیت کے حامل نہیں بلکہ اکثر وبیشتر دینی تعلیمات کے مخالف نظریات وتصورات کے حامل ہوتے ہیں۔ ایسے تمام طور طریقے نہ صرف ناجائز ہیں بلکہ انہیں رد کر دینا چاہیے۔ (سید عبداللہ ۱۹۸۲ء، علامہ اقبال ۲۰۰۶ء، سید مودودی ۱۹۹۲ء)۔ سید عبداللہ نے وضاحت کی کہ علامہ اقبال بھی تصوف کے بارے میں انہیں خیالات کے حامل تھے۔

درج بالا گزارشات کی روشنی میں اب ہم خواتین اور ان کی روحانی واردات وکیفیات کے بارے میں چند گزارشات پیش کریں گے کیونکہ یہ موضوع مستشرقین اور ہمارے روشن

خیال پڑھے لکھے طبقے کے لیے بہت دلچسپی کا باعث ہے۔

عورت اور حصولِ روحانیت:

Arifa Farid (۲۰۰۶ء) نے اپنی کتاب کے متعدد ابواب (ہفتم، ہشتم اور نہم) میں متعدد مرتبہ عورتوں کی روحانیت کے موضوع پر گفتگو کی ہے۔ انہوں نے اس موضوع پر جس قدر تکرار سے لکھا ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کہ ان کی نظر میں چند دوسرے مہمات مسائل ایک ثانوی حیثیت کے حامل ہیں۔ تاہم (جیسا کہ ہم نے پہلے بھی اس جانب اشارہ کیا ہے) کہ مساوات مرد وزن کے حامی اور اسی قسم کی سوچ کے دیگر آزاد منش لوگوں کا یہ ایک خاص طریقہ ہے کہ وہ ایک موضوع پر اپنی گفتگو کو مرکوز نہیں رکھتے بلکہ مختلف موضوعات کو ایک دوسرے کے ساتھ مدغم کر دیتے ہیں۔ اس کی وجہ اگر یہ نہیں کہ وہ اس طرح ایک معاملے کو الجھا دینے کی کوشش کرتے ہیں تو پھر اسے ان کی فکری الجھنوں کا نام دیا جا سکتا ہے۔ تاہم ان کا یہ طریقہ کار کسی ایک معاملے کو بھی بیک وقت حل کرنے میں اکثر و بیشتر کامیاب نہیں ہوتا اور ایک قاری جب ایک معاملے کو سمجھنے کے لیے کوشاں ہوتا ہے تو اسے کسی دوسری الجھن کا سامنا کرنا پڑ جاتا ہے۔ مثال کے طور پر جب وہ عورتوں کی روحانی ترقی اور مقام کا ذکر کر رہی ہوتی ہیں تو معاً وہ مرد وزن کی برابری /مساوات اور شانہ بشانہ کام کرنے پر گفتگو شروع کر دیتی ہیں۔ مزید اس امر کی وضاحت کرنے لگ جاتی ہیں کہ ''قرآن اور پیغمبر اسلام نے عورت کو کبھی بھی کم تر قرار نہیں دیا جہاں تک ان کی روحانی ترقی اور مدارج کا تعلق ہے۔'' اس دلیل کو تقویت دینے کے لیے سورۃ البقرہ کی آیات (۲: ۲۲۸) کا حوالہ دیتی ہیں جبکہ یہ آیت ایک دوسرے ہی مسئلے (مسئلہ طلاق) کے لیے نازل ہوئی تھی۔ لیکن موصوفہ نے مختلف دلائل کے ذریعے اس آیت سے مساوات مرد وزن کے تصور کو ''کشید'' کرنے کی کوشش کی ہے۔ (درحقیقت اس جگہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ الفاظ کی بھول بھلیوں سے کام لے رہی ہیں) جس کا کوئی دور از کار تعلق بھی عورتیں کی روحانی کیفیت اور مقام سے نہیں ہوتا۔ اسی طرح سورۃ النساء کی آیت (۴: ۳۴) کا حوالہ دیتے ہوئے

انہوں نے ان ''مختلف الفاظ'' پر بحث شروع کر دی ہے جو اپنی کتاب کے باب نہم میں مفسرین کے ضمن میں انہوں نے کہے تھے۔ تاہم یہاں ہم موصوفہ کے اس مغالطے کی جانب اپنے قارئین کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں جہاں انہوں نے سید مودودی (۱۹۹۹ء الف) کے ترجمہ میں حکمران (Ruler) اور منتظم رنگران (Care Taker) جسے الفاظ منسوب کیے ہیں جبکہ ہم نے تفہیم القرآن (۱۹۹۹ء الف) کے ایڈیشن کے حوالے سے یہ لکھا ہے:

''مرد عورتوں پر قوام ہیں، اس بناء پر کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اور اس بنا پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔''

اس آیت کے وضاحتی نوٹ حاشیہ ۵۶ میں یوں تشریح کی ہے کہ:

''قوام یا قیم اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی فرد یا ادارے یا نظام کے معاملات کو درست حالت میں چلانے اور اس کی حفاظت و نگہبانی کرنے اور اس کی ضروریات مہیا کرنے کا ذمہ دار ہو۔''

''اسی طرح حاشیہ نمبر ۵۷ میں بتایا کہ فضیلت بمعنی شرف و کرامت اور عزت نہیں بلکہ منتظم کی حیثیت سے ان خصوصیات اور قوتوں کا ذکر ہے جو دوسری صنف (یعنی عورت) کو نہیں دیں یا اس سے کم دی ہیں۔ تاہم حاشیہ نمبر ۵۸ میں مزید صراحت فرمائی کہ عورت پر اپنے شوہر کی اطاعت سے اہم قدم اپنے خالق کی اطاعت ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شوہر خدا کی معصیت کا حکم دے تو اس کی اطاعت سے انکار کر دینا عورت کا فرض ہے۔''

روحانیت اور خواتین کے موضوع پر موصوفہ نے متعدد سوالات کئے از قسم ''روحانی ترقی کے کیا معنی ہیں؟'' عورت اور مرد کے لیے روحانی ترقی کے کیا لوازمات رمعنی ر مضمرات ہیں؟'' آیئے پہلے ہم ان کے دلائل کا مطالعہ کریں۔

☆ ان کے بقول اسلامی روایات میں روحانیت کے دو پہلو پیش نظر ہوتے ہیں۔ پہلا

پہلو ''اہل شریعہ'' (کٹر مذہبی نقطہ نظر) جو حضرت ابوبکرؓ سے نسبت رکھتا ہے جبکہ دوسرا پہلو ''اہل طریقہ'' ہے جس کے بانی حضرت علیؓ ہیں۔ ◆ اس دلیل کے بعد انہوں نے رابعہ بصری کے موضوع پر اپنی گفتگو کی تان توڑی جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اسلام میں صوفیائے کرام کے سلسلے میں بہت مشہور ومعروف ہیں اور جنہیں بہت سے صوفیاء نے ایک روحانی راہ نما بھی تسلیم کیا ہے۔

مسلمان صوفی خیالات کی حامل خواتین کے بارے میں موصوفہ کے خیالات کا تنقیدی جائزہ لینے سے قبل ضروری ہے کہ ہم رابعہ بصری کے حالات زندگی کا مطالعہ بھی کریں۔ وہ ۷۱۷ء (بمطابق ۹۵ تا ۹۹ھ) میں بصرہ میں پیدا ہوئیں۔ ان کی زندگی کے تفصیلی حالات کا تذکرہ ہمیں نیشاپور کے فریدالدین عطار کی کتاب ''تذکرۃ الاولیاء'' سے ملتا ہے۔ ان کے بقول رابعہ بصری کسی کی لونڈی/ باندی تھیں جنہیں ان کے آقا/ مالک نے ان کے روحانی تصرفات اور کمالات دیکھتے ہوئے، آزاد کر دیا تھا۔ تاہم ان کی دوسری سوانح عمریوں میں انہیں ایک آزاد خاتون کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ عارفہ فرید مزید لکھتی ہیں کہ ''یہ امر ملحوظ خاطر رہے کہ رابعہ بصری کا شمار ان چند نمایاں ترین صوفیائے اسلام میں ہوتا ہے اور متعدد صوفیائے کرام نے ان کا نام بہت عزت واحترام کے ساتھ اپنی کتب میں لیا ہے جیسے مشہور صوفی بزرگ شہاب الدین سہروردی نے اپنی کتاب ''عوارف المعارف'' اور امام غزالی نے اپنی کتاب ''احیائے علوم الدین'' میں ان کے روحانی کمالات کا ذکر بہت تعریفی الفاظ میں کیا ہے۔

موصوفہ نے صوفیاء کے بہشت/ جنت کے بارے میں ان خیالات کا اظہار کیا کہ ''جنت کسی ایسی جگہ کا نام نہیں جہاں جنسی جذبات کی تکمیل ہوتی ہو بلکہ اس کا صحیح تصور ذاتِ خداوندی سے ادغام/ اتصال (Communion) ہے یعنی ''روح کا ادغام/ اتصال نہ کہ

◆ نمعلوم یہ تصورات کہاں سے اخذ کیے گئے ہیں کہ اسلامی/ قرآنی تعلیمات میں تو ''طریقت'' نامی کوئی اصطلاح نہیں پائی جاتی؟

جسمانی اتصال وادغام۔ پس یہ ایک عاشق کی ملاقات اپنے معشوق (اللہ تعالیٰ) سے ہوگی بغیر کسی جنسی خیالات/ حالت کے۔'' موصوفہ نے اس خیال/عقیدے کو رابعہ بصری کے صوفیانہ ملاپ کا مظہر قرار دیا ہے۔ ایک ایسی حالت کا کہ جہاں وہ اپنے جسمانی لباس کے بارے میں ایک حالت (بے نیازی) میں نظر آتی ہیں۔ اس حالت میں انہیں کسی حجاب/ پردہ یا کسی فالتو اور زائد بیرونی کپڑے کا خیال تک نہیں ہوتا جو روایتی طور پر ایک مسلمان عورت کے لباس کا ایک جز ولاینفک ہوتا ہے۔ وہ ایسی حالت بے گانگی میں مردوں کے سامنے اپنے بوسیدہ، پھٹے پرانے لباس میں بھی آجاتی ہیں جو ایک مسلمان عورت کے کم سے کم لباس رستر کا حصہ ہونا چاہیے۔ لیکن اس تمام کے باوجود ان کا ادب واحترام کیا جاتا ہے بلکہ اس کی تعریف وتوصیف کی جاتی ہے ایسے تمام مرد وخواتین مریدین کی جانب سے جو ان کی اس حالتِ برہنگی کو نظر انداز کردیتے ہیں یہ گمان کرتے ہوئے کہ وہ اس دنیا کی ایک ''عام عورت نہیں'' بلکہ ایک ایسی خاتون ہیں جو انوار وتجلیاتِ الٰہی میں حالت استغراق سے دوچار ہے جس میں ایک خدا کا شیدائی (Devotee of God) دنیا کے حالات سے یکسر بے نیاز اور بیگانہ ہوتا ہے۔

اس سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے کہ رابعہ بصری کا غیر مردوں کے سامنے کسی ایسے لباس میں آنا کوئی ایسا عمل ہے جو تمام مسلمان خواتین کے لیے اختیار کیے جانے کے قابل بھی ہے یا نہیں۔ بمقابلہ اس اسوۂ حسنہ کے جو حضرت فاطمہؓ بنت رسول اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کا تھا جو ہمیشہ اور ہر وقت مناسب لباس کا استعمال فرماتی تھیں۔ مزید یہ کہ کیا ہر مسلمان عورت اس انداز کی عبادت کرنے کی اہل ہو بھی سکتی ہے جس میں حد درجے کا انہماک واستغراق پایا جاتا ہو کہ وہ دنیا سے یکسر بے نیاز ہو جائیں؟ یہاں ایک سوال ذہن میں آتا ہے کہ اس تمام واقعے کے ذکر خیر کا یہ کون سا موقع اور محل ہے کیونکہ گفتگو تو مرد وزن کی مساوات اور برابری کی ہورہی تھی اور وہ قرآن کریم سے اس کے جواز پر گفتگو فرما رہی تھیں۔ تاہم جیسا کہ ہم نے گزشتہ صفحات میں واضح بھی کیا کہ تصوف کو اسلامی تعلیم اور

قرآن سے کوئی دور کا بھی واسطہ اور تعلق نہیں۔ مزید یہ کہ قرآنی تعلیمات میں توحید خالص، رسالت اور آخرت کے تصورات کے ہوتے ہوئے کسی فرد کے لیے بھی یہ ہرگز ضروری نہیں کہ وہ کہ وہ اس قسم کے عقیدہ کو اختیار کرے۔ اس تصور کا اسلام کے ابتدائی دور سے لے کر خلافت راشدہ کے خاتمہ تک کہیں دور دور سراغ بھی نہیں ملتا۔ پس ایسی تمام کرامات (مستشرقین کے الفاظ میں معجزات) جو مختلف صوفیا سے منسوب کیے جاتے ہیں وہ سب ایسے واقعات ہیں جو نویں صدی ہجری کے بعد کے ہیں جن کا تذکرہ ہمیں کتابوں میں ملتا ہے۔ یہاں کیا ہم محترمہ کی توجہ مارگریٹ سمتھ (۱۹۲۸ء) کے اس بیان کی جانب مبذول کرا سکتے ہیں کہ ''**حسن بصری کی کہانیاں جو رابعہ بصری سے ملاقات یا ان کی تعریف میں کہی گئی ہیں، کسی طرح بھی مبنی بر حقائق نہیں کہ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ حسن بصری کا زمانہ رابعہ بصری سے بہت پہلے کا ہے۔**'' مزید براں ''یہ امر بھی بہت حیران کن ہے کہ رابعہ بصری کے بارے میں ہماری معلومات میں تسلسل نہیں اور وہ منقطع (Fragmented) نوعیت کی ہیں۔'' اگرچہ انہوں نے فریدالدین عطار کی جس کتاب کا حوالہ دیا ہے اس پہ لکھا کہ ''یہ سوانح عمری جو ۱۲۳۰ عیسوی میں فارسی زبان میں لکھی گئی تھی میں ایسے واقعات موجود ہیں جو طبقہ نسواں کے بارے میں ان شکوک وشبہات سے لبریز ہیں جو اس عہد میں عورتوں کے بارے میں پائے جاتے تھے۔''

عورتوں کی روحانی عظمت اور بڑائی کے حق میں دلائل کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے موصوفہ نے اپنے اس درج بالا موقف کو دہرایا کہ ''صوفیاء کی نظر میں جنت جنسی جذبات کی تسکین و حظ کا مقام نہیں بلکہ اس کے دراصل معنی و مدعا اللہ رب العزت کے وصل (Communion) کا ہے یعنی ایک ایسا وصل جو روحانی نوعیت کا ہے، نہ کہ جسمانی نوعیت کا۔ پس اس میں سفلی رصنفی رجنسی جذبات کو کوئی دخل حاصل نہیں ہوگا۔ دراصل اس حالت میں ایک عاشق اپنے معشوق حقیقی کو ایک غیر جنسی رسفلی جذبات (پاکیزہ جذبات محبت و عبودیت) کے ساتھ ملے گا۔'' ہم اپنے سابقہ موقف کے مطابق اس امر کو سمجھنے سے قاصر

ہیں کہ قرآن وحدیث کے کس حصے سے اس قسم کے خیالات کشید کیے گئے ہیں۔ وہ قرآن جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل فرمایا تھا اور جو آج تک پڑھا ر پڑھا یا جار ہا ہے، اس میں تو دور دور تک کسی ایسے خیالات کا نام ونشان نہیں ملتا۔

عارفہ فرید نے اپنی کتاب کے باب نہم میں جو کچھ لکھا ہے، اس پر چند سوالات ذہن میں ابھرتے ہیں۔ سب سے پہلے تو یہ کہ اہل شریعہ (کٹر مذہبی خیالات کے حامل) اور صوفی روایات جو اہل طریقت سے موسوم کی جاتی ہیں، کا مصدر و ماخذ کیا ہے؟ کیا قرآن وحدیث یا سیرت طیبہ ان کا ماخذ ہے؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ شریعت مطہرہ کے نہایت پابند، ہر دو اصحاب (حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ) کی جانب ان خیالات کو منسوب کرنے کا کیا کوئی حوالہ موجود ہے؟ــــ ہمیں یہ تسلیم کرنے میں کوئی باک نہیں کہ ہم عارفہ فرید کے اس موقف کو سمجھنے سے قاصر ہیں جس کے تحت وہ رابعہ بصری یا کسی بھی دوسری خاتون کی روحانی عظمت وتقدس کے موضوع پر کیوں مصر ہیں؟ آخر کار، کون شخص اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس فرمان کو تسلیم نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں جو مختلف اصناف پیدا فرمائی ہیں، ان کے ساتھ خالق برابر اور یکساں سلوک کریں گے صرف تقویٰ اور نیکی میں سبقت کی بناء پر نہ کہ کسی جنس، رنگ ونسل اور قبیلے کی بنیاد پر! سورۂ الحجرات آیت تیرہ میں ارشاد ہوا (۴۹:۱۳)

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ

”درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔“

درج بالا اس واضح تصریح کے بعد کیا ہمیں اب کسی بھی فرد کو رابعہ بصری یا کسی دوسرے فرد (مرد/عورت) کی روحانی عظمت اور تقدس کو تسلیم کرنے کے بارے میں اس قدر تاکیدی الفاظ کی ضرورت ہے؟ آخر کار اس تکرار کے پیچھے کیا مقصد اور مدعا کارفرما ہے؟ کیا ہم موجودہ دور میں یہ چاہتے ہیں کہ تمام خواتین رابعہ بصری کے نقش قدم پر چلتے ہوئے روحانی تقدس کے حصول کے لیے کوشاں ہوں؟ اس طرح جو انہوں نے رابعہ بصری

کے لباس کے بارے میں لکھا ہے۔ اگر وہ برا محسوس نہ فرمائیں تو کیا ہم انہیں ان کی وہ تحریر یاد دلا دیں کہ ''ازواج ؓ نبی کے گھروں میں انتظام و انصرام، موجودہ دور کی متمول خواتین کے معیار کے مطابق نہیں تھا۔''___ آخر اس دور کی خواتین کے لیے کیوں کر یہ ممکن ہے کہ وہ اپنی موجودہ حالت عیش و عشرت کو خیر باد کہہ کر رابعہ بصری جیسی زندگی بسر کر سکیں؟

یہاں ہم عارفہ فرید کے اس خیال پر بھی اپنی حیرت کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ''محمدؐ اپنی نوجوانی کے دور سے ہی غار حرا میں حالت تنہائی میں گزارتے تھے۔ وہ اس جگہ گھنٹوں ایک ایسی حالت استغراق اور محویت میں مصروف عبادت رہتے تاکہ وہ بہت ہی ''خاص ان لمحات کو حاصل کریں جس میں ایک عاشق اپنے محبوب کے وصل سے بہرہ یاب ہونا چاہتا ہے۔ اور عبارت و محویت کے ایک ایسے ہی لمحے کی یہ بات ہے کہ **آپؐ کی ان کوششوں کے نتیجے میں آپ پر وحی کا نزول ہوا اور جس میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو تمام جہانوں کی راہ نمائی کے لیے منتخب (Choose) کر لیا۔''** اور مزید یہ کہ پیغمبر اسلام نے اپنی اس عادت کے تحت اپنی زندگی کے آخری لمحات تک حالت تنہائی میں رہ کر عبادت الٰہی کو اپنا معمول بنا لیا۔''___ اے کاش ہم نے یہ تمام خیالات موصوفہ کی کتاب میں نہ پڑھے ہوتے تو ہم یہ فرض کر لیتے کہ یہ کسی ایسے فرد کی تحریر ہے جو اسلام کی بنیادی تعلیمات اور معلومات سے آگاہ نہیں۔ شاید یہ سطور لکھتے ہوئے، وہ درج ذیل امور پر غور نہیں کر سکیں کہ:

- ☆ اگرچہ محمدؐ بطور ایک نوجوان ان تمام تر رسم و رواج اور اخلاق باختہ احوال سے مطمئن نہ تھے جو اس وقت مکہ اور بلاد عرب میں پائے جاتے تھے اور اس حقیقت کے تحت کہ وہ اپنے آپ کو ان تمام خرابیوں سے بچانے کے لیے کوشش کرتے تھے اور غار حرا میں غور و فکر کی خاطر کئی دنوں تک جایا کرتے تھے لیکن اس ''حقیقت'' کا علم موصوفہ کو کیوں کر ہوا کہ **وہ قصداً کسی ایسے منصب کے خواہاں تھے۔** یاد رہے کہ بلاد عرب میں حضرت ابراہیم کے بعد ہزاروں سال گزرنے پر بھی کسی پیغمبر کے مبعوث

ہونے کا سراغ تاریخ سے نہیں ملتا اور نہ ہی ''تلاشِ پیغمبری'' کی کوئی روایت ملتی ہے۔ کفار و مشرکین کو بھی یہ بات نہیں سوجھی تھی ورنہ وہ آپؐ پر یہ اتہام ضرور لگاتے کہ آپ تو اس منصب کے متلاشی تھے۔ انہوں نے آپ پر جادوگری، سحر، شاعری وغیرہ کے الزامات تو ضرور لگائے لیکن یہ کبھی نہیں کہا کہ آپ کا غارِ حرا میں گھنٹوں ردنوں عبادت کرنے کا مقصد کسی **''منصب''** کی تلاش تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر ان کے لیے آپ کی نبوت کا انکار کرنے کی کیا وجہ تھی کہ انہوں نے نہ صرف مخالفت کی تمام تر حدوں کو پامال کر دیا بلکہ آپ کی جان لینے کے درپے بھی ہو گئے اور بالآخر اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ کو ہجرتِ مدینہ کرنی پڑی۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کفار و مشرکین نے نہ صرف آپ کی مخالفت کی بلکہ ان کا تو مطالبہ بھی تھا کہ نبوت کے لیے مکہ یا طائف کے کسی سردار کو کیوں نہ منتخب کیا گیا لیکن قرآن کریم نے واضح طور پر بتا دیا کہ نبوت کا منصب کسی بھی فرد کو اس لیے نہیں دیا جاتا کہ وہ حالت تنہائی میں عبارت کے ذریعے اسے حاصل کر سکے یا کسی علاقے کا متمول سردار ہو بلکہ خالصتاً یہ امر الٰہی ہے کہ وہ جسے چاہیں کسی کو اپنا پیغمبر اور رسول مقرر کر دیں۔ کسی کی کوئی کوشش ارادہ یا خواہش کو اس میں کسی قسم کا کوئی دخل نہیں۔

O___ آپؐ کے منصبِ رسالت کی خواہش/ارادے کی اس طرح بھی تردید ہوتی ہے کہ نزول وحی کے اولین تجربے سے آپ بہت پریشان اور فکر مند ہوئے اور اس حالت میں گھر آ کر اپنی زوجۂ محترمہ سے تمام واقعے کا ذکر کیا۔ یہ اور تمام تر تفصیلات سیرت رسولؐ کی کسی بھی کتاب سے بآسانی دیکھی جا سکتی ہیں جس کی روشنی میں موصوفہ کے درج بالا خیال کی تردید ہوتی ہے۔ قرآن کریم نے اس امر کی صراحت متعدد آیات میں بھی کر دی ہے کہ منصب رسالت پر فائز کرنا اللہ تعالیٰ کا خصوصی اختیار ہے سورۂ الانعام کی آیت: ۱۲۴ واضح کرتی کہ:

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ___ ''اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ اپنا

پیغمبری کا کام کس سے لے اور کس طرح لے۔''

موصوفہ کا یہ دعوی بھی تاریخی حقائق کے برعکس ہے کہ آپؐ منصب رسالت پر فائز ہونے کے بعد آخر عمر تک غارِ حرا میں تشریف لے جاتے رہے۔ مکی زندگی کا تیرہ سالہ دورِ نبوت جس حالت مظلومیت سے گزرا وہ بھی ہر شخص پر واضح ہے۔ اس تمام دور میں کارِ رسالت کی گرانبار ذمہ داریاں یہ موقع کہاں دیتی تھیں کہ غارِ حرا میں جایا جائے۔ ہجرت مدینہ کے بعد تو اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہاں سے آ کر غارِ حرا میں عبادت کی جائے (سوائے اس نماز/عبادت کے جو آپؐ رات کے وقت گھر میں کیا کرتے تھے) اور جس کے بارے میں موصوفہ نے بھی تصریح کی ہے۔ ہمارے لیے یہ امر باعث خوشی ہے کہ موصوفہ نے اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ صوفیاء کے طور طریقے مابعد الطبیعاتی عقائد کے مشرکانہ تصورات سے اخذ کیے گئے تھے جو اسلام کے موحدانہ تصور کے بالکل برعکس ہیں۔

اپنی کتاب میں اہل شریعہ اور اہل طریقہ کی دو اصطلاحات بھی موصوفہ نے استعمال کی ہیں جن کی نسبت بالترتیب حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کی جانب کی گئی ہے۔ اس خاندانی/نسبی تعلق کے پیش نظر جو ہر دو حضرات کو حضورؐ گرامی کی ذاتِ اقدس کے ساتھ تھا، کیا اس بات کا تصور بھی کیا جاسکتا ہے کہ ان حضرات نے اپنے ان خیالات/تصورات/عقائد کے بارے میں رسول خدا کو لاعلم رکھا ہوگا؟ یہ کیونکر ممکن ہے کہ انہوں نے توحید کی ٹھیٹ تعلیمات کے باوجود شریعت اور طریقت کے بانی ہونے کا کوئی منصب اپنے لیے مخصوص کیا ہو یا کسی نے انہیں اس منصب پر فائز کیا ہو درآنحالیکہ رسول خدا حیات تھے؟ تاہم جب ہم اس امر پر غور کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ فتنہ ابن سبا نامی ایک شخص کا پھیلایا ہوا ہے جو دراصل یہودی تھا لیکن مسلمانوں کے بھیس میں اسلامی تعلیمات کو مسخ کرنے میں مصروفِ عمل رہا۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ اس شخص نے مناقب علیؓ کے تحت سینکڑوں احادیث گھڑ کر کوفہ اور شام (نئی قائم کردہ چھاؤنیوں میں) نومسلم سپاہیوں میں پھیلا دی تھیں۔ تاریخ سے یہ بھی یہ چلتا ہے کہ ان دور دراز علاقوں میں اسلامی تعلیمات کا ایسا انتظام

نہ ہوسکا تھا جو مدینہ منورہ میں رسولِ خدا کی حیات میں تھا لیکن خلافت عمرؓ کے دور میں فتوحات ہوئیں اور حضرت عثمانؓ کے دور میں ابن سبا کو بہت زیادہ موقع ملا کہ وہ نومسلم سپاہیوں میں اس فتنے کو ہوا دے جبکہ حضرت عمرؓ نے گورنروں کو اس شخص کے فتنے سے آگاہ رہنے کی ہدایت کی تھی۔ حتیٰ کہ حضرت علیؓ نے اس شخص کو تنبیہ بھی کی تاہم جب وہ اس فتنے سے باز نہ آیا تو اسے بلند عمارت سے گرا کر مار دیا۔ (تفصیلات کے لیے دیکھئے محمد آفتاب خان اور عبدالحکیم اکبری ۲۰۱۲)

عارفہ فرید نے اپنی کتاب میں مختلف خواتین، جن کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے کہ بارے میں لکھتے ہوئے حضرت مریم، فرعون کی بیوی اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کا ذکر کیا ہے۔ تاہم حضرت رابعہ بصری کو ایک نہایت متقی خاتون (Saint) کے طور پر نمایاں کیا ہے۔ حضرت رابعہ بصری کے مقام و مرتبہ کے تمام تر احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم اس تقابلی جائزے سے اتفاق نہیں کر سکتے اس دلیل کی بناء پر کہ کسی بھی فرد کی کرامات کو ان خواتین کے مقابل نہیں لایا جا سکتا جن کی تعریف خود قرآن کریم میں آئی ہے ___ نیز ہم رابعہ بصری کے لباس کے بارے میں بھی ان خیالات / اعمال کی تائید و حمایت نہیں کر سکتے جس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں درج کی گئی کہ وہ اس معاملے میں کس قدر بیگانہ تھیں۔ جہاں تک روحانی بلندی اور مقام کا تعلق ہے تو اس کا حصول صرف اور صرف قرآن و حدیث کی تعلیمات پر عمل کرنے کے نتیجے میں ہی ممکن ہے۔ اور کسی بھی ایسے طریقے کے مطابق نہ ہو جسے شریعت کا عمل نہیں کہا جا سکتا، نیز اسلامی تعلیمات میں کسی بھی فرد کے لیے نفلی عبادات، صدقات و خیرات اور دیگر سوشل خدمات کے ذریعے رضائے الٰہی کے حصول کی ممانعت نہیں۔ کیا ہمارے اس دور کی متمول خواتین کو گاؤں / دیہاتوں بلکہ اب تو اسلام آباد، کراچی / لاہور جیسے بڑے بڑے شہروں میں واقع ان جھگیوں میں رہنے والے لاکھوں بچوں / عورتوں اور بوڑھوں کو نہایت کسمپرسی کے عالم میں گندگی کے ڈھیروں، صاف پانی کے نہ ملنے اور بھوک و ننگ سے دوچار لوگوں کا علم نہیں؟۔ کیا ہزاروں / لاکھوں نوجوان

لڑکیوں کا اپنے ماں باپ کے گھروں میں بغیر شادی کے رہنے کا علم نہیں؟ کیا طلاق کی بڑھتی ہوئی شرح سے مسلم خاندانی نظام کے ٹوٹنے کا انہیں علم نہیں؟ کیا ان تمام تر لوگوں کی خدمت کے ذریعے روحانی تقدس کے مقام کو حاصل کرنا ممکن نہیں؟

تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو
کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں!

خواتین کے روحانی مقام و مرتبہ کے بارے میں موصوفہ کو جس قدر خیال ہے، اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے یہ سوال بھی اٹھایا کہ کیا اسلامی تاریخ میں کسی صوفی خاتون کے نام سے کوئی صوفیانہ نظام بھی موجود ہے؟ جبکہ کسی ایسے ادارے کی اسلامی تعلیمات میں قطعاً کسی قسم کی کوئی گنجائش اور ضرورت نہیں رسول آخریں کے بعد!

تاہم ہم حیران ہیں کہ ہم نے باب ہشتم میں ماضی بعید میں سینکڑوں خواتین کا تذکرہ کیا ہے جن کی علمی قابلیت، لیاقت، دینی معلومات اور اخلاق و روحانیت سے انہیں آگہی نہیں ہوئی؟ پھر ماضی قریب بلکہ حال ہی میں ان سینکڑوں رہزاروں عورتوں کی بے لوث قربانیوں میں جو انہوں نے پاکستان کی مقدس سرزمین کے حصول کے لیے کیں، انہیں کوئی روحانیت اور تقدس وعزت کا سراغ نہیں ملتا؟

بی اماں کا وہ نعرہ ان کی نظروں سے کیوں کر اوجھل ہو گیا جو خلافت اسلامیہ کے تاراج ہونے پر انہوں نے لگایا تھا؟ ___ کیا یہ ان کی روحانیت کا ایک منہ بولتا ثبوت نہیں؟ اسی طرف مولانا حسرت موہانی کی اہلیہ محترمہ کی زندگی میں کیا کسی روحانیت کا کوئی پتہ نہیں چلتا جو انہوں نے اپنے خاوند کے قید و بند کی صورت میں آزادی وطن کے لیے کی تھیں؟ کیا محترمہ فاطمہ جناح نے جس جرأت و استقلال کے ساتھ ایوب خان کو انتخاب میں چیلنج کیا تھا، اس میں کسی روحانیت کو دخل حاصل نہیں؟ ___ پھر دور کیوں جایئے حالیہ سالوں دو مغربی خواتین لورین بوتھ اور ریڈلے کے قبول اسلام کے واقعات میں کسی کو روحانیت کا پہلو نظر نہیں آتا؟

اس کتاب کے دسویں باب میں ہم نے ''عورت اور اقبال'' میں حضرت فاطمہؓ کے کردار پر نہایت تفصیل سے گفتگو کی ہے، ہمیں معاف فرمایا جائے کہ کیا وہ کردار آج کی خواتین کے لیے زندگی میں کوئی راہ نمائی فراہم نہیں کرتا؟ ایک گھریلو عورت ہونے کے ناطے انہوں نے اپنی تمام تر توانائیاں اور عقل وفہم اپنے خاوند اور بچوں کی خدمت اور پرورش ونگہداشت میں صرف کر دیں کہ اقبال نے کہا:

نوری او ہم آتشی فرمانبرش
گم رضائے در رضائے شوہرش!

اور

مزرع تسلیم را حاصل بتولؓ
مادراں را اسوہَ کامل بتولؓ

باب دہم:

اقبالؒ اور مسئلہ خواتین

مغرب میں مساوات مرد وزن کی حامی اہل علم خواتین نے یہودی اور عیسائی مذہبی راہ نما مردوں کی برتری کے متعلق مذہبی لٹریچر میں موجود مواد پر تنقید کی ہے، Arifa Farid (۲۰۰٦ء) نے بھی یہی شکایت مسلم اہل علم کے بارے میں بدیں الفاظ کی ہے:

''کہ مختلف ممالک اور ادوار میں بیشتر کٹر مرد اہل علم بھی دل کی گہرائیوں سے خواتین کے اس مقام و مرتبہ کے بارے شک وشبہ کا شکار نظر آتے ہیں جو قرآن اور حدیث کی رو سے اسلام نے انہیں دیئے ہیں۔ وہ اپنی تقاریر اور تحریروں میں دوغلا پن (Committing Double Thing) کے ذریعے مساوات مرد وزن کا اقرار کرتے ہیں لیکن سنجیدگی کے ساتھ وہ اپنے دعویٰ کی تان بلند آہنگ کئے بغیر خواتین کے لیے تحقیر آمیز الفاظ استعمال کرتے ہیں۔'' ___ تاہم وہ مختلف مصری اہل قلم (قاسم امین) اور حالیہ دور میں فتحی عثمان اور مہر ہتاوت کے لیے نہایت تعریفی انداز میں ذکر کرتی ہیں کہ یہ لوگ مختلف اسلامی ممالک کی خواتین کے طرز بود و باش کے بارے میں۔ ''بہت ''وسیع القلب'' نظر'' آتے ہیں لیکن ہندوستان و پاکستان میں اول تو خواتین کو کسی مرتبہ و مقام کے لحاظ سے بالکل ہی نظر انداز کر دیا گیا ہے یا پھر قدامت پسند علماء ہیں جنہوں نے اس مسئلے کو اپنی قدیم روایات کی روشنی ہی میں دیکھا ہے حتیٰ کہ چند جدید خیالات کے حامل (Moderinists) لوگ از قسم علامہ اقبال جو جدید خیالات کے حامل فلسفی شاعر ہیں، نے بھی خواتین کو بہتر مقام دینے کے بارے میں'' کچھ زیادہ نہیں کہا (Did not say much)'' بلکہ بہت ہی سرسری انداز (Casually) میں چند نظموں میں خواتین کی آزادی کے لیے اپنی نیم دلانہ

خواہش کا (Vague Desire) صرف اظہار کیا ہے کہ آزادیٔ نسواں سے ان کا واضح طور پر کیا مطلب ہے۔'' بلکہ اس کے ساتھ ہی اس پریشانی کا اظہار بھی کر دیا ہے کہ مغربی تہذیب کی چمک دمک مسلمان عورت کے لیے نقصان دہ بھی ہو سکتی ہے۔''___ اسی طرح کے خیالات کا اظہار مختلف جدید اہل علم نے بھی کیا ہے۔ اول تو وہ اس سوال سے نظریں چراتے ہیں لیکن اگر وہ اس موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے بھی ہیں تو ان کی فکر اور سوچ بہت حد تک مبہم ہوتی ہے''___ اس جگہ ہم اپنے اس دلی دکھ کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ہمیں موصوفہ سے اس قسم کے الفاظ اور لہجہ بالخصوص علامہ اقبال کے بارے میں اختیار کرنے کی توقع نہیں تھی!___ ''تاہم اس دور کی اولین علمی شخصیات میں سرسید احمد خان کو اولیت حاصل ہے کہ بقول موصوفہ انہوں نے اس خطے کی مسلمان خواتین کے لیے حصول تعلیم کے لیے آواز بلند کی۔ اور انہوں نے آزادیٔ نسواں کے لیے متعدد مضامین بھی لکھے۔''

درج بالا سطور میں، موصوفہ نے قدیم خیالات کے حامل اہل علم اور علامہ اقبال کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ نہ صرف بلا جواز ہے بلکہ ان کی قلتِ معلومات اور فہم کی کمی کا بھی غماز ہے۔ گزشتہ صدی میں مرد اور خواتین کی ایک بہت بڑی تعداد ایسے اہل علم و فضل پر مشتمل ہے جنہوں نے عورت کے مرتبہ و مقام کے بارے میں بہت تفصیلات کے ساتھ قلم اٹھایا ہے۔ انہوں نے نہ صرف اپنے خیالات کا اظہار کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں برتی بلکہ بآواز بلند (Loudly) اپنے خیالات پیش کیے ہیں اور کسی بھی دیانت دار اور پڑھے لکھے شخص کو قائل کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔

موصوفہ نے خود بھی سید مودودیؒ کی کتاب (۱۹۹۸ء) کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر اسرار احمد کے ایک کتابچے (۱۹۹۹ء) کو زیر بحث لائی ہیں۔ اس کے علاوہ مولانا امین احسن اصلاحی نے بھی اوائل ۱۹۵۰ء میں ایک کتاب شائع کی تھی۔ ذیل میں ہم چند ایسی کتب کا حوالہ درج کر رہے ہیں جو گزشتہ پانچ سات دہائیوں میں عورت کے مرتبہ و مقام کے

بارے میں شائع ہوئی ہیں۔

۱۔سید ابوالاعلیٰ مودودی	پردہ
۲۔سید ابوالاعلیٰ مودودی	اسلام میں ضبط ولادت
۳۔سید ابوالاعلیٰ مودودی	حقوق الزوجین
۴۔مولانا جلال الدین عمری	عورت اسلامی معاشرے میں
۵۔جلال الدین بداوی	اسلام میں حیثیت نسواں (عربی/ترجمہ اردو)
۶۔مظہرالدین صدیقی	اسلام میں عورت کا مقام ومرتبہ
۷۔M.Sharif Ch.	Woman's Rights in Islam
۸۔ثریا بتول (پروفیسر)	جدید تحریک نسواں
۹۔انیس احمد (پروفیسر)	Woman and social justic: an Islamic paradigm
۱۰۔نعیم صدیقی	عورت معرضِ کشمکش میں
۱۱۔محمد طاہر منصوری (پروفیسر)	Family Law in Islam
۱۲۔(Dr)Asma Aftab	Gender Politics: Flsifying Reality
۱۳۔Sadia Aftab	Pakistani Woman in the Aspirations of Iqbal
۱۴۔ریاض اختر	عورت کہانی
۱۵۔ریاض اختر	النساء فی القرآن
۱۶۔عبدالحلیم ابوشقہ	آزادیٔ نسواں، عہد رسالت میں عربی سے اردو ترجمہ
۱۷۔Maryam jamila	At home in Pakistan
۱۸۔Yonne Riddlay	In the House of Tabliban; Her extraordinary story.

۱۹۔ Asma Aftab	Feninism: A Literary Persective.
۲۰۔ Hammad-abd-al-Ati	The Family Structure in Islam
۲۱۔ سمیعہ سالم	جدیدیت کی لہر اور اس کے مضمرات

یہ وہ چند کتب ہیں، علاوہ ان کے جو حوالہ جات کے باب میں درج ہیں، جو اسلام میں عورت کے مقام و مرتبہ اور دیگر متعلقہ پہلوؤں پر نہایت مستند معلومات پیش کرتی ہیں لیکن شاید اسلام کی مستند تعلیمات کو چند لوگ ''قدیم اور روایت پسند'' کہہ کر نظریں چرا لیتے ہیں۔ لیکن اس قسم کے تمام مرد و زن اہل علم کا ایسی کتب سے صرف نظر کرنا، تحقیق و تصنیف کے اہم کام کے بارے میں ان کے معروضی طرز عمل کی از خود تردید اور نفی کرتا ہے۔

ذیل کی سطور میں، ہم درج بالا کتب کو ایک جانب رکھتے ہوئے، صرف علامہ اقبالؒ کے خیالات و نظریات کا جائزہ لیں گے۔ اگرچہ علامہ اقبالؒ نے عورت کے موضوع پر جس قدر خیال افروز خیالات کا جس فراوانی کے ساتھ کلام (اردو/فارسی) نیز دیگر تقاریر اور کتب میں کیا ہے، اس تمام کا احاطہ اس باب میں کرنا ممکن نہیں۔ اس کے لیے تو چند کتب کی ضرورت ہے۔

اقبالؒ اور مسئلہ اختلافِ صنف:

اقبال کے کلام میں عورت و مرد کے مسئلے کے بارے میں عارفہ فرید (۲۰۰۶ء) کے خیالات ہم اس سے پہلے لکھ چکے ہیں کہ ''اقبال نے خواتین کے مقام و مرتبہ کو واضح کرنے میں کچھ بہت زیادہ خدمت سرانجام نہیں دی بلکہ سرسری طور پر (Casually Hinting) چند نظموں/شاعری میں یوں اظہار خیال کہ ان کے اس موضوع کے ساتھ قلبی تعلق کا اندازہ نہیں ہوتا۔''

ہم یہاں اپنے اس ذہنی تاثر کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ حالیہ زمانے میں کسی بھی

فرد کا اقبال کی شاعری میں خواتین کے بارے میں اس قدر سرسری اور عامیانہ تبصرہ کرنا، اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ان کے بارے میں یہ یقین کر لیا جائے کہ انہوں نے اقبال کے صرف اردو کلام کا ہی مطالعہ نہیں کیا، کجا یہ کہ فارسی کلام (جس میں اقبال نے اپنے تمام تر قلبی، جذباتی و روحانی واردات کا اظہار کیا ہے) کا بھی بنظر غائر مطالعہ کیا ہوگا۔ نیز اپنی دیگر کتب اردو/انگریزی میں بھی اقبال نے طبقہ نسواں کے بارے میں ان خیالات و نظریات کا تنقیدی جائزہ لیا ہے جو عالمی پیمانے پر ایک طویل عرصے سے نہ صرف مستشرقین نے اٹھائے تھے بلکہ زمانہ حال میں بھی ان کی بازگشت مغربی ممالک کے اہل علم بلکہ مسلم ممالک کے سوچنے سمجھنے والے لوگوں کی جانب سے بھی سنائی دیتی رہی ہے!____ ایسا ہی ایک موضوع، طبقہ نسواں کا مقام و مرتبہ کا ہے کیونکہ ایسا ممکن ہی نہیں کہ ماضی بعید اور زمانہ حال میں طبقہ اناث کی کم تر حیثیت کے مسئلے کو اقبال نے نظر انداز کیا ہو۔ ہمارے لیے یہ ممکن نہیں کہ ہم اس موضوع پر اقبال کی تمام تر تعلیمات و نظریات کا ایک مبسوط جائزہ پیش کریں جو متعدد نظموں اور سینکڑوں اشعار کی صورت میں ان کی مختلف کتب میں پایا جاتا ہے تاہم اس مسئلے کے چند پہلوؤں پر گفتگو کریں گے۔

جہاں تک مساوات مرد و زن کے مغربی اہل علم کا تعلق ہے تو اس حقیقت کو تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ انہوں نے بہت حد تک مغربی عورت کے علمی مسائل و مصائب کا ادراک کیا لیکن وہ انہیں حل کرنے کی صحیح تجاویز پیش نہ کر سکے کیونکہ وہ صحیح الہامی ہدایات سے خود بھی تہی دست تھے۔ اگرچہ اپنی اس تاریخی تگ و دو کے مختلف مواقع پر، ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے چند بہتر فیصلے کیے تاکہ اپنے مقاصد کو حاصل کر سکیں۔ لیکن جہاں تک ان پاکستانی اہل علم کا تعلق ہے جنہوں نے مساوات مرد و زن کا جھنڈا بلند کیا ہوا ہے تو وہ سب آزادئ نسواں اور مساوات کا ایک بہت ہی محدود اور مختصر مفہوم اپنے ذہنوں میں رکھتے ہیں۔ ان کی تمام تر گفتگوؤں اور تحریری نگارشات میں ایک شخص کو ان مسائل و مصائب نیز ان کے حل کے لیے کسی ایسے لائحہ عمل کی نشان دہی کا دور دور تک پتہ بھی نہیں چلتا جس کے ذریعے وہ طبقہ

نسواں کی اس حالت زار میں کوئی تبدیلی لانے کی خواہاں ہوں اور جو اسلام نے عورتوں کی بہتری کے لیے چودہ سو سال قبل عطا کیے تھے۔ انھوں نے اس غریب اور مفلوک الحال طبقے (خواتین/ بچے/ بوڑھے) کے مسائل کے بارے میں کبھی بھی کوئی آواز بلند نہیں کی جو نہایت کسمپرسی کی حالت میں گاؤں اور قصبوں میں زندگی گزار رہے ہیں۔ ایسی تمام خواتین سے نہایت ادب واحترام کے ساتھ ہم یہ کہنا چاہیں گے کہ کیا یہ ایک حقیقت نہیں کہ ان میں سے کسی ایک نے اس ناگفتہ بہ صورت حال کو ذاتی طور پر دیکھا بھی ہو جو خوراک کی کمی کی وجہ سے صحت کی خرابی، پینے کے لیے صاف اور پاک پانی کی عدم فراہمی اور نہایت غلیظ و گندگی کے ماحول میں رہنے پر نہ صرف ایسی کچی بستیوں/ علاقوں میں مجبور ہیں بلکہ لاہور، کراچی اور اسلام آباد کے نواح میں بھی ان کے لئے ایسی سہولتوں کا فقدان ہے۔ اس قسم کے لوگ بڑے زمیندار، خوانین، چوہدریوں، سرداروں اور قبائلی عمائدین نیز نام نہاد مذہبی لیڈروں اور سیاست دانوں کے ہاتھوں ایک بہت ہی خراب حالت میں زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ لیکن اپنی اس تمام کوتاہی اور بے نیازی کے برعکس جدید طبقے کے یہ تمام لوگ، غریب اور پسماندہ طبقے کی اس حالتِ زار کو مذہب (اسلام) کی تعلیمات کا نتیجہ بتانے سے گریز بھی نہیں کرتے۔ انہوں نے کبھی بھی اس طبقے کی حالت کو بدلنے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی تاکہ ان کے اس بوجھ کا مداوا کیا جاسکے۔ جس میں وہ مجبوری کی حالت میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ایسے حالات میں اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ ان لوگوں کی خراب وخستہ حالات کو بدلنے اور انہیں ایک باعزت مقام اور صاف ستھرا ماحول فراہم کرنے کی عملاً کوششیں کی جائیں تاکہ وہ بھی وطن عزیز کے ایک باعزت شہری کی حیثیت سے اپنے فرائض اور ذمہ داریاں ادا کرسکیں لیکن یہاں تو اس دور میں ہر شخص کو اپنے علاوہ کسی دوسرے کی طرف دیکھنے کی مہلت بھی نہیں کجا کہ کسی دوسرے کے لیے وقت، مال اور اپنی آسائش کو تج کرتے ہوئے ایسی کوششوں کا ڈول ڈال سکیں جو طبقہ نسواں کی حالت زار کو بہتر کرسکے:

متاعِ دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی
یہ کس کافر ادا کا غمزۂ خون ریز ہے ساقی!

قبل ازیں کہ ہم، علامہ اقبال نے طبقہ نسواں کے مقام و مرتبہ اور دیگر متعدد پہلوؤں کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے، یہ ضروری محسوس ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ دوبارہ ان تاریخی واقعات و عوامل کو ذہن میں تازہ کر لیں جن کی وجہ سے مغرب میں خواتین کو ایک محارب کی حیثیت سے مردوں کے مقابلے میں آنا پڑا۔ اگرچہ اس بارے میں ہم کسی حد تک اس کتاب کے باب اول اور ضمیمہ ش میں گفتگو کر چکے ہیں۔

تاریخ عالم میں طبقہ نسواں، ایک مختصر جائزہ:

تاریخ انسانیت میں عورت کے مرتبہ و مقام کے بارے میں دو مخالف و متحارب نکتہ ہائے نظر کام کرتے نظر آتے ہیں۔ یہودیت میں عورت کو بہت کم تر سمجھا جاتا تھا۔ ایک یہودی کسی بھی خاتون سے (چاہے وہ اس کی بیوی یا بہن / بیٹی ہو) بیرون گھر بات تک کرنے کا روادار نہ ہوتا تھا۔ لیکن عیسائیت کی صحیح تعلیمات میں عورت کو ایک بلند مقام اور باعزت حیثیت کا حامل گردانا جاتا تھا۔(Simpson, G. Marr 1936)۔ تاہم جب عیسیٰ علیہ السلام نے ایک عورت کے زنا کے مقدمے کا فیصلہ یہودی مذہبی لوگوں کی رائے سے مختلف دیا تو یہودیوں نے نہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مخالفت شروع کر دی بلکہ طبقہ نسواں کو بھی اہانت اور خرابی کا موردِ الزام ٹھہرا دیا۔ اس ضمن میں سینٹ پال اور دیگر عیسائی لیڈروں نے طبقۂ اناث کے بارے میں کہا اور لکھا، اس کے بارے میں تفصیلاً گفتگو گذشتہ صفحات میں کی جا چکی ہے۔

جدید تہذیب میں عورت کو نہ صرف ایک پلے گرل (Play Girl / Play Boy) (یورپ اور امریکہ میں ایک رسالے کا نام جس میں عورتوں کے ساتھ جنسی تعلقات کی رنگین تصاویر شائع ہوتی ہیں اور جو لاکھوں کی تعداد میں ہر ماہ شائع ہوتا ہے) کے طور پر جنسی تسکین کے حصول کا ذریعہ بنا لیا گیا ہے بلکہ وہاں کی عریاں نگار انڈسٹری (Pornographic

(Industry) نے کتب، رسائل، ٹی وی، انٹرنیٹ کے ذریعے عورت کو ایک ایسی ذلیل اور پست صورت حال سے دوچار کر دیا ہے کہ وہ چار پیسوں کے لیے اپنے جسم و جان کی عریاں ترین حالتوں میں نمائش کرنے پر ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں مجبور ہو کر رہ گئی ہے۔ عورت کو اس قدر ذلت اور پستی کا سامنا تاریخ انسانیت میں کبھی بھی نہیں کرنا پڑا تھا کہ نہ صرف اسے مردوں کی جنسی ہوس کا ایک آسان اور قابل قبول ذریعہ بننا پڑا بلکہ اسے مختلف اشیاء کی خرید فروخت کے لیے بطور اشتہار بھی استعمال کیا جانے لگا۔ یہ انڈسٹری اب نہ صرف مغرب بلکہ دیگر مسلم ممالک میں بھی اربوں ڈالر کی صنعت کا روپ دھار چکی ہے۔ (Khan, MA 2104)

اگر چہ جدید تہذیب نے طبقہ نسواں کی آزادی اور عزت نفس کا بلند بانگ دعویٰ کیا ہے تاہم درحقیقت وہ اپنے ان تمام تر مقاصد میں بہت بری طرح سے ناکام ہو چکی ہے۔ اس طرح عورت کو میڈیا کے ذریعے اس قدر زیادہ ذلیل و خوار کر دیا گیا ہے جس کی کوئی مثال تاریخ انسانیت میں ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتی۔ اور ہماری محدود معلومات کی حد تک آج تک مغرب و مشرق میں کسی بھی فرد یا تنظیم کی جانب سے اس کے خلاف کوئی صدائے احتجاج بلند نہیں ہوئی۔ کیا یہ سمجھا جائے کہ ایسا کرنا ان کے مقاصد میں شامل ہے اور وہ ہر مسلمان عورت کو بھی اس کا نشانہ بنانا چاہتے ہیں؟

عورت اور مرد کی قوامیت، اقبال کی نظر میں:

اگر چہ اقبال عورت و مرد کے درمیان **بحیثیت ایک انسان مساوات** کے قائل ہیں تاہم **اختلاف صنف جنس کی بنیاد پر مساوات کے قائل نہیں**۔ اس امر سے تو کوئی ایک فرد بھی انکار نہیں کر سکتا کہ مرد اور عورت بحیثیت انسان برابر ہیں اور دونوں کے باہمی ملاپ (بذریعہ نکاح/شادی) سے نسل انسانی میں اضافہ ہوتا ہے۔ دونوں کو معاشرے کی تشکیل کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے کہ اس طرح تہذیب و تمدن کو فروغ ہوتا ہے تاکہ اس سے انسانیت بہرہ مند ہو سکے۔ تاہم اس لحاظ سے مساوات کہ وہ دونوں دنیا میں ایک جیسے امور

سرانجام دیں اور یہ کہ وہ دونوں کاندھے سے کاندھا ملا کر تمام دنیاوی معاملات میں مساوی اور یکساں ذمہ داریاں بیرون خانہ/گھر سنبھالیں حتیٰ کہ سڑکوں پر ٹریفک بھی کنٹرول کریں، اس تصور کی اقبال نے مخالفت کی ہے۔ وہ مرد کو ایک قوام سمجھتے ہیں اور اپنے اس استدلال کا جواز سورۃ النساء (۴: ۳۴) کی اس آیت سے اخذ کرتے ہیں۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ

''مرد عورتوں پر قوام ہیں، اس بنا پر کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس بنا پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔''

علامہ اقبالؒ نے ضرب کلیم میں ''عورت'' کے موضوع پر خصوصی طور پر بہت تفصیل کے ساتھ گفتگو کی ہے۔ اس عنوان کے تحت نو ضمنی موضوعات از قسم ''مرد فرنگ، ایک سوال، پردہ، خلوت، عورت، آزادی نسواں، عورت کی حفاظت، عورت اور تعلیم، اور عورت'' کے بارے میں اشعار کہے ہیں۔ نمعلوم ہمارے پڑھے لکھے طبقے کی نظروں سے یہ تمام موضوعات کیوں کر اوجھل رہ گئے (یا انہیں جان بوجھ کر نظر انداز کیا جاتا ہے)۔ ذیل میں ہم ان موضوعات کو زیر بحث لائیں گے جو عورت کی حفاظت کے تحت اقبالؒ نے کہے:

اک زندہ حقیقت مرے سینے میں ہے مستور
کیا سمجھے گا وہ جس کی رگوں میں ہے لہو سرد
نے پردہ، نہ تعلیم، نئی ہو کہ پرانی
نسوانیت زن کا نگہباں ہے فقط مرد
جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا
اس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد!

ان اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ علامہ اقبال مرد کی قوامیت کے قائل ہیں کہ دونوں اصناف میں دراصل یہی فرق ہے!۔ اپنی ایک تقریر جو انہوں نے ۱۹۲۹ء میں کی تھی، میں

بھی قوام کے یہی معنی یعنی ''نگہبان'' بیان کیے ہیں۔ تاہم اس کا ہرگز یہ مفہوم نہیں کہ مردوں کو عورتوں پر فوقیت یا بڑائی حاصل ہے عزت وشرف اور اعلیٰ ہونے میں۔ علامہ اس امر کے مزید قائل ہیں کہ تہذیب وتمدن کے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ مرد کو خاندان کا سربراہ تسلیم کیا جائے بہ سبب جسمانی قوتوں کے اور عورت کو اس کے رفیق کار رساتھی کی حیثیت سے اس کی اپنی حفاظت، اس کی جسمانی ساخت اور فطری نزاکت کے پیش نظر کہ یہ صفات عورت کی نسوانیت کے وہ اعلیٰ ترین مظاہر ہیں جنہیں کسی صورت بھی اس کی کمزوری پر محمول نہیں کرنا چاہیے۔

جیسا کہ درج بالا سطور میں واضح کیا گیا کہ علامہ اقبالؒ نے اس مغربی تصور آزادی کی نفی کی ہے جس کے تحت عورت پر گھر سے باہر نکل کر روزی کمانے کی ذمہ داری کا بوجھ بھی ڈال دیا گیا ہے بشمول گھریلو ذمہ داریوں اور بچوں کی پرورش ونگہداشت جیسے مشقت طلب کاموں کے۔ اس کی وجہ سے مغرب میں خاندانی نظام تلپٹ ہو کر رہ گیا ہے جس کا بدیہی نتیجہ اس جنسی انارکی اور خاندانی انحطاط کی شکل میں رونما ہوا ہے جس سے مغرب آج دوچار ہے۔ یورپ میں نکاح رشادی کے ادارے کا روبہ تنزل ہونا (غیر شادی شدہ ماؤں کا وجود)، ناجائز بچوں کی ولادت کا بڑھتا ہوا رجحان اور طلاقوں میں اضافہ کی شرح اور ایڈز کی وبا، دراصل یہ وہ چند کڑوے اور کسیلے پھل ہیں جو مغرب میں اختلاطِ مرد وزن کا شاخسانہ ہیں۔

ضرب کلیم کے یہ چند اشعار جو آزادی نسواں، نامی نظم کے تحت کیے گئے ہیں، دیکھیے کس جانب اشارہ کر رہے ہیں۔

اس بحث کا کچھ فیصلہ میں کر نہیں سکتا
گو خوب سمجھتا ہوں کہ یہ زہر ہے وہ قند
کیا فائدہ کچھ کہہ کے بنوں اور بھی معتوب
پہلے ہی خفا مجھ سے ہیں تہذیب کے فرزند

اس راز کو عورت کی بصیرت ہی کرے فاش
مجبور ہیں ، معذور ہیں مردان خرد مند
کیا چیز ہے آرائش و قیمت میں زیادہ
آزادیٔ نسواں کہ زمرد کا گلو بند!

شاید ایسے ہی اشعار اور خیالات ہیں جن کے پیش نظر علامہ پر ماضی اور حال میں بھی شدید تنقید کی جاتی رہی ہے کہ علامہ نے خواتین کے مرتبہ ومقام کو بلند کرنے میں کوئی قابل قدر خدمت سرانجام نہیں دی **بلکہ چند نظموں میں سرسراہے اظہار خیال کر دیا۔** (عارفہ فرید: ۲۰۰۶ء)۔ تاہم اگر اس قسم کے تمام اشعار کو ان کے صحیح تناظر میں پڑھا جائے تو علامہ اقبال کے نقطہ نظر کو جو انہوں نے بانگ دہل بیان کیا ہے، سمجھنے میں کسی قسم کا ابہام یا سرسری پن نظر نہیں آتا۔ مغرب کی آزادیٔ نسواں کے تصور پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ اقبال نے ثابت کیا کہ یہ طبقہ نسواں کی فطرت کے خلاف ہے اور ایک عورت کے لیے بہتر ہے کہ اس نام نہاد آزادی پر کسی گلوبند میں ایک ہیرے کی حیثیت کو ترجیحاً اختیار کرے۔ علامہ اقبال نے صنفی تفاوت (Gender Conflict) کے موضوع پر جو موقف اختیار کیا ہے، وہ امت مسلم کی ادبی تاریخ وروایات میں اس قدر اچھوتا اور نرالا ہے کہ اس کی مثال ڈھونڈنے سے نہیں ملتی۔

علامہ کے کلام (اردو، فارسی) کے مطالعے سے ان کی بالغ نظری اور دور اندیشی کا پتہ چلتا ہے جو انہوں نے اس موضوع کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں کہے۔ ضرب کلیم میں ''عورت اور تعلیم'' کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے مغربی تہذیب پر اس طرح تنقید کی:

تہذیب فرنگی ہے اگر مرگ امومت
ہے حضرت انسان کے لیے اس کا ثمر موت
جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اسی علم کو ارباب نظر موت

بیگانہ رہے دیں سے اگر مدرسۂ زن
ہے عشق و محبت کے لیے علم و ہنر موت!

درج بالا اشعار میں علامہ اقبال نے عورت کے بارے میں اس دعوی پر تنقید کی ہے جو موجودہ نعرۂ مساوات میں ایک حقیقت کی شکل میں واضح ہے کہ عورت کا جسم اس کی ذاتی ملکیت ہے اس لیے وہ اس امر کی پابند نہیں کہ بچے پیدا کرے (شادی/نکاح کے ادارے کی نفی)......اس سوچ اور فکر کو علامہ اقبال نے موت سے تشبیہ دیتے ہوئے عقیدہ یعنی الہامی تعلیم کی ضرورت اور اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔ یہاں کسی کو یہ اشتباہ نہیں ہونا چاہیے کہ علامہ نے تعلیم نسواں کی مخالفت کی ہے بلکہ یہاں اس سیکولر تعلیم کی نفی کی گئی ہے جو نظام تعلیم لارڈ میکالے نے نافذ کیا تھا۔

اگرچہ علامہ اقبال طبقہ نسواں کی اس اہمیت اور ضرورت کا بخوبی احساس رکھتے ہیں جو خدمت یہ صنف نسل انسانی کو اس دنیا میں قائم و دائم رکھنے میں سرانجام دے رہی ہے۔ غرضیکہ مسئلہ نسواں کے متعلق اقبال کی قطعی طور پر یہ رائے ہے کہ مرد اور عورت ایک دوسرے کی کمی کو پوری کرتے اور اس طرح تعمیر تمدن کے فرائض کی انجام دہی کرتے ہیں۔ ان دونوں کے قویٰ میں فطرت نے جو فرق رکھا ہے اس کا مقصد اسرارِ حیات کو کائنات میں محفوظ رکھنا ہے۔ نسوانی جوہر خاک کو آدم بناتا اور اپنے سوزِ دروں سے ثباتِ زندگی کا سامان بہم پہنچاتا ہے۔

زن نگہ دارندہ نارِ حیات — فطرتِ اُو لوحِ اسرارِ حیات
آتش ما را بجانِ خود زند — جوہر او خاک را آدم کند
در ضمیرش ممکناتِ زندگی — از تب و تابش ثباتِ زندگی
شعلۂ کزوے شروع درگسست — جان وتن بے سوزِ اوصورت نہ بست
ارجِ ما از ارجمندیہائے اُو — ماہمہ از نقشبندیہائے اُو!

حق ترا داد است اگر تابِ نظر
پاک شو قدسیت او را نگر

O___ عورت زندگی کی گرمی (حیاتِ انسانی) کی حفاظت کرنے والی ہے۔اس کی فطرت زندگی کی رازوں کی تختی ہے۔

O___ عورت ہماری آگ کو اپنی جان پر لگاتی (سموتی) ہے۔اس کا جوہر، خاک کو آدم یعنی آدمی بنا دیتا ہے۔

O___ اس کے ضمیر میں زندگی کے ممکنات ہیں۔اس کی تب وتاب سے زندگی ثبات پاتی ہے۔

O___ وہ (عورت) ایک ایسا شعلہ ہے جس سے بہت سی چنگاریاں نکلتی ہیں۔اس کے سوز کے بغیر جسم اور جان صورت پذیر نہیں ہوتے۔

O___ ہماری توقیر عورت ہی کی سربلندی سے ہے۔ہم سب اس (ماں) کی نقشبندی سے وجود میں آئے ہیں۔

O___ اگر حق تعالیٰ نے تجھے دیکھنے کی صلاحیت دی ہے تو،تُو پہلے خود پاک ہو اور پھر اس (ماں) کی قدسیت کو دیکھ۔یعنی عورت کا وجود انسانوں کے لیے بڑا ہی لائق احترام و محبت ہے۔

آخری شعر میں ''پاک شو قدوسیتِ او'' کے الفاظ سے اندازہ کیا جانا مشکل نہیں کہ علامہ عورت کو کس قدر بلند مقام کا حامل سمجھتے ہیں بالمقابل اس مغربی تصور اور عمل کے جہاں عورت کو پلے گرل (Play Girl) کے طور پر اسے اپنی ہوس کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔علامہ اقبال نے عورت کے لیے ایک پاکیزہ ذہن اور ماحول کے لیے دعا کی ہے۔

اس کو کیا کیجیے کہ مرد کے جوہر کو فطرت بے منت غیر عیاں کرتی ہے اور نسوانی جوہر کو غیر کا مرہونِ منت رکھا گیا ہے۔اقبال کہتا ہے کہ میں بھی اس مجبوری سے غمناک ہوں۔لیکن اس مسئلے کا کوئی حل موجود نہیں سوائے اس حل کے جو خود فطرت نے تجویز کیا ہے۔

جوہرِ مرد عیاں ہوتا ہے بے منت غیر
غیر کے ہاتھ میں ہے جوہر عورت کی نمود

راز ہے اس کے تپ غم کا یہی نکتہ شوق
آتشیں لذتِ تخلیق سے ہے اس کا وجود
کھلتے جاتے ہیں اسی آگ سے اسرارِ حیات
گرم اسی آگ سے ہے معرکۂ بود و نمود
میں بھی مظلومیٔ نسواں سے ہوں غمناک بہت
نہیں ممکن مگر اس نقطۂ مشکل کی کشود

حقیقت یہ ہے کہ علامہ اقبال نے ''عورت'' کے عنوان سے درج بالا موضوعات پر جو کچھ کہا ہے اس سے طبقۂ نسواں کی عظمت کا اندازہ کرنا چنداں مشکل نہیں۔ تاہم مغربی تہذیب کے اثر سے مسلمانوں میں جس مادر پدر آزادیٔ نسواں کا پرچار کیا جا رہا ہے، علامہ کو اس پر اعتراض ہے۔ علامہ، عورت کو اجتماعی خودی کا ضامن گردانتے ہیں جس کی زندگی کا منتہائے مقصود نسلِ انسانی کو برقرار رکھنا ہے اور یہ اتنا عظیم مقصد ہے کہ دوسرے تمام مقاصد اس کے آگے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ حقوق انسانی میں ہر دو اصناف مساوی ضرور ہیں لیکن دونوں کے لئے اس کائنات میں دائرہ عمل الگ الگ ہے۔ اپنے ایک لیکچر میں انہوں نے اس امر کو بہت خوبی کے ساتھ واضح فرمایا۔

''میں مرد اور عورت کی مساواتِ مطلق کا حامی نہیں ہوں۔ قدرت نے ان دونوں کے تفویض جدا جدا خدمتیں کیں اور ان فرائض جداگانہ کی صحیح اور باقاعدہ انجام دہی خانوادۂ انسانی کی صحت اور فلاح کے لیے لازمی ہے۔ مغربی دنیا میں جہاں نفسی نفسی کا ہنگامہ گرم ہے اور غیر معتدل مسابقت نے ایک خاص قسم کی اقتصادی حالت پیدا کر دی ہے، عورتوں کا آزاد کر دیا جانا ایک ایسا تجربہ ہے جو میری دانست میں بجائے کامیاب ہونے کے الٹا نقصان رساں ثابت ہوگا اور **نظامِ معاشرت میں اس سے بے حد پیچیدگیاں واقع ہوجائیں گی** اور عورتوں کی اعلیٰ تعلیم سے بھی جس حد تک کہ افراد قوم کی شرح

ولادت کا تعلق ہے جو نتائج مترتب ہوں گے وہ بھی غالباً پسندیدہ نہ ہوں گے۔
خاندانی وحدت کے رشتے کو جو بنی نوع انسان کی روحانی زندگی کا جزو اعظم ہے،
یہ حریت توڑ دیتی ہے۔'' (بحوالہ ملت بیضا پر عمرانی نظر)

علامہ اقبال نے عورت کو تہذیب انسانی کی بنیاد قرار دیا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ سے محبت کا نکتہ آغاز کہا ہے۔ایک مقالے میں انہوں نے لکھا کہ دو الفاظ ''ماں اور بیوی'' اس قدر محبت و شفقت سے مملو ہیں کہ مذہب اور تہذیب و تمدن کی تمام تر اخلاقی صفات کا یہ منبع ہیں۔ ماں کے ساتھ محبت کا تعلق حب وطن اور قوم سے ہے جبکہ بیوی کی محبت کے تانے بانے، محبت الٰہی سے جا ملتے ہیں۔ تاہم اس تمام تر عزت افزائی کی مستحق صرف وہ عورتیں ہیں جو ''ماں اور بیوی'' ہوتی ہیں۔ اس عزت و شرف کی وہ عورت ہرگز مستحق نہیں بن سکتی ہے جو بحیثیت زن/ عورت اپنے ان بنیادی کرداروں کی نفی کرتی ہے (نا زن ہے)۔ آیئے دیکھئے علامہ نے اسے اشعار میں کیا کہا ہے!

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں
شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشت خاک اس کی
کہ ہر شرف ہے اسی درج کا در مکنوں
مکالمات فلاطون نہ لکھ سکی لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرار افلاطوں!

عورتوں کی اعلیٰ تعلیم کا اگر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ امومت کی ذمہ داریوں سے کترانے لگیں اور انفرادی عیش و آسائش میں مشغول ہو جائیں تو نسل انسانی کے لیے اس سے بڑھ کر اور کوئی خطرہ تصور میں نہیں آ سکتا۔ اقبال کہتے ہیں کہ ایسا پھول ہمارے بوستان تمدن میں اگر کبھی نہ کھلے تو اچھا ہے:

علم او بارِ امومت برنتافت
برسرِ شاخش یکے اختر نتافت
ایں گل از بستانِ ما نا رُستہ بہ
داغش از دامانِ ملت شستہ بہ

اگر چہ درج بالا اشعار سے اقبال کے عمومی ذہن کا پتہ چلانا از بس مشکل نہیں کہ علامہ نے خواتین سے متعلقہ دیگر اہم پہلوؤں کے متعلق کیا کہا ہوگا۔ جیسا کہ ضرب کلیم کے ضمن میں ہم نے آغاز میں ان نو موضوعات کا ذکر کیا ہے۔ جن کے تحت علامہ نے اپنے خیالات کو واضح کرنے میں کسی قسم کا ابہام باقی نہیں رہنے دیا جس میں سے اکثر کے بارے میں ہم گزشتہ صفحات میں وضاحت کر چکے ہیں تاہم بقایا موضوعات میں ایک اہم موضوع ''مرد افرنگ'' کے عنوان سے ہے۔ دیکھئے علامہ نے اسے کس طرح خطاب کیا ہے:

ہزار بار حکیموں نے اس کو سمجھایا
مگر یہ مسئلہ زن رہا وہیں کا وہیں
قصور زن کا نہیں ہے کچھ اس خرابی میں
گواہ اس کی شرافت پہ ہیں مہ و پرویں
فساد کا ہے فرنگی معاشرت میں ظہور
کہ مرد سادہ ہے بے چارہ زن شناس نہیں!

درج بالا اشعار میں، ان مسائل پر گفتگو کرتے ہوئے جو مغربی معاشرت میں ظاہر و باہر ہیں، علامہ نے مغربی اہل علم کی اس نا اہلی اور نا تدبیری کو ذمہ دار گردانا ہے کہ وہ اس مسئلے کو مناسب انداز میں حل نہ کر سکے۔ علامہ نے طبقہ اناث کو اس کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا بلکہ ان کی معصومیت اور سادگیٔ فطرت کو سراہا ہے۔ مزید علامہ نے طبقہ نسواں کو مغربی مذہبی راہ نماؤں کے اس الزام و اتہام سے بھی بری الذمہ قرار دیا ہے جس کی بناء پر وہ اسے ''گناہ اول'' کا مرتکب ٹھہراتے ہیں اور ان پر کیا کیا گھناؤنے الزامات لگاتے نہیں تھکتے۔ علامہ

اقبال نے نہایت عمدگی سے ایسے الزامات کو مردوں پر الٹ دیا طبقہ اناث کی معصومیت کے اظہار کے ذریعے جب کہ مغرب میں مردوں نے عورت پر خود کما کر کھانے پر خوشیوں کے شادیانے بجائے شروع کئے۔ علامہ نے سوال کیا:

کوئی پوچھے حکیم یورپ سے
ھند و یوناں ہیں جس کے حلقہ بگوش
کیا یہی ہے معاشرت کا کمال؟
مرد بے کار و زن تہی آغوش!

ان اشعار میں علامہ اقبال نے جس مہارت اور خوبی کے ساتھ مغرب میں خاندانی نظام کے ٹوٹنے پھوٹنے کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ اپنے اندر ملت اسلامیہ کے ہر اس فرد (عورت و مرد) سے جو آزادئ نسواں کا قائل ہے، یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا یہی وہ آزادئ کامل ہے جو وہ مسلمان خواتین کے لیے حاصل کرنے کے داعی اور خواہاں ہیں؟

۱۹۲۹ء میں علامہ اقبال نے ہندوستان کے مختلف شہروں میں لیکچر دیئے۔ انجمن خواتین مدراس نے بھی انہیں اپنے خصوصی اجلاس میں دعوت خطاب دی اور ان کی خدمت میں ایک خطبہ استقبالیہ پیش کیا۔ اس ضمن میں ہم اپنے ایک نہایت قابل اور علم دوست بھائی (انجینئر عنایت علی صاحب) کے ممنون ہیں کہ انہوں نے اس خطبے اور علامہ اقبال کے جواباً خطاب کو اپنی کتاب ''اسفار اقبال'' میں تفصیلاً بیان کیا ہے جو از خود ایک بہت نادر اور پڑھنے کی چیز ہے۔

اس خطبے میں خواتین نے اپنے لیے ''اسیران قفس'' کے الفاظ استعمال کیے۔ علامہ نے اپنی جوابی تقریر میں اس کا فوری نوٹس لیا اور فرمایا ''کہ آپ نے خطبۂ استقبالیہ میں اپنے لیے ''اسیران قفس'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ان الفاظ نے مجھے ترکی میں آزادئ نسواں کی تحریک کی یاد دلا دی جو مغربی عورت کے مردوں سے مکمل آزادی کے نعرہ کے طور پر بلند کی گئی تھی۔ اس مقصد کے لیے کہ ہمیں یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ ترکی کی خواتین کے

اس نعرے کا کیا پس منظر ہے اور مزید یہ کہ اس نعرے کے کن مضمرات کا ترکی کی خواتین کو سامنا کرنا پڑا جو کمال اتاترک کے دیئے گئے نعرے کے نتیجے میں ان خواتین نے بھگتے؟ یہ امر اب کوئی سربستہ راز نہیں رہا کہ ترکی کی خواتین کو مادر پدر آزادی ملنے کے بعد خواتین میں خودکشی کی شرح میں حیرت انگیز اضافہ ہوگیا۔ جب اس مسئلے پر تحقیق کی گئی تو پتہ چلا کہ یہ شاخسانہ ہے ان غیر فطری طریقوں پر عمل کرنے کا جو آزادیٔ نسواں کے نام سے معاشرے میں جنسی انارکی کے ایک بے محابہ طوفان کی شکل میں رونما ہو گئے۔ ان غیر فطری طریقوں پر عمل کے نتیجے میں عورتوں نے اپنے آپ کو ہلاک کرنا شروع کر دیا چونکہ جنسی انارکی کی بناء پر وہ بچوں کی ولادت اور پرورش جیسے امور سے بری الذمہ ہوگئیں تو یوں ان میں ایسے طریقوں کے ذہنی، نفسیاتی اور روحانی عواقب کے ردعمل کا سامنا کرنے کی سکت نہ رہی۔ اور تاب نہ لا سکیں۔ یوں فطری طریقوں سے روگردانی کے نتیجے میں منفی رجحانات نے جنم لینا شروع کیا جو بالآخر خودکشی پر منتج ہوا۔ اس طریق پر وہ زن سے نازن (مخالفِ زن) بن گئیں۔ اس المیے کا یہ کلائمیکس ہے کہ ترکی کی حکومت نے مذہبی راہنماؤں سے اپیل کی کہ وہ اس کے تدارک میں مدد کریں اور خواتین کو یاد دلائیں کہ اسلام میں خودکشی حرام ہے۔

درج بالا صفحات میں ہم نے اب تک زیادہ تر علامہ اقبال کے ان خیالات کا مطالعہ کیا ہے جو انہوں نے مغرب میں عورت کے کم تر مقام و مرتبہ اور آزادی نسواں کے مادر پدر دعوی کی تردید و مذمت میں کئے تھے۔ تاہم یہ موضوع تشنہ اور نامکمل رہے گا جب تک ہم علامہ اقبال کے ان مثبت خیالات اور افکار کا مطالعہ نہ کریں جس کا اظہار بھی انہوں نے اپنی شاعری میں بہت تفصیل سے بآواز بلند کیا ہے۔

ہم جب یہ دیکھتے ہیں کہ علامہ اقبال نے مغربی خواتین کے آزادیٔ نسواں کی تردید میں بہت کچھ کہا ہے تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں لیا جانا چاہیے کہ وہ طبقہ نسواں کو مردوں کی نسبت حقیر گردانتے ہیں یا وہ ہر دو اصناف کے ممبران کے اختلاط کو اس لیے غیر مناسب خیال کرتے ہیں کہ اس سے ان میں جنسی انارکی اور برائیوں کا طوفان در آئے گا جو ہر دو اصناف

کے لیے بدنامی اور پریشانی کا باعث بن سکتا ہے۔ مزید اس کے یہ معنی بھی اخذ کرنا مناسب نہیں کہ عورت و مرد کی عزت نفس پر کسی قسم کے شک وشبہ کا اظہار کرنا ہے۔ مزید براں خواتین کے لیے امومت (بچوں کی پیدائش ونگہداشت) کے کردار اور بطور ایک اصول، انہیں گھر گرہستی کے امور پر زیادہ توجہ دینے کا بھی یہ مطلب نہیں لیا جانا چاہیے کہ اسلام انہیں صرف گھر کی چار دیواری میں محصور کر کے غلام/لونڈی بنانے کا قائل ہے بلکہ درحقیقت ان تمام احتیاطی تدابیر کا مقصد مرد اور عورت کے درمیانی ان صحیح ترین بنیادوں اور تعلق کو استوار کرنا ہے جو فطرت نے بنائے ہیں۔ با الفاظ دیگر ہر دو کے درمیان حقوق اور ذمہ داریوں کا یوں تعین کرنا ہے کہ وہ عدل وانصاف اور صحیح اصولوں پر قائم ہوں۔ اقبال کے نزدیک مرد وزن کی مساوات کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ خواتین لازمی انفرادی طور پر روزگار کمانے کے لیے گھر سے باہر نکلیں کہ یہ امر عدل وانصاف کے تقاضے کے منافی ہے۔ اس طرح، عورت نہ صرف اس متوازن اور متناسب کردار سے محروم ہو جاتی بلکہ اس کی وجہ سے عورت پر ذمہ داریوں کا دہرا بوجھ بھی پڑ جاتا ہے۔ اور اس امر کے لیے اب کسی ثبوت کی ضرورت نہیں رہی کہ مغرب میں طبقہ نسواں اس دہرے بوجھ کا شکار ہو کر رہ گیا ہے جس کی وجہ سے بے شمار معاشرتی، اخلاقی اور جنسی مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ دانشور خاتون سائمن بوائر (1949, Simon De Beauvior) کے مطابق **''خواتین فیکٹریوں میں ڈیوٹی دینے کی وجہ سے اس گھریلو کام کاج سے کسی صورت بھی چھٹکارہ نہیں پا سکتیں جب وہ نہایت تھکی ہاری شام کو گھر واپس آتی ہیں۔ انہیں گھریلو امور اور بچوں کی دیکھ بھال سے کسی صورت بھی مفر نہیں۔''**

یہ دردناک کہانی یہاں ہی ختم نہیں ہو جاتی۔ مغرب میں عورتوں کے لیے تمام تر حقوق آزادی، معاشی مساوات اور صحت وتندرستی کے دعووں کے باوجود عارفہ فرید (۲۰۰۶ء) کے بقول صورت حال تمام تر اور یکسر برعکس ہے۔ آیئے دیکھیں کہ آزادیٔ مساوات کے علمبردار کیا کہتے ہیں کہ ''معاشی آزادی کی وجہ سے عورتوں کو ابھی تک ذاتی حفاظت (جان،

مال،عزت آبرو) کی ضمانت نہیں مل پائی۔" **کارکن خواتین کے ساتھ بہت زیادہ تعصب اور مبنی بر استحصال رویہ اختیار کیا جاتا ہے بہ نسبت ان خواتین کے جو گھروں میں رہتی ہیں اور کسی کام کاج کے لیے بیرون خانہ نہیں جاتیں۔"** (سائمن ڈی بوائر ۱۹۴۹ء)۔اس ضمن میں مزید تفصیلات اس کتاب کے باب یازدہم میں ملاحظہ فرمائیں۔

عورت بحیثیت بیوی اور ماں:

علامہ اقبال نے خواتین کے لیے بنیادی طور پر ماں اور بیوی کے کردار کو بہت نمایاں کیا ہے (بیٹی اور بہن دراصل ان دو رشتوں کے ہی شاخسانہ ہیں)۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ اس سوال پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورت اور مرد کی دو اصناف میں تخلیق کے ذریعے دراصل ان کے درمیان اس قدر جذباتی، جنسی اور فطری خواہش (جبلت جنسی) پیدا کر دی ہے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ اکٹھے رہنے کے خواہاں اور ضرورتمند ہوتے ہیں۔ ان دونوں کے درمیان ایک نہایت طاقتور داعیہ جنسی پیدا کر دیا ہے جو ان دونوں کو باہم ملاپ کرنے پر اکساتا رہتا ہے۔ باہمی جنسی ملاپ کی یہ خواہش ہر دو کو مجبور کرتی ہے کہ وہ بچوں کی پیدائش اور پرورش کے لیے اکٹھے رہتے ہوئے تمام زندگی بسر کریں کیونکہ تمام تر حیوانی زندگی میں انسان کا بچہ ماں اور باپ (نیز دیگر اہل خانہ) کی توجہ اور محبت وشفقت کا بہت زیادہ اور دیر تک محتاج ہوتا ہے۔ پس انسانوں میں بچوں کی خواہش سب سے زیادہ اہم جبلت ہے، وہ اپنے بچوں کے لیے بہت زیادہ دیر جذبات محبت وشفقت کا اظہار کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں حتیٰ کہ اس حالت کے علاوہ بھی جب بچہ طفولیت اور عمر کے دوسرے ادوار کے علاوہ ان کی نگہداشت کا ضرورت مند نہیں ہوتا۔ والدین اپنے بچوں سے ان کے بڑھاپے تک بھی محبت کرتے رہتے ہیں۔ انسانوں کا یہ فطری اور جبلی جذبہ دراصل ایک معاشرے کی بنیاد بن جاتا ہے اور اس زمین پر نسل انسانی کے قیام اور مسلسل فروغ کے لیے ایک اہم فیکٹر بن جاتا ہے۔ اس مقصد عظیم

کے حصول کے لیے فطرت نے ہر دو کے درمیان لطف و انبساط کا حصول ضروری قرار دیا ہے۔ اور اس لطف و انبساط کی وجہ سے ایک انسان معاشرتی زندگی کی خدمت سرانجام دینے پر اپنے آپ کو مجبور پاتا ہے۔ تاہم ایک عورت کے لیے (بحیثیت ماں اور بیوی) فطرت نے نہ صرف اسے نسوانی حسن عطا کیا ہے بلکہ اس میں محبت اور قربانی کے ایسے جذبات بھی شوہر اور بچوں کے لیے بہت بڑے پیمانے پر عطا کیے ہیں۔ مرد و عورت کی یہ صفات اور خصوصیات بطور شوہر اور بیوی (شادی/نکاح کے ذریعے) ایک خاندان کو جنم دینے اور خاندانی نظام کی تشکیل کا اہم فریضہ ادا کرتے ہیں۔ ایک خاندان میں ماں اور باپ باہمی مل جل کر اپنے بچوں کو زندگی کی دوڑ میں آگے بڑھنے کے لیے ہمہ وقت تیار اور کوشاں رہتے ہیں جس سے نہ صرف انسانی معاشرے ترقی سے روشناس ہوتے ہیں بلکہ بالآخر انسانیت بھی فلاح و کامرانی سے ہمکنار ہوتی ہے۔ (سید مودودی: ۱۹۹۸ء)

اس تمام گفتگو کو ہم یوں مختصراً بیان کر سکتے ہیں کہ جب مرد اور عورت شادی/بیاہ کے طریقے سے ایک دوسرے کے زوجین بن جاتے ہیں۔ ایک عورت سب سے پہلے ایک بیوی بنتی ہے اور زوجین کے باہمی جنسی ملاپ کے نتیجے میں ان کے بچے کی پیدائش ہوتی ہے پس وہ عورت ایک ماں بن جاتی ہے۔ علامہ اقبال عورتوں کی ان دو حیثیتوں کو فطری حیثیت سمجھتے ہیں اور یوں ایک عورت وہ اصل مرتبہ و مقام حاصل کر پاتی ہے جس کی بناء پر اسے کائنات میں بلند ترین مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ اگرچہ بحیثیت ماں اور بیوی کلام اقبال میں بہت زیادہ تعداد میں طبقہ نسواں کی برتری وعظمت کے بیان میں اشعار موجود ہیں کہ ان تمام کا احاطہ ممکن نہیں تاہم اس ضمن میں دو مزید نکات کی وضاحت ضروری ہے۔

اولاً: جب علامہ اقبال عورت کے روپ بطور ماں (امومت) کا ذکر کرتے ہیں تو دراصل اس کے معنوں اور مفہوم میں بیوی/ زوجہ از خود شامل ہوتی ہے۔ (محمد خان ۱۹۷۸ء)____ ظاہر ہے کہ ایک عورت سب سے پہلے ایک بیوی بنتی ہے اور بعد ازاں

ماں۔اس کا یہ مطلب ہے کہ علامہ اقبال کے نزدیک تخلیق/بچے کی پیدائش کا عمل ایک بیوی/زوجہ کے لیے اولین اور اہم ترین فریضہ ہے۔کسی دوسری جگہ ہم نے اس امر کی وضاحت کی ہے کہ علامہ اقبال اس جنسی انارکی کے خلاف ہیں (مادر پدر جنسی آزادی) جو مغرب میں پائی جاتی ہے۔علامہ نے ان خواتین پر سخت تنقید کی ہے جو شادی سے گریزاں ہوتی ہیں اور یوں ایک بیوی کا روپ دھارنے میں شک وشبہ میں مبتلا (متشکک) تاہم اپنی جنسی بھوک کا مداوا مادر پدر جنسی آزادی کے ذریعے کرنا چاہتی ہیں۔علامہ نے ایسی عورت کو ''نازن'' کے لفظ سے یاد کیا ہے جوزن کی مخالفت/نفی ہے۔علامہ نے جہاں امومت (ماں) کی تعریف وتوصیف کی ہے تو وہاں معنوی لحاظ سے بیوی کی تعریف کا تصور خود بخود شامل ہو جاتا ہے۔عورت بطور زوجہ/رفیقہ حیات کے اس مغربی تصور کی نفی کے جو مضمرات ہیں اور مغرب میں فری سیکس کا یہ تصور کن حالات سے دوچار ہوا ہے، کا اندازہ درج ذیل گوشوارہ سے لگایا جاسکتا ہے۔جس سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۹۸۰ء کے مقابلے میں ۲۰۰۷ء میں مختلف ممالک میں ناجائز بچوں کی پیدائش کی وجہ سے شرح پیدائش میں حیرت انگیز اضافہ ہوا۔◆

ثانیاً: علامہ اقبال،عورت کے کردار کو تخلیق کے عمل کے ساتھ ایک جز ولاینفک کے طور پر سمجھتے ہیں کیونکہ جیسا کہ پہلے بھی اشارہ کیا جاچکا ہے کہ نسل انسانی کا تسلسل اور خاندانوں کی تشکیل بالآخر خاندانی نظام کی بنیاد بنتا ہے۔یہ عمل بتدریج بڑھتا چلا جاتا ہے اور یوں زیادہ سے زیادہ تعداد میں خاندانوں کا ظہور ہوتا جاتا ہے جو بالآخر قبائل اور قوموں کا روپ دھار لیتے ہیں۔کسی دوسری جگہ علامہ نے عورتوں کو تہذیب وتمدن کے قیام کا بھی ذمہ دار گردانا ہے۔علامہ اقبال کبھی کبھی ہر دو کرداروں کو بیک وقت اور اکٹھے بھی بیان کرتے ہیں۔دراصل یہ دونوں کردار ایک دوسرے کے باہم مخالف (Mutually Exclusive) نہیں بلکہ جڑے ہوئے اور ایک دوسرے کے ساتھ مربوط وہم آہنگ ہیں۔

◆ یہ اعداد وشمار ہمارے ایک فاضل دوست انجینئر عنایت علی سے فراہم کئے۔انجینئر ہونے کے باوجود علامہ اقبال کے شیدائی ہیں ان کی متعدد کتب اقبال اکیڈیمی نے شائع کی ہیں!

مغربی ممالک میں ناجائز بچوں کی پیدائش کا جائزہ

ممالک	شرح پیدائش1980ء	شرح پیدائش2007ء
آئس لینڈ	40	66
سویڈن	40	55
ناروے	15	54
فرانس	11	50
ڈنمارک	33	46
برطانیہ	12	44
امریکہ	18	40
ہالینڈ	4	40
آئرلینڈ	5	33
جرمنی	12	30
کینیڈا	13	30
سپین	4	28
اٹلی	4	21
جاپان	1	2

امومت (ماں) کا تصور اور اقبال:

بانگ درا میں علامہ اقبال نے اردو شاعری میں والدہ کی شان اور عظمت کو متعدد نظموں میں بیان کیا ہے۔ بانگ درا کی ایسی نظموں میں ''عہد طفلی''، ''ماں کا خواب''، ''والدہ مرحومہ کی یاد میں'' اہم ترین ہیں۔ اردو میں ان نظموں کے علاوہ فارسی شاعری میں بھی بہت سا کلام ہے جس میں ماں کے کردار کو نمایاں کیا گیا ہے۔ تاہم ان سب میں ''والدہ مرحومہ کی یاد میں'' نامی نظم تو اپنے بیان اور جذبات کے اظہار میں ایک نہایت ہی اعلیٰ ادبی

شاہکار کی حیثیت کی حامل ہے۔ خود اپنی حالت کو بیان کرتے ہوئے والدہ مرحومہ کو بہت عمدہ اور بہترین خراج عقیدت یوں پیش کیا:

کس کو اب ہوگا وطن میں آہ میرا انتظار
کون میرا خط نہ آنے سے رہے گا بے قرار
خاک مرقد پر تری لے کر یہ فریاد آؤں گا
اب دعائے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا!

ان اشعار میں علامہ اقبال نے اپنے دل کی گہرائیوں سے اس کرب کا اظہار کیا جو انہیں اپنی والدہ ماجدہ کے انتقال پر ہوا تھا۔ مزید انہوں نے اس پریشانی کا اظہار بھی کیا کہ اب انہیں کون اپنی شب کی تنہائیوں میں کی گئی دعاؤں میں یاد رکھے گا؟

علامہ اقبال نے اپنی شعری اور ملی خدمات میں ایک اعلیٰ مقام حاصل کرنے کا تمام تر سہرا اس تربیت کے سر باندھا ہے جو انہیں اپنی والدہ ماجدہ سے حاصل ہوئی تھی۔ ذیل کے اشعار میں، باغ کے پھول اور پتوں کو روزانہ ملنے والی تازگی اور زندگی کے حوالے سے اپنی اس خواہش کا یوں اظہار کیا کہ ان پتوں/ پھولوں کو بھی جو بظاہر راہی عدم ہو چکے ہیں لیکن روزانہ دوبارہ تر و تازہ ہو جاتے ہیں، ایسی ہی زندگی اور تازگی والدۂ مرحومہ کو بھی دوبارہ نصیب ہو۔ درج ذیل اشعار کی برجستہ اور ادائیگی ملاحظہ ہو۔

خفتگان لالہ زار و کوہسار و رود بار
ہوتے ہیں آخر عروسِ زندگی سے ہمکنار
یہ اگر آئین ہستی ہے کہ ہو ہر شام صبح
مرقدِ انساں کی شب کا کیوں نہ ہو انجام صبح!

یہاں درج بالا اشعار کے حوالے سے اقبال نے اپنی والدہ ماجدہ کے لیے دوبارہ زندگی کی تمنا کی ہے۔ اس نظم کا اختتام کس خوبصورت انداز میں اللہ رب العزت کی بارگاہ میں کیا وہ ان اشعار سے ظاہر ہے:

مثل ایوانِ سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا
آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نو رستہ اس گھر کی نگہبانی کرے!

مزید رموزِ بےخودی کی اس نظم میں علامہ اقبال نے امومت کے متعلق اس قدر تکرار سے اشعار کہے ہیں کہ ان کا شمار بھی ممکن نہیں۔ ملاحظہ کیجیے کہ امومت کے اس عظیم منصب کی اقبال نے کس قدر تحسین کی ہے کہ اس کا تعلق نبوت کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔

نیک اگر بینی امومت رحمت است
زانکہ اورا بانبوت نسبت است
شفقت او، شفقتِ پیغمبرؐ است
سیرتِ اقوام را صورت گر است
از امومت پختہ تر تعمیر ما
در خطِ سیمائے او تقدیر ما
ہست اگر فرہنگ تو معنی رسے
حرفِ اُمت نکتہ ہا وارد بسے!

O___ تو اگر نیک نیتی کے ساتھ غور کرے تو ماں ایک رحمت ہے کہ اسے نبوت کے ساتھ ایک نسبت ہے۔

O___ رسول اللہ جس شفقت کا پیکر تھے، اسی شفقت کا پَرتو اللہ نے ماؤں کے دلوں میں ڈالا۔ پیغمبر قوموں کی سیرت کے سانچے تیار کرتے ہیں۔ مائیں بھی اپنے دائروں میں یہی خدمت انجام دیتی ہیں۔ امومت ہی کی بدولت ہماری حیثیت (تعمیر) مستحکم ہوتی ہے، ماں کی پیشانی پر جو خط ہوتا ہے، وہی ہماری تقدیر ہے۔ اگر تیری عقل میں بات آتی ہے تو لفظ امت پر غور کر۔ اس میں بہت بڑے نکتے ہیں۔

امومت کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے، اقبال نے ایک اور حدیث کے مفہوم کو نہایت خوبصورت انداز میں یوں بیان کیا ''ماں کی خدمت کرو کہ جنت اس کے قدموں تلے ہے۔'' (مفہوم حدیث سنن نسائی ۳۰۱۴)۔ درج ذیل اشعار ملاحظہ ہوں:

گفت آں مقصودِ حرفِ کُن فکاں — زیر پائے اُمہات آمد جناں
ملت از تکریم ارحام است و بس — ورنہ کارِ زندگی خام است و بس
از امومت گرم رفتار حیات — از امومت کشف اسرارِ حیات
از امومت پیچ و تابِ جوئے ما — موج و گرداب و حبابِ جوئے ما

''اگر تیری عقل بات کی تہہ تک پہنچ سکتی ہے تو لفظ امت پر غور کر۔ اس میں بڑے نکتے ہیں۔ یہ امومت کے حوالے سے کہا گیا ہے کیونکہ ان دونوں لفظوں کا مادہ ایک ہی ہے۔ قوم عورتوں کی عزت ہی سے قائم ہے ورنہ سمجھ لینا چاہیے کہ زندگی کا کام ناتمام ہے۔ زندگی کی رفتار امومت ہی کی بدولت تیز ہے اور زندگی کے بھید امومت ہی سے کھلتے ہیں۔ ہماری زندگی کی ندی میں جو پیچ وتاب یا گرداب پائے جاتے ہیں وہ سب امومت ہی سے ہیں۔''

یہاں اس امر کی جانب توجہ کرنے کی ضرورت ہے کہ **عورت کے فرائض امومت کی اہمیت واضح کرتے ہوئے یہ کہا گیا کہ جنت اس وقت اس کے پاؤں تلے ہوگی جبکہ وہ ماں بنے گی۔** (محمد احمد خان ۱۹۷۸)

علامہ اقبال نے اردو اور فارسی شاعری میں نیز دیگر مقالہ جات اور تقاریر میں بہت تفصیل کے ساتھ اظہار خیال کیا ہے۔ فارسی کلام (اسرار و رموز بے خودی میں ایک نظم اس عنوان سے کہی ہے کہ ''در معنی ایں کہ بقائے نوع از امومت است و حفظ واحترام امومت اسلام است''۔ اس نظم کے درج ذیل پہلے شعر ہی میں **''یوں اظہارِ برملا''** **(Loudly)** کیا کہ یہ ایک عورت ہی ہے جس نے مردوں کے عزت وشرف کو بالا کرنے میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے:

نغمہ خیز از زخمۂ زن سازِ مرد از نیازِ اُو دوبالا نازِ مرد
پوشش عریانیٔ مرداں زن است حسن دلجو عشق را پیراہن است
عشق حق پروردۂ آغوشِ اُو ایں نوا از زخمہ خاموش اُو
آنکہ نازد بروجودش کائنات ذکرِ اُو فرمود باطیب و صلوٰۃ
مسلمے کو را پرستارے شمرد بہرۂ از حکمت قرآں نبرد
نیک اگر بینی امومت رحمت است زانکہ اورا بانبوت نسبت است
شفقتِ او شفقتِ پیغمبر است سیرتِ اقوام دا صورت گر است

عورت کا زخمہ مرد کے ساز سے نغمہ پیدا کرتا ہے۔عورت کی عاجزی وانکساری ہی سے مرد کا ناز دگنا ہوتا ہے۔عورت کی نیازمندی مرد کے ناز کو دوبالا کر دیتی ہے۔قرآن کے مطابق عورتیں مردوں کی برہنگی کو چھپانے کے لیے لباس ہیں، دل لبھانے والا حسن عشق کے لیے پیراہن بن گیا۔ یہاں اگلے صفحہ میں درج قرآن مجید کی آیت کی طرف اشارہ ہے: عشق حق عورت ہی کی آغوش میں پرورش پاتا ہے۔ یہ نغمہ اسی کا خاموش زخمہ (مضراب) پیدا کرتا ہے۔اس پاک وجود نے جس پر کائنات فخر و ناز کر رہی ہے۔یعنی رسول اللہ ﷺ نے عورت کا ذکر خوشبو اور نماز کے ساتھ فرمایا جس مسلمان نے عورت کو لونڈی سمجھا'' سمجھ لینا چاہئے کہ اسے قرآن کی حکمت سے کوئی حصہ نہیں ملا۔اگر تو غور کرے تو امومت سراسر رحمت ہے کیونکہ اسے نبوت سے نسبت ہے۔ماں کی شفقت، دراصل نبی کی شفقت کی مانند ہے اور جس سے اقوام عالم کی تقدیر کی صورت گر ہوتی ہے۔

درج بالا اشعار میں علامہ نے مختلف قرآنی آیات اور حدیث کا استشہاد کیا ہے۔ اقبال کی نظر میں مسئلہ نسواں کے دو پہلو ہیں۔اولاً مرد و زن میں مساوات اور ثانیاً آزادیٔ نسواں (مکمل آزادی)۔ان میں سے پہلے پہلو کا تعلق ان دونوں کے انسان ہونے کے ناطے ہے جبکہ دوسرے پہلو کا تعلق ان کی صنف (مذکر یا مؤنث) سے ہے۔اقبال کا نکتہ نظر، مغربی فکر کے بالکل برعکس ہے جہاں عورت کو دونوں پہلوؤں میں برابر اور مساوی تسلیم

کرلیا گیا ہے بطور انسان اور اختلاف صنف کے باوجود جبکہ اقبال دوسرے پہلو سے صنفی اختلاف کی بناء پر ہر دو کے لیے علیحدہ کار جہاں، ذمہ داریوں اور حقوق کے قائل ہیں۔ ان کی نظر میں مغرب میں خاندانی نظام کی تمام خرابیوں اور مسائل کی جڑ میں یہ سوچ کام کر رہی ہے کہ انہوں نے مرد و زن کی ان دونوں حالتوں کو ملا دیا ہے۔ علامہ اقبال پہلی حالت کے موید ہیں جبکہ دوسری حالت جس میں عورت کو بے لگام جنسی آزادی کے لیے چھوڑ دیا گیا ہے، سے اختلاف کرتے ہیں۔ ان اشعار میں انہوں نے عورت کو مردوں کے لیے بطور لباس / پوشاک سے تشبیہ دی ہے جو مردوں کی عریانیت کو چھپانے کا ذریعہ ہے۔ اقبال نے یہ انوکھا تصور قرآن کریم کی سورۃ البقرہ (۲:۱۸۷) سے اخذ کیا ہے:

"هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ"

''وہ تمہارے لیے لباس ہیں تم ان کے لیے لباس ہو۔''

اس آیت کی رو سے اقبال عورت اور مرد کو سماجی، قانونی اور مساواتِ معاش کے لحاظ سے برابر تسلیم کرتے ہیں تاہم قرآنی کریم ہی کے ایک دوسری آیت (سورۃ البقرۃ، ۲: ۲۲۸) کی رو سے مرد کو ایک درجہ فضیلت کا حامل سمجھتے ہیں۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ

''عورتوں کے لیے بھی معروف طریقے سے ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے۔''

یہاں اس آیت کی رو سے اقبال نے مرد کی قوامیت کو خاندان میں معاملات کی بہتری کے لیے ضروری قرار دیا ہے۔ اسی طرح علامہ اقبال نے ترکی شاعر ضیاء کے خیالات کو غلط قرار دیا ہے۔ (بحوالہ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ مترجم نذیر نیازی ۱۹۵۸ء) مزید براں، اپنے اس خیال کی تائید میں علامہ نے ایک حدیث کا حوالہ بھی دیا ہے جس کی رو سے رسولؐ خدا نے دنیا کی تین اشیاء (نماز، عورت اور خوشبو) کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہوئے فرمایا کہ ''نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔'' (مفہوم حدیث) ___ دیکھئے علامہ اقبال نے

نہایت خوبصورتی کے ساتھ درج بالا حدیث کی تین اشیاء کے مفہوم کو اپنے درج ذیل شعر میں کیوں کر اور کیسے سمو دیا:

آنکہ نازد بروجودش کائنات
ذکر او فرمودہ باطیب و صلوٰۃ

(اس پاک وجود (محمد ﷺ) نے عورت کا ذکر خوشبو اور نماز کے ساتھ فرمایا ہے)

رموزِ بے خودی میں علامہ اقبال نے صنف نازک کے دو کرداروں کا تقابلی جائزہ لیا ہے۔ سعدیہ آفتاب (۲۱۰۳ء) اپنے مقالے میں اسے ''اقبال کی شاعری میں صنف نازک کے دو کردار'' کے عنوان سے زیر بحث لائی ہیں۔ علامہ نے عورت کے کردار (بطور ماں) کا قلمی خاکہ اس خوبصورت اور اچھوتے انداز میں کھینچا ہے کہ اس کے ادبی حسن اور خوبصورت کی داد دیئے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔ اقبال نے صنف نازک کے اس پہلو کو اس حد تک اجاگر کیا ہے کہ ''ایک مسلمان عورت جو **جاہل مطلق ہو، شکل وصورت میں بھی خوبصورت نہ ہو، کم دلکش**، اور موجودہ دور کے **سکولوں/ کالجوں سے تعلیم یافتہ بھی** نہ ہو اور یوں وہ اپنی تمام تر کم تر صفات کی وجہ سے نیز **گفتگو کا ڈھنگ نہ جانتے ہوئے** اور **سماجی آداب** سے آگاہ نہ ہونے کی بناء پر کسی کے دل میں اپنے لیے کوئی جگہ نہ بنا سکے جسے علامہ اقبال نے **کم نگاہے، کم زبانے، سادہ** کے الفاظ سے یاد کیا ہے اور مزید صحت جسمانی کے لحاظ سے بھی وہ بہت زیادہ اچھی نہ لگ رہی ہو، **کوتاہ قد اور فربہ** جسم کی مالکہ ہو، نیز اس کے علاوہ اس کی **آنکھوں کے گرد نیلگوں** حلقے ہوں، اور وہ زرد رو نیز **لاغر و کمزور** بھی ہو لیکن چونکہ وہ ایک ماں ہے اور بچے کی پیدائش کے وقت دردِ زہ کی تکلیف کو برداشت کر چکی ہے اور بچوں کی پرورش و نگہداشت کے مرحلے میں شدید جذباتیت اور جسمانی تکالیف بھی برداشت کر پائی ہو اور اگر ایسی ایک عورت جو امت مسلم کو ایک تندرست و توانا جوان رعنا دینے کا سبب بن چکی ہو اور ایک ایسا بچہ بالغ ہونے پر امت مسلمہ کا ایک مفید، کارآمد، بااخلاق شہری بھی بن چکا ہو تو اقبال نے ایسی عورت کو جو خراج تحسین پیش کیا ہے، وہ

درج بالا تمام تر نقائص جسمانی کے علی الرغم، کس قدر عظمت و بڑائی کے غماز ہیں، اس کا اندازہ درج ذیل اشعار سے لگائیے اور داد دیجیے اس شاعر کے دور اندیشی اور امومت کے جذبۂ تکریم کو جو اس کے نہاں خانۂ دل میں پوشیدہ تھے:

آں درخ رستاق زادے جاہلے
پست بالائے سطبرے بد گلے
نا تراشے پرورشِ نادادۂ
کم نگاہے کم زبانے سادہ
دل ز آلام امومت کردہ خون
گرد چشمش حلقہ ہائے نیلگوں
ملت از گیرد ز آغوشش بدست
یک مسلمان و غیور و حق پرست!
ہستیٔ ما محکم از آلام اوست
صبح ما عالم فروز از شام اوست

درج بالا کے برعکس، اگر ایک عورت، بہت عمدہ صحت کی مالک اور خوبصورت، اور بہت ہنس مکھ و رہنر مند ہو لیکن اگر ایسی عورت ایک بچے کی پیدائش کا سبب نہیں بنتی، تو ایسی عورت مغربی عورت کا ایک چربہ ہو سکتی ہے جو کہ مغربی تہذیب و کلچر کے ہاتھوں نقد جاں دے بیٹھی ہو، تو ایسی عورت کے بارے میں اقبال نے کیا کہا، دیکھئے:

واں تہی آغوش نازک پیکرے
خانہ پروردِ نگاہش محشرے
فکر او از تاب مغرب روشن است
ظاہرش زن باطن او نازن است
بندہائے ملتِ بیضا گسیخت

تاز چشمش عشوہ ہا حل کردہ ریخت
شوخ چشم و فتنہ زا آزادیش
از حیاء ناآشنا آزادیش
علم او بارِ امومت برنتافت
برسرشامش یکے اختر برنتافت
ایں گل از بستانِ ما نارستہ بہ
داغش از دامانِ ملت شستہ بہ
پانبردہ از عدم بیروں ہنوز
از سوادِ کیف و کم بیرون ہنوز
شبنمے بربرگ گل نہ نشستۂ
غنچہ ہائے از صبا ناخستۂ
بردمد ایں لالہ زارے ممکنات
از خیابانِ ریاضِ امہات!

(لیکن وہ نازک جسم والی عورت، جس کی گود بچے سے خالی ہے اور محشر جس کی نگاہ کا خانہ زاد ہے۔ قیامت جس کی نگاہوں کی لونڈی ہے۔ اس کا دماغ (فکر اور سوچ) مغرب کی چمک دمک سے روشن ہے۔ بہ ظاہر عورت نظر آتی ہے، لیکن اس کے باطن کو دیکھا جائے تو اسے عورت ہونے سے کوئی مناسبت نہیں (عورتوں والی کوئی بات نہیں)۔ اس نے ملت بیضا کے قاعدے اور ضابطے توڑ دیئے اور اپنی آنکھوں سے عشوے گراتی رہی۔ (اس کی آنکھوں میں شرم وحیا نہیں)۔ وہ شوخ چشم ہے اس کی آزادی فتنے پیدا کرنے والی ہے اس نے علم تو پڑھ لیا مگر ماں ہونے کا بوجھ برداشت نہ کیا اس کی پیشانی پہ ایک بھی ستارہ نہ چمکا یعنی ایک بھی بچہ پیدا نہ ہوا (نہ وہ ماں بنی اور نہ کسی بچے کو جنم دیا) ایسا

پھول ہمارے باغ میں پیدا ہی نہ ہو تو بہتر ہے اور قوم کے دامن سے ایسے دھبے کا دھل ہی جانا بہتر ہے۔ انہوں نے ابھی تک عدم سے پاؤں باہر نہیں نکالا اور کیف و کم کی اس دنیا میں ابھی نہیں آئے۔ پھول کی پنکھڑی پر ابھی شبنم نہیں گری اور صبا نے ابھی تک کلیوں کو زخمی نہیں کیا، یعنی کلیاں ابھی تک نہیں کھلی۔ ممکنات کا یہ لالہ زار ماؤں ہی کے باغ کی کیاریوں میں پھوٹے گا۔)

اگرچہ اس تمام نظم میں بالخصوص ہر شعر میں یہ امر بہت واضح طور پر اُمومت کی اہمیت و عظمت پر دلالت کرتا ہے تاہم اس تمام پیرایۂ حسن کا کلائمکس یہ شعر ہے کہ اگرچہ ایسی عورت بظاہر تو نسوانی خصوصیات کی حامل ہے تاہم زندگی کے بارے میں اس کا رویہ اور نقطہ نظر نسوانیت سے لگا نہیں کھاتا بلکہ مقصد نسوانیت کی نفی اور تردید کرتا ہے۔ ایک ایسی عورت، درجہ اُمومت پر فائز ہونے کے فطری مقام کو اپنے لیے ایک زحمت سمجھتی ہے۔ اپنی تمام تر خوبیوں اور رعنائیوں کے باوجود، علامہ اقبال نے اسے ایک ایسی ''ذات'' کے مشابہ قرار دیا ہے جس میں کوئی ''ستارہ'' نہ جگمگا رہا ہو۔ کیونکہ امت میں ایک ''روشن ستارے'' میں اضافے کی وجہ سے علامہ نے مزید چند صفات کو طبقہ نسواں کے لیے باعث عزت و تکریم گردانا ہے۔

درج ذیل اشعار میں دولت، سونا اور چاندی نیز دیگر متعدد مادی اشیاء کو ایک قوم/ملت کے لیے فرد (لڑکے یا لڑکی) کے اضافے کو جسے کسی ماں نے پروان چڑھایا ہو، اس ملت کے لیے زیادہ منافع بخش قرار دیا ہے۔ وہ امت میں ایسی نوجوان نسل کے اضافے کو ایک بہت بڑی نعمت قرار دیتے ہیں جس کے افراد بہترین جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں سے بہرہ مند ہوں تاکہ وہ ان چیلنجوں کا پامردی کے ساتھ مقابلہ کر سکیں جو مستقبل میں امت کو پیش آنے والے ہیں۔ ملاحظہ کیجیے درج ذیل اشعار:

قوم را سرمایہ اے صاحب نظر
نیست از نقدِ قماش و سیم و زر

مال او فرزند ہائے تندرست
تر دماغ و سخت کوش وچاق و چست
حافظِ رمزِ اخوت مادراں
قوت قرآن و ملت مادراں!

(اے حقیقت پر نظر رکھنے والے! جان لے کہ قوم کا اصل سرمایہ روپیہ، سرو سامان، چاندی اور سونا نہیں۔ اصل سرمایہ یہ ہے کہ اسے ایسے نوجوان ملیں، جو تندرست ہوں، اُن کے دماغ تازہ ہوں، سخت محنت ومشقت کے عادی ہوں اور چاق وچوبند رہیں۔ مائیں اخوت کے بھید کی نگہبان (محافظ) ہیں۔ قرآن مجید اور ملت کے لیے تقویت (قوت) کا باعث ہیں۔ (ماؤں کی تربیت و پرورش ہی سے اولاد میں بھائی چارے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ قرآن وملت کی تقویت کا باعث بنتے ہیں)۔ وہ پیغام حق پر خود عمل کریں گے اور دنیا کو بھی دعوت عمل دیں گے۔)

کسی دوسری جگہ علامہ نے امت کی نوجوان نسل کے لیے درج ذیل صفت کا ذکر کیا ہے۔

وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا
شباب جس کا ہو بے داغ، ضرب ہو کاری!

اس گفتگو کو سمیٹنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علامہ نے طبقہ نسواں کو بطور ماں اور بیوی کے جس اعلیٰ مقام اور رول کا ذکر کیا ہے یعنی اس دنیا میں نسل انسانی کے قیام وفروغ اور ایک زندہ معاشرہ کی تشکیل، کے بارے میں مزید مطالعہ کیا جائے۔ رموز بے خودی، میں علامہ نے ''خطاب مخذرات اسلام'' میں مسلمان خواتین کو مخاطب کرتے ہوئے یاد دلایا کہ:

اے ردائیت پردۂ ناموس ما
تابِ تو سرمایۂ فانوس ما

طینت پاک تو مارا رحمت است
قوتِ دین و اساسِ ملت است!

(اے مسلمان خاتون! تیری چادر ہماری عزت و ناموس کا پردہ ہے۔ اور تیری روشنی ہمارے فانوس کے لیے چمک دمک کا سامان بہم پہنچاتی ہے۔ تیری پاکیزہ فطرت ہمارے لیے باعث رحمت ہے۔ اسی سے دین کی قوت اور یہی ہماری قوم کی بنیاد ہے۔)

کودک ما چوں لبِ او شیرِ شست
لا الہ آموختی اورا نخست

(بچے نے جب تیرے دودھ سے لب تر کئے تو تُو نے سب سے پہلے اسے کلمہ توحید سکھایا۔)

می تراشد مہر تو اطوار ما
فکر ما ، گفتار ما ، کردارِ ما!

(تیری محبت میں ہمارے طور طریقے، ہماری سوچ بچار ہماری بات چیت اور ہمارے کردار ڈھلتے ہیں۔)

برق ما کو در سحابت آرمید
برجبل رخشید و در صحرا تپید!

(ہماری بجلی، جو تیرے بادل کی آغوش میں آرام پا رہی تھی، وہ پہاڑوں پر چمکی اور صحراؤں میں کڑکی۔)

اے امینِ نعمتِ آئین حق
در نفسہائے تو سوز دین حق

(اے مسلمان خاتون! تجھے قدرت نے آئین حق کی نعمت کا امانت دار بنا دیا۔ تیری سانسوں میں دین حق کی حرارت بھری ہوئی ہے۔)

آب بند نخل جمعیت توئی
حافظِ سرمایۂ ملت توئی

(اے مسلمان خاتون! تجھی سے امید ہے کہ فتنہ انگیز دَور میں ہماری جمعیت کے نخل کی آبیاری کرے گی اور تو ہی ہماری ملت کے سرمائے کی نگہبان ہے۔)

دورِ حاضر تر فردش و پر فن است
کاروانش نقد دیں را رہزن است
کور و یزداں ناشناس ادراکِ او
ناکساں زنجیریٔ پیچاکِ او
چشم او بیباک و ناپرواستے
پنجۂ مژگانِ او گیراستے
صیدِ او آزاد خواند خویش را
کشتۂ او زندہ داند خویش را

(دورِ حاضر بڑا مکار اور عیار ہے۔ اس کی حقیقت کچھ ہے اور ظاہر کچھ کرتا ہے اس کے قافلے میں دین کی متاع لوٹی جاتی ہے یہ اندھا ہے اور اس کا فہم خدا کو نہیں پہچانتا۔ غیر حقیقت پسند لوگ اس کے چکروں میں پڑ کر قیدی بن چکے ہیں۔ اس کی آنکھیں بے باک، شوخ اور بے پردہ ہیں۔ اس کی مژگاں کا پنجہ جہاں پڑ جائے گڑ جاتا ہے۔ جو وجود اس کا شکار ہو جاتا ہے، عجیب بات یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو آزاد کہتا ہے جو اس کا کشتہ ہو چکا ہے، وہ اپنے آپ کو زندہ سمجھتا ہے۔)

از سر سود و زیاں سودا مزن
گام جز بر جادۂ آباء مزن

ہوشیار از دستبرد روزگار
گیر فرزندانِ خود را در کنار
ایں چمن زاداں کہ پر نکشاندہ اند
ز آشیان خویش دور افتادہ اند

(تو نے نفع اور نقصان کے جو پیمانے سوچے ہیں، انہیں نظر انداز کر اور صرف باپ دادا کے راستے پر ہی چلنا تیرے لیے مناسب ہے۔ اے مسلمان خاتون! زمانے کی لوٹ مار سے چوکس رہ۔ اپنے بیٹوں کو آغوش (گود) میں سمیٹ لے۔ اگرچہ یہ چمن میں پیدا ہوئے ہیں، لیکن انہوں نے ابھی پر نہیں کھولے اور اپنے گھونسلے سے بہت دور پڑے ہیں۔ مطلب یہ کہ ان کی طرف توجہ کر ان کی صحیح اسلامی طریقے پر پرورش و تربیت کر۔)

فطرت تو جذبہ ہا دارد بلند
چشم ہوش از اسوۂ زہرأ مبند
تا حسینؓ شاخِ تو بار آورد
موسم پیشیں بگلزار آورد

(اے مسلمان خاتون! تیری فطرت میں بڑے بلند جذبے موجزن ہیں۔ تو ہوش کی نظر حضرت فاطمہؓ کے نمونے پر جمائے رکھ تاکہ تیری شاخ میں بھی حسینؓ جیسا پھل لگے اور ہمارے باغ میں پہلی سی بہار پھر آجائے۔)

اس ضمن میں یہ صراحت ضروری ہے کہ مساوات کامل کے حامی لوگ پدریت (Patriach) اور مردوں کی بالادستی (Male Chauvanis) کو مذہبی تعلیمات اور عمل کا نتیجہ قرار دیتے ہیں (تورات اور بائبل کی مسخ شدہ تعلیمات کی وجہ سے) تاہم علامہ اقبال نے ہر دو اصناف کے لیے یہ ضروری قرار دیا کہ مسلمان نوجوان نسل کی تعلیم و تربیت میں انہیں برابر کا شریک ہونا چاہیے۔ انہوں نے طبقہ اناث کی کم تر حالت کی تردید کرتے

ہوئے انہیں ''قرآن سے بابلد'' قرار دیا کہ:

مسلم کورا پرستارِ شمرد
بہرۂ از حکمت قرآں نبرد!

(وہ مسلمان/شخص جو عورتوں کو باندی/لونڈی (نوکرانی) سمجھتا ہے، وہ قرآن کی تعلیمات کی روح سے نا آشنا ہے!)

علامہ اقبال نے طبقہ نسواں کی روحانی عظمت و بزرگی کے پہلو کو مزید اجاگر کرتے ہوئے انہیں یاد دلایا کہ کیا تمہیں بھول گیا کہ صنف نازک کی ایک فرد کے تلاوت قرآن سے متاثر ہوکر عمر کی تقدیر بدل گئی تھی۔ (ارمغان حجاز: ۱۳۳)

ز شامِ ما بروں آور سحر را
بہ قرآن باز خواں اہل نظر را
تو می دانی کہ سوزِ قرأتِ تو
دگرگوں کرد تقدیر عمرؓ را!

(اے مسلمان عورت) تو ہماری شام (خراب حالت) سے صبح (اچھے حالات) پیدا کر (اس کی صورت یہ ہے) خود بھی قرآن پڑھ اور جو اہل نظر ہیں ان کو دوبارہ قرآن کی طرف بلا۔ تو اس (تاریخی واقعہ) کو جانتی ہے، کہ تیری قرأت (قرآن پڑھنے کے حسین انداز) سے قرآن سن کر وہ مسلمان ہو گئے اور عمر فاروق اعظمؓ بن گئے۔)

ارمغان حجاز میں طبقہ نسواں کے اس کردار کو کہ وہ نہ صرف امت بلکہ اپنے طبقے کے افراد کے لیے بھی کس قدر اہم خدمات سرانجام دے رہی ہے، علامہ نے کہا:

جہاں را محکمی از امہات است
نہادِ شاں امینِ ممکنات است

اگر ایں نکتہ را قومے نداند
نظامِ کاروباش بے ثبات است

(جہان کی پختگی (پائیداری) کا تعلق ماؤں کی ذات کے ساتھ ہے۔ان کی خلقت ممکنات کی یعنی آئندہ پیدا ہونے والی نسلوں کی امانت دار ہے۔(وہ جیسی ان کی تربیت کریں گی جہان ویسا ہی ہوگا)۔اگر اس رمز (باریک بات) کو کوئی قوم نہیں جانتی۔تو اس کے کاروبارِ حیات کا نظام ناپائیداری (افراتفری) کا شکار رہتا ہے۔)

اسی طرح ایک دوسری جگہ ارمغان حجاز میں یہ واضح کیا کہ میری ماں نے میری تربیت کیسے کی:

مرا داد ایں خرد پرور جنونے
نگاہے مادرِ پاک اندرونے
زمکتب چشم و دل نتواں گرفتن
کہ مکتب نیست جز سحر و فسونے!

(مجھے یہ عقل پرور سودا (ایسا سودا جو عقل سے خالی نہیں) میری ماں کی آغوش نے عطا کیا۔جس کا باطن پاکیزہ تھا۔(یاد رکھ اے مسلمان ماں) مدرسے خصوصاً عہد حاضر کی تعلیم سے (حق کو پہچاننے والی) آنکھ اور (نور حق والا) دل پیدا نہیں کیا جا سکتا۔کیونکہ مکتب تو جادو اور منتر کے سوا کچھ نہیں۔مراد ہے اس کی تعلیم ظاہر میں بڑی پرکشش ہے لیکن اس کا اندرون بڑا تاریک ہے یہ آدمی کو ظاہری چمک دمک تو دیتی ہے لیکن اس کا اندر سیاہ کر دیتی ہے۔)

درج بالا تمام تر اشعار، علامہ اقبال کے فارسی کلام سے اخذ کردہ ہیں تاہم اردو شاعری میں بھی علامہ نے بہت تفصیل کے ساتھ ان موضوعات پر روشنی ڈالی ہے۔

سعدیہ آفتاب (۲۰۱۳ء) نے اپنے تحقیقی مقالے میں بجا طور پر طبقہ نسواں کے

بارے میں واضح کیا ہے کہ ''عورت کو معاشرے میں وہ مقام حاصل نہیں ہوا جس کے تحت وہ سماجی، تعلیمی اور معاشی فوائد سے بہرہ مند ہوسکتی۔ اس کو آزادیٔ جنس کے غلط نعرے سے گمراہ کیا گیا ہے اور معاشی مساوات کے غلط نعرے سے بھی غلط راستوں پر ڈالنے کی کوششیں کی جارہی ہیں تاکہ وہ مردوں کے شانہ بشانہ، بازاراور گلیوں /سڑکوں پر اپنے لیے روٹی کمانے کے لیے باہر نکلے اور یوں مردوں کو ان کے نان نفقہ بطور شوہر کی فطری ذمہ داریوں سے بری الذمہ قرار دیا جاسکے۔'' تاہم اقبال نے طبقہ نسواں کے لیے گھریلو ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کو ایک اہم کردار کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ اقبال کے نزدیک ان گھریلو ذمہ داریوں کو بہ احسن نبھانا ایک بہت ہی قابل تحسین امر ہے اور مزید کہا کہ ''ایک پردہ دار جو گھریلو ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہورہی ہے، وہ بہت زیادہ تعریف و تحسین کی حق دار ہے کہ وہ مستقبل کی نسل کی پرورش ونگہداشت کررہی ہے۔''

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
اس کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں!

سعدیہ آفتاب نے اقبال کی شاعری میں طبقہ نسواں کی حالت زار'' کی جانب توجہ مبذول کرائی ہے۔ اور مزید ان مسائل اور اعتراضات کا بھی بہت مدلل اور شافی جواب تجویز کیا ہے جو مساوات کے حامی لوگ اکثر کہتے ہیں۔ موصوفہ کے مطابق ''تمام دنیا میں خواتین کے بارے میں دو انتہائی متعارض نکتہ ہائے نظر پائے جاتے ہیں۔ اولاً وہ لوگ جو طبقہ نسواں کے بارے میں تمام تر انحصار دینی شعار سے اخذ کرتے ہیں اور ثانیاً وہ لوگ جو انکار خدا کی وجہ سے آزاد خیال ہیں۔ موخرالذکر کے نزدیک اقبال کے خیالات طبقہ نسواں کے لیے ضرر رساں (Hostile) ہیں۔ وہ علامہ اقبال کے اس روایتی کردار کو جو انہوں نے خواتین کو بطور ماں اور بیوی کے دیا ہے، کے سخت مخالف ہیں۔ مزید برآں وہ مردوں کے لیے روزی کمانے اور عورتوں کو گھریلو ذمہ داریوں کے نبھانے کے تصور کے بھی مخالف ہیں۔ وہ ایسے خیالات کو قدیم مذہبی اور دولت مند طبقے کی ملی بھگت قرار دیتے ہیں۔'' (یورپ میں

سولہویں صدی کے یہودی/نصرانی اہل مذہب اور فیوڈل لارڈز کی طرح)۔ کارکن مرد اور عورتوں کے باہمی اختلاط کو، فیکٹری اور دفاتر وغیرہ میں، معاشی مساوات کے تصور سے غلط انداز میں باہم ملا کر، وہ ایک ایسی فضا قائم کرتے ہیں کہ ایک انسان ان بھول بھلیوں میں الجھ کر رہ جاتا ہے۔ ان کا یہ کہنا کہ ایک عورت جب تک خود کما کر اپنے لیے روزی کا سامان نہ کرے، اسے آزادی (Empowerment) حاصل نہیں ہوسکتی۔ اس طریق پر وہ لوگ، عورت اور مرد کے ان فطری بنیادی تصورات کی نفی کرتے ہیں جن جسمانی حالتوں اور تقاضوں کے ساتھ ہر دو اصناف کی تخلیق عمل میں آئی ہے۔ اور جواز خود مردوں کا خواتین کے استحصال کا ایک بین ثبوت ہے!۔''

مزید براں، آزادیٔ نسواں کے قائلین عورت کو گھروں کے اندر ''مقید'' کرنے کے بھی خلاف ہیں اور اسے خواتین کے لیے ایک علیحدگی اور دنیا سے کٹ جانے کا عمل سمجھتے ہیں۔ وہ لوگ پردہ/حجاب کو بھی عورتوں کو زبردستی اپنے قابو میں رکھنے کے ایک قدیم مذہبی روایت کا تسلسل سمجھتے ہیں۔ تاہم اقبال ان تمام تر غلط فہمیوں اور اعتراضات کے علی الرغم، **عورت کے لیے بچوں کی پیدائش کو ان کی تخلیق کا اولین اور سب سے اولیٰ مقصد قرار دیتے ہیں۔ اور پردے/حجاب کو اسلامی تعلیمات کا ایک بہت ہی ضروری عنصر گردانتے ہیں۔** چونکہ علامہ اقبال عورت کے لیے اس کے گھر کو ایک مرکزی حیثیت دیتے ہیں اس لیے آزادی کے علمبردار انہیں طبقہ نسواں کا مخالف اور قدیم و تنگ نظری کا علمبردار قرار دیتے ہیں۔ سعدیہ آفتاب (۲۰۱۳ء) نے اپنے مقالے میں ایسے تمام لوگوں کو اقبال کے خیالات سے آگاہ نہ ہونے یا جان بوجھ کر ان سے صرف نظر کرنے کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔''

موصوفہ نے اپنے مقالے میں، خواتین کو اپنے نان و نفقہ کمانے کے ذمہ دار ٹھہرانے کے نظریے کی تردید میں ایک بہت ہی نادر توجیہہ کی ہے جو اقبال نے قرآن کریم سے اخذ کی ہے۔ چونکہ یہ ایک امر واقعی ہے کہ ایک عورت کی حیثیت ماں کی بھی ہوتی ہے تو یہ اس کا

فطری اور قدرتی حق ہے کہ وہ اپنے خاوند کی آمدنی کو اپنی ضروریات کی تکمیل اپنی مرضی اور خواہشات کے مطابق کر سکے۔ اس امر کے برعکس کہ وہ معاشی، سیاسی اور دیگر سماجی حقوق حاصل کرنے کا مطالبہ کرے اور یوں اپنے آپ کو بازار، دکان، دفتر اور کارخانے وغیرہ میں کام کرنے کی آزمائش میں ڈالے۔ موصوفہ نے اس امر پر زور دیتے ہوئے کہا کہ ''عورت کو اپنے شوہر کی آمدنی پر اختیار حاصل ہونا چاہیے اور یہ طرزِ عمل، ایک عورت کے لیے زیادہ خوشگوار اور فرحت بخش اور ذہنی تسکین کا باعث ہے۔''

علامہ اقبال نے ایک عورت کے حسنِ صورت کے مقابلے میں، اس کے ذاتی عمل اور حسنِ کردار اور اخلاقی صفات کو زیادہ اہم قرار دیا ہے۔ انہوں نے طبقہ نسواں کی ان صفاتِ عالیہ کو امت کی بہبود اور بھلائی کے لیے زیادہ اہمیت کا حامل قرار دیا ہے۔ احترامِ امومت کے اپنے اس موقف کی تائید میں، اقبال کو اپنا ایک آئیڈیل بتولؓ (حضرت فاطمہؓ) کی شکل میں طبقہ نسواں کے لیے ملا۔

فاطمہؓ / بتولؓ: مسلم خواتین کے لیے مثالی کردار

آزادیٔ نسواں کے حامی لوگوں کے برعکس جنہوں نے حضرت مریمؑ، رابعہ بصری اور دیگر خواتین کو ایک مثالی نمونے کے طور پر اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے، علامہ اقبال نے بتولؓ (حضرت فاطمہؓ) کو ایک مثالی کردار قرار دیا ہے امت کی تمام خواتین کے لیے تا قیام قیامت! آیئے اقبال کے اس حکیمانہ طرزِ عمل کا قدرے تفصیل سے مطالعہ کریں۔

''رموزِ بےخودی'' میں اقبال نے حضرت فاطمہؓ کے نام پر ایک نظم بعنوان ''در معنیٔ ایں کہ سیدہ فاطمہ الزہرہؓ اسوہ کاملہ ایست برائے نسائے اسلام'' لکھا ہے۔ اس نظم میں حضرت فاطمہؓ کی تین حیثیتوں کو نمایاں کیا ہے۔ بطور بنت پیغمبرِ اسلام، بطور زوجۂ علیؓ اور بطور والدہ ماجدہ حسنینؓ (حضرت حسنؓ و حسینؓ)۔ تاہم سیدہ کی پہلی دو حیثیتوں بطور بیٹی اور زوجہ کو زیادہ زیرِ بحث لائے ہیں۔ اس نظم کا آغاز ہی ایک بہت انوکھے اور حیران کن انداز میں سیدہؓ کی حیات افروز کے دو پہلوؤں کو اجاگر کرنے سے کیا ہے۔

مریمؓ از یک نسبت عیسیٰ عزیز
از سہ نسبت حضرتِ زہرہؓ عزیز!

(حضرت مریمؑ کو ہم حضرت عیسیٰؑ سے (مادرانہ) نسبت کی بنا پر عزیز رکھتے ہیں جب کہ حضرت فاطمۃ الزہرا ایسی تین نسبتوں سے عزیز تر ہیں۔)

نورِ چشم رحمت اللعالمین
آں امامِ اولین و آخریں
آں کہ جاں در پیکرِ گیتی دمید
روزگار تازہ آئین آفرید
بانوئے آں تاجدار ھل اتٰی
مرتضیٰؓ مشکل کشا شیر خدا
مادر آں مرکز پرکارِ عشق
مادر آں کارواں سالارِ عشق!

(پہلی نسبت یہ کہ آپ حضرت محمدؐ رحمۃ للعالمین کی نورِ نظر تھیں، جو پہلوں اور پچھلوں کے امام تھے۔ ان کی وجہ سے دنیا کے جسم میں جان پھونکی گئی اور ایسا زمانہ معرضِ وجود میں آیا جس کے قاعدے، قانون اور آئین بالکل نئے تھے۔ دوسری نسبت یہ کہ حضرت فاطمہؓ ھل اتی کے تاجدار کی حرم تھیں۔ (یعنی زوجۂ علیؓ) تیسری نسبت یہ کہ آپؓ دو جلیل القدر بزرگوں کی والدہ تھیں اُن میں ایک عشق حق کی پرکار کے مرکز بنے (حضرت حسنؓ) اور دوسرے کو عشق حق کی سالاری ملی (حضرت حسینؓ)۔

بحیثیت زوجۂ حضرت علیؓ، ہم ہر وقت انہیں گھریلو امور میں مصروفِ عمل دیکھتے ہیں کہ ان کے ہاتھوں میں پتھر کی چکی پر آٹا پیستے ہوئے چھالے پڑ جاتے ہیں اور یوں ہاتھ زخمی ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے ان تمام تکالیف کو بغیر کسی پریشانی اور افسردہ حالت

نہایت صبر و استقلال کے ساتھ قبول کیا۔ درحقیقت سیدہؓ نے اپنی پسند اور ناپسند کو مکمل طور پر اپنے خاوند کی پسند و ناپسند کے تحت کرلیا تھا جیسے کہ سیدہؓ کی اپنی کوئی پسند ہی نہ تھی۔ حضرت علیؓ کی جو کچھ بھی پسند اور ترجیح تھی، سیدہؓ نے اسے اس ذوق وشوق اور پسندیدگی سے اختیار کرلیا تھا کہ جیسے کہ وہ ان کی اپنی پسند اور ترجیح بن گئی تھی کہ علامہ اقبال کو کہنا پڑا:

نوری و نار ہم آتش فرمانبرش
گم رضائش در رضائے شوہرش
آں ادب پروردۂ صبر و رضا
آسیا گردان و لب قرآن سرا
گریہ ہائے او ز بالیں بے نیاز
گوہر افشاندے بدامانِ نماز
رشکِ او برچید جبرائیل از زمیں
ہمچو شبنم ریخت برعرشِ بریں!

(نوری اور ناری فرشتے اور جن و پری آپؓ کے فرمانبردار تھے۔ شوہر کی فرمانبرداری کا یہ عالم تھا کہ آپؓ نے اپنی مرضی شوہر کی مرضی میں گم کردی تھی (سراپا تسلیم ورضا تھیں) آپؓ نے صبر ورضا کی ادب گاہ میں تربیت پائی تھی اور صبر ورضا کی کیفیت یہ تھی کہ چکی پیستی جاتیں اور کلام اللہ کی تلاوت کرتی جاتیں۔ آپؓ کے آنسو تکیے پر کبھی نہ گرے۔ نماز کے لیے کھڑی ہوتیں تو آنکھوں سے آنسو موتیوں کی طرح گرنے لگے۔ جبرئیل ان آنسوؤں کو زمین سے اٹھالے جاتے اور شبنم کی طرح عرشِ بریں پر ڈال دیتے تھے!)

درج بالا کلماتِ تحسین وآفریں کے بعد، آیئے حضرت فاطمہؓ کے اسوۂ حسنہ کے ایک اور پہلو کا مطالعہ اس نظم کے دوسرے بندوں میں کریں۔

رشتۂ آئینِ حق زنجیر پاست
پاس فرمانِ جناب مصطفیٰؐ ست
ورنہ گردِ تربتش گرویدمے
سجدہ با برخاکِ او پاشیدمے!

(اللہ تعالیٰ کے قانون کی ڈوری نے میرے پاؤں باندھ رکھے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کا پاس مجھے روک رہا ہے، ورنہ میں حضرت فاطمہؓ کے مزار کا طواف کرتا اور اس مقام پر سجدہ ریز ہوتا۔)

حسنینؓ کی والدہ ماجدہ کے طور پر، سیدہؓ نے ان دونوں کی تعلیم و تربیت اس احسن انداز سے کی کہ ایک امن و آشتی کا نقیب بن گیا جس کی وجہ سے امت کو محبت اور اتحاد کا سبق ملا جبکہ دوسرے نے حق و باطل کے فرق کو اس طریق پر اجاگر کیا کہ قیامت تک کے لیے وہ حق و صداقت کا علمبردار بن گیا۔ پس انہوں نے اپنی اور خاندان کی قربانی دے کر حق و صداقت کے ان دائمی اصولوں کی پاسداری کا ایک ایسا انمٹ ثبوت فراہم کر دیا جس سے انسانیت، قیامت تک کے لیے سبق حاصل کرتی رہے گی۔ (سید مودودیؒ: ۲۰۱۵)۔ ہر دو کو امت مسلمہ میں جو عظیم حیثیت حاصل ہے وہ انسانیت کے لیے مشعل راہ ہے!

درج بالا خصوصیات بطور زوجہ اور والدہ ماجدہ، اقبال سیدہ فاطمہؓ کے بارے میں رطب اللسان ہیں اور ان خصوصیات کی بناء پر آپؓ کے کردار کو مسلمان خواتین کے لیے ایک مثالی کردار کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ ارمغان حجاز میں مسلمان خواتین کو بطور نصیحت یوں کہا:

اگر پندے ز درویشے پذیری
ہزار امت بمیرد تو نہ میری
بتولِؓ باش و پنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوش شبیرؓے بگیری!

(اے مسلمان خاتون، اگر تم میری نصیحت مانو تو تم لافانی بن جاؤ گی اگرچہ کوئی
بھی فرد اور قوم ہمیشہ زندہ نہیں رہ سکتی (یعنی سب کو مرنا ہے) فنا ہے)
''تمہیں چاہئے کہ بتولؓ کے نقش قدم پر چلو اور اپنی ذات کو دنیا سے پوشیدہ
رکھو کیونکہ ایسی خواتین ہی کی گود میں شبیرؓ (حسینؓ) پرورش پاتے ہیں۔''

درج بالا اشعار میں ایک بیوی اور ماں کے کردار کو سراہتے ہوئے، علامہ نے یوں دلیل دی ہے کہ جب کوئی ایک فرد اس کردار کا مظاہرہ کرتا ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی تخلیق کی ہے اور وہ اس مقصد کے حصول کے لیے رسولؐ خدا کا اتباع کرتا ہے تو پھر وہ شخص ترقی کے ایک ایسے انقلابی عمل سے گزرتا ہوا مسلسل روحانی منازل کی بلندیوں تک پہنچ جاتا ہے۔ اسی طرح ایک عورت اپنی زندگی کے اس مقصد (نسل انسانی کے اضافے) کے ذریعے ایک صالح معاشرے کی تشکیل میں اپنا کردار ادا کرتی ہے تو وہ بھی روحانی منازل کی بلندیوں کو حاصل کر لیتی ہے۔ ایک عورت کا یہ عمل، ایک دوسری ایسی عورت کے عمل کے بالکل برعکس ہوتا ہے جو اپنی ذات تک ہی اپنی زندگی کو محدود رکھتی ہے اور اپنی فطری جنسی خواہش کی آزادانہ تکمیل کرنا چاہتی ہے تو وہ دراصل اس طرح انسانیت کی خدمت کے جذبے سے عاری ہوتی ہے بمقابلہ پہلی عورت کے کردار اور عمل کے جو تولدِ انسانی کے ذریعے نہ صرف اپنی فطری خواہش کی تکمیل کرتی ہے بلکہ یوں اپنی ذات کی تکمیل کا سامان بھی کرتی ہے۔ حقیقت میں ایسی عورت اپنی ذات کے خول سے آزاد ہو کر اپنی خداداد صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کرتی ہے۔

سیدہ بتولؓ کی پیروی میں ایک مسلم خاتون، خدمت انسانیت کے جذبے سے سرشار ہو کر روحانی ترقی کی انتہائی بلندیوں کو چھونے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ اور یوں وہ ایک لافانی حیثیت کی حامل ہو جاتی ہے۔ جن کے پیروں تلے جنت اس لیے رکھ دی جاتی ہے کہ وہ ایک ماں ہے جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بھی بیان کیا گیا:

گفت آں مقصودِ حرفِ کن فکاں

زیر پائے امہات آمد جناں!

(وہ رسولؐ) جس کی خاطر اللہ تعالیٰ نے ''کُن'' کہہ کر دنیا بنائی، اس کا فرمان ہے کہ جنت ماں کے قدموں تلے ہے!)

قبل ازیں کہ ہم اس گفتگو کا اختتام کریں، یہ ضروری محسوس ہوتا ہے کہ اس ایک سوال کا جواب دیں کہ مساوات کے حامی لوگوں نے کیوں کر حضرت عائشہؓ، مریمؑ اور دیگر خواتین کو اس قدر زیادہ اہمیت دی ہے بمقابلہ حضرت فاطمہؓ کے؟ اور کیوں کر سیدہ فاطمہؓ کی زندگی ان لوگوں کے نگاہِ انتخاب میں نہ آسکی؟ اگرچہ ہم ان تمام خواتین بالخصوص ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بارے میں دل کی گہرائیوں سے معترف ہیں اور ان کی زندگی کو مسلم خواتین کے لیے مینارۂ نور سمجھتے ہیں **تاہم یہ بھی ایک ناقابلِ تردید ہے کہ مساوات کے حامی لوگوں کے لیے حضرت فاطمہؓ کی زندگی اور حسن عمل، قابلِ تقلید نہیں کیونکہ سیدہؓ کی تمام تر زندگی، مساوات مرد وزن کے حامی لوگوں کے نکتہ نظر، خیالات اور استدلال کی واضح انداز میں نفی کرتی ہے۔** ان لوگوں کا یہ خیال کہ معاشی آزادی کے حصول کے لیے عورت اور مردوں کے درمیان اختلاط، ہر جگہ اور ہر وقت (مارکیٹ، دفاتر، فیکٹری وغیرہ) نیز پرائیویٹ اور سرکاری اداروں میں ضروری ہے جس کے لیے پردہ/حجاب غیر ضروری ہے، سیدہؓ کے طرز عمل سے متصادم ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ سیدہ فاطمہؓ اپنے خاوند کی نہایت ہی وفادار بیوی تھیں اور جنہوں نے اپنے شوہر کے خیالات اور طرز عمل کو اپنے لیے مشعل راہ بنا لیا تھا۔ سیدہؓ نے اللہ اور رسولؐ کے احکامات کے تحت اپنے آپ کو دنیا کی نظروں سے چھپا لیا تھا اور انہوں نے اپنی تمام تر زندگی ان احکامات کا اتباع کرتے ہوئے گزار دی، وہ بچوں کی تعلیم و تربیت میں ہمہ وقت مصروف عمل رہیں اور انہیں کبھی بھی اس بات پر ندامت نہیں ہوئی کہ انہوں نے سماجی میدان میں کوئی نمایاں خدمت سرانجام نہیں دی تاہم کیا ان کے اس حسن عمل اور کردار کی

اہمیت اور ضرورت سے انکار کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے زینبؓ اور حسنینؓ جیسے بہادر اور حق پرست وحق گو بچوں کی تربیت کے ذریعے، مسلمان مرد وخواتین کے لیے اس قدر قابل تقلید نمونہ قیامت تک کے لیے چھوڑا جس کی مثال تاریخ انسانیت میں ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتی!

موجودہ زمانے میں جبکہ اخلاقی اور جنسی انحطاط اپنے عروج کو پہنچا ہوا ہے اور امت مسلمہ کی زندگی کے تمام پہلوؤں کو متاثر اور تباہ کر رہا ہے، اور اس طوفان نے نہ صرف گزشتہ دو تین صدیوں بلکہ گزشتہ پچاس سالوں میں (قیام پاکستان کے بعد) امت کی نوجوان نسل کو گمراہی اور مایوسی کے عمیق ترین گڑھوں کے کنارے لا کھڑا کیا ہے۔ وہ ایک لامقصد اور لاشعور زندگی کا شکار ہو کر رہ گئے ہیں اور مغرب کی اندھا دھند پیروی میں مصروف عمل (محمد آفتاب خان اور اسماء آفتاب ۲۰۱۷ء)۔ ان گھمبیر اور خطرناک ترین حالات میں علامہ اقبالؒ نے مسلمان خواتین کو اپنے اس عظیم مقصد کی تکمیل کے لیے کوششیں جاری رکھنے کا پیغام دیا کہ وہ امت مسلمہ کے بہترین مستقبل کی تعمیر کے لیے اپنی گودوں میں پلنے والی نسلوں کو ماحول کے غیر اخلاقی رویوں اور طریقوں سے بچائیں اور انہیں ایک سچا مسلمان بنائیں۔ اقبال کے نزدیک ایک بیوی صرف اپنے خاوند کی محبوبِ نظر ہی نہیں ہوتی اور صرف گھریلو امور سرانجام دینے کی ذمہ دار نہیں ہوتی بلکہ اس پر بہت سی سماجی، تعلیمی اور اخلاقی ذمہ داریوں کا بوجھ بھی ہوتا ہے جسے بہ احسن نبھانا اس کا فرض اولین بنتا ہے۔ علامہ اقبال نے حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی سیرت کو عورتوں کے لیے بطور نصب العین پیش کیا ہے۔ بیٹی کی حیثیت سے، بیوی کی حیثیت سے اور ماں کی حیثیت سے ...... حضرت زہراؓ کی زندگی قیامت تک تمام دنیا کی عورتوں کے لیے نمونہ ہے:

ان گذارشات کو ختم کرنے سے قبل ضروری ہے کہ علامہ اقبال نے اپنی فارسی شاعری کی کتاب ارمغانِ حجاز میں ''دختران ِملت'' کے عنوان کے تحت ایک بہت ہی نادر اور اچھوتا تصور/خیال پیش کیا ہے۔ اشعار ملاحظہ ہوں

ضمیر عصر حاضر بے نقاب است
کشادش در نمودِ رنگ و آب است
جہاں تابی زنور حق بیا موز
کہ روبا صد تجلی در حجاب است!

(دورِ حاضر اپنی تمام ترخرابیوں کے علی الرغم بے نقاب (عریاں) ہے کہ اس کا مظاہرہ رنگ و آب کی صورت میں بہت واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے لیکن اے مسلمان خاتون تو نورِ حق سے سبق حاصل کر کہ وہ ذات باری تعالیٰ اپنے ہزارہا تجلیوں اور اتوار کے باوجود چھپی ہوئی (مستور/حجاب) میں ہے۔)

انہی اشعار میں علامہ نے ملت کی بیٹیوں کو نصیحت کی ہے کہ وہ بتولؓ (حضرت فاطمہؓ) کی پیروی اور تقلید کریں۔ متعدد اشعار میں علامہ نے ''ماں'' کو بطور ایک علامت (Symbol) برائے ''اسلام'' استعمال کیا ہے، بالخصوص درج ذیل شعر میں اسے انسانیت کے مختلف امراض (از قسم سوشل، دینی اور روحانی امراض) سے شفا پانے اور صحت مند ہونے کے لئے ایک نگہبان (Care Taker) کے طور پر پیش کیا ہے، جن امراض میں امت گذشتہ کئی صدیوں سے مبتلا ہے

دست ہر نااہل بیمارت کند
سوئے مادر آ کہ تیمارت کند!

درج بالا صفحات میں مندرج گفتگو سے یہ بآسانی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت فاطمہؓ کے بارے میں اس قدر جامعیت کے ساتھ ذکر اور صفات کے اظہار سے دراصل مقصود طبقۂ نسواں کے لئے عزوشرف کے اظہار سے ہے!

اقبال اور مساواتِ مردوزن (Feminism)

یہ امر باعث دلچسپی ہوگا کہ جب یورپ میں مساواتِ مردوزن کا نعرہ اپنی ابتدائی صورت میں بلند ہو رہا تھا تو علامہ اقبال نے امت مسلمہ کی خواتین کے لیے بالخصوص اور تمام

دنیا کے طبقۂ اناث کے لئے بالعموم اس کے مضمرات کا بخوبی اندازہ کرلیا تھا۔ (ضمیمہ س)

ذیل کی سطور میں ہم علامہ اقبال کی شاعری میں ان خیالات و افکار کا مطالعہ کریں گے جس سے علامہ کی ژرف نگاہی اور دور اندیشی کا بدرجہ اتم علم ہوتا ہے نیز اس امر کی جانب بھی اشارہ کریں گے کہ اس قسم کے مستقبل کے حامل مضمرات کیوں کر پاکستان کے ان مرد و خواتین کی نظروں سے اوجھل رہ گئے جنہوں نے مساواتِ مرد و زن کا نعرہ بلند کیا ہوا ہے؟

جاوید نامہ میں مریخ کی ایک نام نہاد نبیہ کا ذکر ہے۔ اس نظم میں علامہ اقبال نے ''زندہ رود'' کے قلمی نام سے مولانا رومی کی سربراہی میں عالم خواب میں مختلف آسمانوں کی سیر کی۔ اس سفر کے دوران، ان کی ملاقات متعدد بڑی بڑی شخصیات سے ہوئی تاہم جب وہ مریخ سیارہ سے گذرے، تو انہوں نے ایک عورت کو دیکھا جس نے اپنے آپ کو جعلی نبیہ کے طور پر، متعارف کرا رکھا تھا اور وہ خواتین کی نمائندہ کا روپ دھارے ہوئی تھی۔ اس نے جن امور کا اپنی گفتگو میں تذکرہ کیا، بعد ازاں وہ تمام نکات زمانۂ جدید میں مساواتِ مرد و زن کی تحریک کے نمایاں ترین ایجنڈا بن گئے۔ ان نکات کا تمام تر زور مردانہ تفوق کی نفی کرنا اور طبقہ اناث کو ورغلانا تھا کہ وہ اپنا تمام تر تعلق مردوں سے منقطع کرلیں۔

یہ واضح ہے کہ مریخ کی عورت، صنفِ نازک کو مرد کی غلامی سے آزاد کرانا چاہتی ہے۔ وہ اپنی ہم صنفوں کو باور کراتی ہے کہ اب زمانہ بدل گیا ہے۔ سائنس نے انسانی زندگی کے اقدار کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا ہے۔ اب نسل انسانی، شادی بیاہ کے بندھن کے بغیر بھی جاری رہ سکے گی۔

یہ امر باعث دلچسپی ہوگا کہ علامہ نے جاوید نامہ کی تحریر کا آغاز ۱۹۲۹ء کیا اور تین سالوں میں مکمل کر کے ۱۹۳۲ء میں شائع ہوا۔ محمد احمد خان (۱۹۷۸) کے بقول کہ ایسا کوئی کلام اب تک فارسی زبان میں ایران سے بھی شائع نہیں ہوا۔ علامہ اقبال نے جب

۱۹۳۵ء میں یورپ کا دورہ کیا تھا تو مساواتِ مرد وزن کے حامی افراد کے خیالات سے انہیں وہاں آگاہی ہوئی تھی۔ انہوں نے چشم تصور سے مشاہدہ کرلیا تھا کہ یہ تمام خیالات جلد ہی مسلمان خواتین کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیں گے اور یوں انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعے ان خیالات کو پیش کیا۔

اس کتاب میں کسی جگہ ہم نے یورپ میں اٹھارویں صدی میں عورتوں کی حالت زار کے بارے میں واضح کیا ہے۔ ان کے مطالعے سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ وہاں طبقہ خواتین کس قسم کے نامساعد حالات اور بدترین تشدد و جارحیت کا شکار تھیں۔ تاہم مریخ کی سیر کرتے ہوئے علامہ کو جب اس عورت کو دیکھنے کا موقعہ ملا تو علامہ نے اس کے خیالات کو نظم کی شکل میں یوں بیان کیا۔ ''ہم اس شہر کی ہزارہا گلیوں اور بلند بالا عمارتوں کا نظارہ کرتے ہوئے گذرے تو اس شہر کے کونے میں ایک بہت بڑا مربع نما میدان تھا جہاں عورتوں اور مردوں کا ایک جم غفیر موجود تھا۔ اور ان کے درمیان ایک عورت انار کے درخت کی شکل میں کھڑی تھی۔ اس کا چہرہ سرخی سے تمتما رہا تھا۔ تاہم وہ معنوی روح سے یکسر خالی تھا کہ اس کا صحیح حال بیان کرنا بہت مشکل تھا۔ اس کی گفتگو میں شعلہ بیانی نہیں تھی اور اس کی آنکھوں میں نمی بھی نہیں دیکھی جاسکتی تھی (جو جذبات کی وجہ سے اکثر آنکھوں کو نم دار کر دیتی ہیں)۔ اس کی تقریر جذبات سے خالی تھی اور اس کے سینے کے ابھار نوجوانی کے (شباب) کے غماز نہ تھے۔ اس کی صورت اس حد تک مبہم تھی کہ اس کے بارے میں اندازہ لگانا چنداں مشکل تھا۔ وہ جذبۂ محبت سے خالی تھی اور اس کا وجود محبت کے جذبات سے خالی تھا۔ اس کی مثال ایک ایسی چڑیا کی سی تھی جسے محبت کے عقاب نے جھپٹ لیا ہو۔ وہ ایک ایسے فقیر کا روپ دھارے ہوئی تھی جو مختلف النوع امور کا بخوبی علم رکھتی تھی تاہم وہ مریخ کی مخلوق میں سے نہ تھی۔ فرزمرز نے اسے اغوا کرلیا تھا اور اس کی تربیت بطور ایک پیامبر کے کی تھی۔ اور پھر اسے زمین پر چھوڑ دیا تھا۔ اس نے کہا کہ میں جنت/ آسمانوں سے آئی ہوں اور میرا ایک آخری پیغام اہم حیثیت کا حامل ہے۔ وہ عورت اور مرد کے موضوع پر بہت بے حجابانہ کھلے

انداز میں گفتگو کر رہی تھی اور اپنی گفتگو میں زندگی کے پوشیدہ امور پر بہت واضح انداز میں گفتگو کر رہی تھی۔ اب میں اس کے الفاظ میں بیان کردہ حقائق بیان کروں گا۔'' تصویر میں اس عورت کا حلیہ دیکھا جا سکتا ہے۔

علامہ اقبال کی اس نظم کے مختصر تعارف کے بعد اب ہم اس ''پیغام'' کا مطالعہ کریں گے جسے ''مریخ کی نبیہ کا انتباہ'' (Admonition of the Martian Probhetess) کا عنوان دیا گیا ہے۔

اے زناں! اے مادراں! اے خواہراں!
زیستن تا کے مثالِ دلبراں؟
دلبری اندر جہاں مظلومی است
دلبری محکومی و محرومی است
در دو گیسو شانہ گردانیمِ ما
مرد را نخچیر خود دانیم ما
مرد صیادی بہ نخچیری کند
گردِ تو گردد کہ زنجیری کند!
خود گدازیہائے او مکر و فریب
درد و داغ و آرزو مکر و فریب!
گرچہ آں کافر حرم سازد ترا
مبتلائے درد و غم سازد ترا
ہم بسر او بودن آزارِ حیات
وصل او زہر و فراقِ او نبات
مار پیچاں! از خم و پیچش گریز
زہر ہایش را بخون خودمریز!
از امومت زرد روئے مادراں!
اے خنک آزادیٔ بے شوہراں!

O___اے عورتو! اے ماؤں! اے بہنو! یہ دلبروں کی سی زندگی کب تک بسر کرو گی۔

O___ دلبری دنیا میں مظلومی ہے۔ دلبری محکومی اور محرومی (کا نام) ہے۔

O___ ہم اپنی دو زلفوں میں کنگھی کرتی ہیں اور اس طرح مرد کو اپنا شکار سمجھتی ہیں۔

O___ مگر مرد (ظالم) تو ہمارا شکار بن کر اُلٹا ہمیں اپنا شکار کرتا ہے۔ وہ تو عورت کے گرد اس لیے پھرتا ہے تاکہ تجھے وہ فریب دے کر اپنا غلام بنا لے۔

O___ اس کی خود گدازیاں فریب ہیں۔ اس کا درد و داغ اور آرزو سب مکر و فریب ہیں۔

O___ اگرچہ وہ کافر تجھے اپنی بیوی بناتا ہے لیکن درحقیقت وہ تجھے درد و غم میں مبتلا کرتا ہے۔

O___ اس کا ہم پہلو ہونا زندگی کا بڑا دُکھ ہے۔ اس کا وصل زہر اور فراق مصری کی ڈلی ہے۔

O___ وہ (مرد) ایک بَل کھاتا ہوا سانپ ہے اس کے پیچ و خم سے بچو۔ اس کے زہر کو اپنے خون میں نہ ڈالو۔

O___ ماں بننے سے ماؤں کا چہرہ زرد ہو جاتا ہے۔ شوہروں کے بغیر آزاد زندگی کتنی اچھی ہے۔ (کیا خوب ہے)

آمد آں وقتے کہ از اعجاز فن
می تواں دیدن جنین اندر بدن!
حاصلے برداری از کشت حیات
ہرچہ خواہی از بنین و از بنات!
گر نباشد بر مرادِ ما جنین
بے محابا کشتن او عینِ دین!
در پسِ ایں عصر اعصارِ دگر
آشکارا گردد اسرارِ دگر
پرورش گیرو جنین نوعِ دگر
بے شب ارحام دریا بدسحر!
تا بمیرد آں سراپا اہرمن
ہمچو حیواناتِ ایام کہن!

O___ اب وہ وقت آ رہا ہے کہ سائنس کے معجزے سے عورت کے بدن کے اندر جنین کو رحم کے اندر دیکھا جا سکے گا۔

O___ وہ وقت قریب ہے جب تم زندگی کی کھیتی سے اپنے حسب خواہش پیداوار حاصل کر سکو گی۔ (اپنی مرضی کے مطابق بیٹے یا بیٹیاں حاصل کر سکو گے)۔

O___ اگر پیٹ میں بچہ ہماری خواہش کے مطابق نہ ہوگا تو بے خوف ہو کر اسے مار ڈالنا بھی عین دین ہوگا۔

O___ اس زمانے کے بعد اور بھی کئی زمانے آئیں گے جن میں اور نئے نئے راز (بھید) ظاہر ہوں گے۔

O___ ماں کے پیٹ میں بننے والا بچہ کچھ اور ہی ڈھب سے پرورش پائے گا، ماں کے پیٹ یعنی رحم میں رات بغیر صبح ہو جائے گی (یعنی ٹیسٹ ٹیب بچے پیدا ہوں گے)

O___ تا کہ مرد جو سراپا شیطان ہے وہ پرانے زمانے کے ان حیوانات کی طرح مر جائے جن کا دنیا میں اب کوئی وجود نہیں۔

لالہ ہا بے داغ و بادامانِ پاک
بے نیاز از شبنمے خیزد زخاک!
خودبخود بیروں فتد اسرارِ زیست
نغمہ بے مضراب بخشند تارِ زیست!
آنچہ از نیساں فرو ریزد مگر
اے صدف در زیر دریا تشنہ میر
رستن از ربطِ دو تن توحید زن
حافظِ خود باش و برمرداں متن!

O___ لالہ کے پھول داغ کے بغیر اور پاک دامنی کے ساتھ شبنم کا احسان اُٹھائے بغیر مٹی سے اُگا کریں گے (مرد کے بغیر بچے پیدا کرو گی)

O___ زندگی کے راز خود بخود ظاہر ہو جائیں گے اور زندگی کا ساز مضراب کے بغیر ہی نغمہ پیدا کرے گا۔ (میاں/ بیوی کے تعلقات کے بغیر بھی بچے پیدا ہوا کریں گے)

O___ ابر نیساں سے جو قطرہ نیچے گرتا ہے، اے سیپی (عورت) تو سمندر کی تہہ میں پیاسی مر جا۔

O___ دو جسموں کے ربط سے آزاد ہونا ہی عورت کی توحید ہے۔ تو اپنی خود محافظ بن جا اور مرد پر کسی قسم کا ناز نہ کر۔

عالم علوی کی سیر کے دوران دوشیزۂ مریخ کے اس ''اعلان مساوات'' کے جواب میں زندہ رو (اقبال) نے یوں کہا کہ:

مذہبِ عصر نو آئینے نگر
حاصلِ تہذیبِ لا دینی نگر
زندگی را شرع و آئین است عشق
اصل تہذیب است دیں، دین است عشق!
ظاہرِ او سوزناک و آتشیں
باطن او نورِ رب العالمین!
از تب و تاب درونش علم و فن
از جنونِ ذو فنونش علم و فن
دیں نگردو پختہ بے آدابِ عشق
دیں بگیر از صحبت اربابِ عشق!

O___ تو (زندہ رود) ذرا نئے آئین والے زمانے کے مذہب کو دیکھ، اور ایک لا دین تہذیب کے اثرات یا نتائج کا حاصل دیکھ لے (یہ بات اس 'نبیہ' کے واعظ کے حوالے سے کہی ہے)

O___ (حقیقت یہ ہے کہ) زندگی کا آئین و شرع عشق ہے، تہذیب کی اصل دین ہے اور

دین عشق ہے۔

O___ عشق کا ظاہری سوزناک اور آتشیں ہے اور اس کا باطن رب العالمین کا نور ہے۔

O___ اس (عشق) کے اندرونی تب و تاب سے علم و فن وجود میں آتے ہیں، اس کے بے شمار ہنروں سے آگاہ جنوں سے علم و فن پیدا ہوتے ہیں۔

O___ آدابِ عشق کے بغیر دین پختہ/مضبوط نہیں ہوتا۔ تو (زندہ رود) اہل عشق کی صحبت ونگاہ سے دین حاصل کر۔

درج بالا اشعار میں علامہ اقبالؒ نے امت مسلمہ کو اس امر کی تاکید کی ہے کہ وہ مغربی تہذیب و تمدن کی پیروی کرنے سے بچیں کیونکہ اس کی بنیاد الحاد (نفی خدا کے تصور) پر مبنی ہے جبکہ اسلام ایک الہامی ضابطہ حیات ہونے کی وجہ سے، تمام انسانوں کے لیے نازل کیا گیا تھا۔ اس مضمون کی مزید تشریح کرتے ہوئے علامہ نے فرمایا کہ اسلامی تعلیمات نہ صرف دلوں کو متاثر کرتی ہیں بلکہ وہ دلوں کو اس حد تک گرما دینے والی بھی ہیں کہ انسانوں کے لیے الہامی پیغام ہونے کے ناطے، انسان کے لیے راہ نمائی کا بھی باعث ہیں۔ اسلام کی ماضی کی تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ اس دور میں انسانیت نے کس قدر امن واطمینان اور سکون و آشتی کی زندگی بسر کی۔ بالخصوص آخری شعر میں تو علامہ نے امت مسلمہ کو بہت تاکید کی ہے کہ وہ دین کے دامن کو تھام لیں اپنی تمام تر دلی گہرائیوں کے ساتھ تاکہ وہ اسلام کے ابدی پیغام کو دنیا میں عام کر سکیں۔ اور اس غرض کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ کسی اہل اللہ کی محبت و معیت میں دین کی تعلیمات نہ صرف حاصل کریں بلکہ ان پر عمل پیرا بھی ہوں۔

ا۔ شرف النساء بیگم

اپنے آسمانی سفر خواب میں (جیسا کہ گزشتہ صفحات میں تفصیلاً گفتگو کی گئی) علامہ اقبال کو شرف النساء بیگم کا محل بھی نظر آیا۔ اس محل کی تعمیر جو کہ ہیرے اور جواہرات سے کی گئی تھی نیز اس کی وسعت و خوبصورتی سے متاثر ہو کر علامہ نے استفسار کیا کہ ''اس محل کا مالک کون

ہے؟'' مولانا رومی (راہ نما) نے بتایا کہ یہ بیگم شرف النساء کا محل ہے جو مغل حکومت میں پنجاب کے گورنر کی بیٹی تھیں۔ **جاوید نامہ میں ''محل شرف النساء'' کے عنوان سے مولانا رومی نے جو تعارف کرایا ہے وہ پڑھنے کے لائق ہے اور خواتین کے اعلیٰ و ارفع مقام کی ایک واضح دلیل ہے جسے مولانا رومی جیسے صاحب علم نے سراہا ہے! اور اس امر کی تردید کے لیے بہت کافی ہے کہ اسلام کے مختلف ادوار میں طبقہ نسواں کو کم تر گردانا گیا ہے۔**

مزید ان اشعار میں یہ واضح بھی کیا گیا کہ وہ روزانہ قرآن کریم کی تلاوت کرتی تھیں اور تلاوت قرآن کے بعد اپنی تلوار قرآن کے نیچے رکھ دیا کرتی تھیں جو ان کے قرآن و جہاد کے ساتھ عشق کا ایک بین ثبوت ہے۔ اپنی وفات سے پہلے، شہزادی نے اپنی والدہ سے درخواست کی کہ قبر میں ان کا قرآن اور تلوار دونوں ان کے ساتھ رکھ دیں تاہم بعد میں جب سکھوں نے پنجاب پر قبضہ کیا تو لالچ میں آ کر انہوں نے مال و دولت کے حصول کے لیے قبر کشائی کی لیکن انہیں قرآن کے نسخے اور تلوار کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوا۔ علامہ اقبال کو جہاں سکھوں کے اس لالچ سے افسوس ہوا تاہم علامہ نے شہزادی سے گفتگو نہیں کی کہ وہ ایک پردہ دار خاتون تھیں۔

علامہ اقبال نے شرف النساء بیگم کے عشق قرآن و جہاد کی تعریف کرتے ہوئے جاوید نامہ میں جو اشعار لکھے ہیں، وہ از خود فارسی زبان میں اور اس کا ترجمہ آربری کے ترجمہ انگریزی میں پڑھنے کے لائق ہے۔ تاہم اردو ترجمہ، ہمارے ایک اقبال شناس دوست نے یوں کیا ہے

تاز قرآں پاک می سوزد وجود
از تلاوت یک نفس فارغ نبود
در کمر تیغ دو رو قرآن بدست
تن بدن ہوش و حواس اللہ مست

خلوت و شمشیر و قرآن و نماز
اے خوش آں عمرے کہ رفت اندر نیاز
مومنان را تیغ با قرآں بس است
تربتِ مارا ہمیں ساماں بس است
عمر ہا در زیرِ ایں زریں قباب
برمزارش بود و شمشیر و کتاب

O___ چونکہ اس کا وجود قرآن پاک سے سوز حاصل کرتا تھا اس لیے وہ قرآن کی تلاوت سے ایک پل بھی فارغ نہ بیٹھتی تھی۔

O___ اس کی کمر پر دو دھاری تلوار بندھی ہوتی تھی اور ہاتھ میں قرآن ہوتا تھا۔ اس کا تن بدن اور ہوش وحواس اللہ کی یاد میں مست رہتے تھے

O___ خلوت اور تلوار اور قرآن ونماز اس کی ہر وقت کی ساتھی تھیں۔ وہ زندگی کیسی اچھی ہے جو خدا کے حضور نیاز مندی وعاجزی میں گزری ہو۔

O___ مومنوں کے لیے قرآن کے ساتھ تلوار کافی ہے، لہٰذا میری قبر کے لیے یہی سامان کافی ہے۔

O___ اس سنہری گنبد کے نیچے مدتوں اس کے مزار پر تلوار اور قرآن پڑے رہے۔

مرقدش اندر جہانِ بے ثبات
اہل حق را داد پیغامِ حیات!
از دلش تاب وتبِ سیماب رفت
خود بدانی آنچہ بر پنجاب رفت
خالصہ شمشیر و قرآں را ببرد
اندراں کشور مسلمانی بمرد

حرف رومی در دلم سوزے فگند
آہ پنجاب ! آں زمین ارجمند
از تپ یاراں تپیدم در بہشت
کہنہ غم ہارا خریدم در بہشت!

O___ اس کے مرقد نے اس فانی دنیا میں اہل حق کو زندگی کا پیغام دیا۔
O___ یہاں تک کہ مسلمانوں نے اپنے آپ سے کیا جو کچھ کیا اور زمانے کی گردش نے ان کی بساط لپیٹ دی۔
O___ سکھ شرف النساء کی قبر سے شمشیر اور قرآن اٹھا کر لے گئے اور اس صوبہ پنجاب میں مسلمانی مر گئی (ختم ہو گئی)
O___ رومی کی بات نے میرے دل میں سوز پیدا کر دیا۔ آہ! پنجاب کی وہ قدر و منزلت والی سرزمین۔ بہشت میں دوستوں کی یاد کی گرمی نے مجھے بہت تڑپا دیا اور اس طرح میں نے بہشت میں پرانے غم خرید لیے یعنی پرانے غم تازہ ہو گئے۔

مرد و زن وابستۂ یک دیگر اند
کائناتِ شوق را صورت گر اند
زن نگہہ دارندۂ نارِ حیات
فطرتِ او لوحِ اسرارِ حیات

O___ مرد اور عورت ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ دونوں شوق کی کائنات کے صورتِ گر ہیں۔ (کائناتِ شوق کی نقشبندی کرتے ہیں)
O___ عورت زندگی کی آگ کی حفاظت کرنے والی ہے۔ اس کی فطرت زندگی کے رازوں کی تختی ہے۔

درج بالا گفتگو سے یہ اندازہ لگانا چنداں مشکل نہیں کہ خواتین کے مسئلے کو علامہ اقبال نے کس زاویے اور نکتہ نظر سے دیکھا ہے۔ بیگم شرف النساء کو جو قلبی تعلق قرآن کریم کے

ساتھ تھا، ضرورت ہے کہ موجودہ مسلمان خواتین اسے حرز جاں بنالیں۔ نیز خواتین کو ذاتی دفاع کے نکتہ نظر سے عملی تربیت دینے کی بھی ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ان حقائق کی موجودگی میں کیا یہ کہنا قرین انصاف ہے کہ مسلمان اہل علم نے خواتین کو کم تر سمجھا ہے اور انہیں اس اعلیٰ مقام سے روکنے کی کوشش کی ہے جو انہیں حاصل تھا؟

جاوید نامہ میں تین سو کے لگ بھگ اشعار ہیں جو دراصل قرآنی تعلیمات کا ایک بیش بہا خزانے سے کم نہیں۔ درج بالا امور کے علاوہ، علامہ اقبال نے متعدد دیگر موضوعات از قسم نیشنلزم، سرمایہ دارانہ نظام اور سوشلزم وغیرہ کے بارے میں بھی بہت کچھ کہا اور لکھا ہے۔ مزید تخلیق آدم وحوا کے حوالے سے دونوں کو جنت سے نکالے جانے کو انہوں نے ہر دو کے لیے سزا کے تصور کی نفی کرتے ہوئے اسے انسانی ارتقاء سے نسبت دی ہے کہ اس طرح انسان (عورت اور مرد دونوں) کو اس زمین میں خلافت و نیابت الٰہی کے منصب پر سرفراز فرمایا گیا۔ (سورہ البقرہ، ۲:۳۰)

اپنی کتاب میں Arifa Farid (۲۰۰۶ء) نے تخلیق آدم وحوا کے ضمن میں جو دلائل دیئے ہیں ان میں انہوں نے استدلال کرتے ہوئے جو الفاظ خواتین کیلئے کہے ہیں وہ برائے مرد (For The Man) اور ''مرد سے'' (From The Man) ہیں۔ ان ہر دو پیرایۂ بیان سے ان کا مقصود یہ ہے کہ عورت کی تخلیق از خود مقصد نہ تھی بلکہ اسے آدم کی ضرورت یا اس کی ذات کیلئے پیدا کیا گیا جو طبقہ نسواں کو کم تر گردانے کے مترادف ہے۔ اس طرز استدلال کے برعکس، علامہ کے وہ اشعار دوبارہ پڑھ لیجئے جو گذشتہ صفحہ میں درج ہے کہ

مرد و زن وابستہ یک دیگر اند
کائناتِ شوق را صورت گراند!
زن نگہہ دارندۂ نارِ حیات
فطرت او لوحِ اسرار حیات! ◆

◆ ان اشعار کے معنی گذشتہ صفحات میں درج ہیں۔

درج بالا اشعار میں علامہ اقبال نے طبقہ نسواں کو ایک اعلیٰ ترین مقام پر فائز کیا ہے۔ علامہ نے جب یہ کہا کہ مرد و زن بطور زوجین ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں اور اپنی کائنات (تشکیل خاندان) کی تکمیل میں مصروف عمل، وہاں عورت کو ایک ایسے مقام پر فائز کیا ہے جس کی ہستی اس کرۂ ارضی پر نوع انسانی کے وجود کی بقا اور تسلسل کو قائم رکھنے کی واحد صورت ہے۔ فطری طور پر اُسے زندگی کے اس عظیم اور پراسرار کار تخلیق کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے جس سے ایک مرد کو بے بہرہ رکھا گیا ہے۔

علامہ اقبال کے کلام میں صنف نازک بطور علامتی کردار

علامہ اقبال نے اپنے کلام میں صنف نازک کو علامتی کردار کے طور پر بھی اپنے کلام میں واضح کیا ہے۔ مثال کے طور پر انہوں نے لیلیٰ، سلمیٰ کے علاوہ فاطمہ بنت عبداللہ جیسی بہادر خاتون کا ذکر بھی کیا ہے۔ ذیل میں ہم ان چند خواتین کے حوالے سے بھی کچھ پہلوؤں کا مطالعہ کریں گے۔

(۲) فاطمہ بنت عبداللہ:

لیبیا (طرابلس) میں ایک بہت طاقتور مسلمان قبیلہ رہتا تھا۔ اور فاطمہ، اس قبیلے کے سردار عبداللہ کی بیٹی تھی۔ اس کی پرورش اور تربیت صحرا کے کھلے اور کشادہ ماحول میں ہوئی تھی۔ ۱۹۱۲ء میں اٹلی کے عیسائی حکمران نے طرابلس پر حملہ کر دیا۔ مفتیٔ اعظم نے اٹلی کے خلاف جہاد کا اعلان عام کر دیا۔ اس جہاد میں نہ صرف عبداللہ کے قبیلے بلکہ دیگر مسلمان قبائل کے جنگجوؤں نے حصہ لیا۔ فاطمہ نے گیارہ سالہ عمر کے باوجود اس جہاد میں حصہ لیا۔ اور زخمی مجاہدین کو پانی پلاتے ہوئے زخمی ہوئی (اسلام کے ابتدائی ادوار میں صحابیاتؓ کے عمل کے عین مطابق جو جہاد میں زخمی لوگوں کی خدمت سرانجام دیتی تھیں)۔ ایک دن جبکہ بہت زیادہ بمباری ہو رہی تھی اس نے ایک مسلمان کو پانی مانگتے دیکھا۔ اس سپاہی کو پانی پلاتے ہوئے وہ خود بھی شدید زخمی ہوئی اور شہید ہوگئی۔ علامہ اقبال نے اس لڑکی کے اس جذبۂ جہاد سے متاثر ہو کر ایک نظم کہی۔ علامہ نے بجا طور پر اسے ''آبروئے امت مرحومہ'' کے نام سے بانگ درا

میں یاد کیا۔ مزید ہدیۂ اخلاص ومحبت اور تعریف کیلئے اس امر کا برملا اظہار کیا کہ:

ایسی چنگاری بھی یا رب اپنے خاکستر میں تھی؟

علامہ اقبال نے اس لڑکی کی شہادت کے بارے میں ایک ایسے اچھوتے تصور سے یوں آگاہ کیا کہ اسے امت مسلمہ کے احیائے نو کی نوید قرار دیا اور اس کی قبر کو آنے والے ایک ایسے اہم ترین پیغام کی حیثیت سے جانا گویا کہ امت مسلمہ کی ایک نئی نسل قبر کی گود سے تشکیل پا کر نکلنے کو تیار ہے۔

ہے کوئی ہنگامہ تیری تربت خاموش میں
پل رہی ہے ایک قومِ تازہ اس آغوش میں!

یہ تمام نظم، علامہ اقبال کی نظر میں، اس اعلیٰ ترین مقام ومرتبہ کی ایک بہت واضح مثال ہے، جو ان کی نظر میں خواتین اسلام کی تھی۔

اس نظم کے مختلف اشعار اس برتر اور اعلیٰ ترین مقام کی واضح انداز میں نشان دہی کر رہے ہیں جو ہمیشہ سے اسلام کے ادبی لٹریچر میں طبقہ نسواں کے بارے میں روا رکھا گیا ہے اور جس کی مثال دنیائے انسانیت کے کسی بھی مذہبی، علمی اور ادبی لٹریچر میں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی۔

ایک دوسرے نظم ''حضورؐ رسالت مآب میں'' علامہ نے دوبارہ فاطمہ بنت عبداللہ کے عنوان سے بانگ درا میں لکھی:

حضورؐ! دہر میں آسودگی نہیں ملتی
تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی
ہزاروں لالۂ وگل ہیں ریاض ہستی میں
وفا کی جس میں ہو بو، وہ کلی نہیں ملتی!
مگر میں نذر کو اک آبگینہ لایا ہوں
جو چیز اس میں ہے، جنت میں بھی نہیں ملتی

جھلکتی ہے تری امت کی آبرو اس میں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں!

اس جگہ اس امر پر بغور دھیان دینا ضروری ہے کہ اللہ کے رسولؐ سے مخاطب ہوتے ہوئے، علامہ اقبال نے عرض کیا کہ اس وقت دنیا سے امن آشتی کا وہ حیات افروز پیغام جو آپؐ لائے تھے، محو و ناپید ہو چکا ہے تو ایسے حالات میں مجھے آپ کی ذاتِ والا صفات کے لیے مناسب تحفہ نہ مل سکا۔ تاہم میں لیبیا (طرابلس) کے شہیدوں کا خون بطور تحفہ لانے میں کامیاب ہو گیا ہوں (بشمول خون فاطمہ بنت عبداللہ) جو انہوں نے طرابلس کے جہاد میں اللہ کی خاطر پیش کیا تھا۔ یہاں بھی طبقہ نسواں کی ایک عظیم مثال کو نمایاں کرنے میں علامہ کے تحسین و آفریں کے انداز کو ذہن میں تازہ رکھنا ضروری ہے۔ یہ وہ چند ایسے پہلو ہیں جن پر ہماری زیر تعلیم نوجوان نسل کو توجہ دینی چاہئے کہ علامہ نے فاطمہ کی قبر سے جس انقلابی پیغام کی نوید سنائی تھی، وہ ابھی تک تشنۂ تکمیل ہے کہ

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں!

(۳) لیلیٰ:

جیسا کہ ہم نے گزشتہ صفحات میں واضح کیا کہ علامہ اقبال نے طبقہ نسواں کے بارے میں ''سرراہے ذکر'' (Casually) نہیں کیا بلکہ اپنی شاعری میں اسے ایک مثالی کردار کی حیثیت سے استعارے کے طور پر بیان کیا ہے۔ اس طرح کا ایک کردار لیلیٰ کا ہے جو علامہ اقبال کے کلام میں متعدد جگہوں پر مذکور ہوا ہے۔ علامہ نے طبقۂ اناث کے اس کردار کی تحسین بطور ایک مضبوط سیرت و کردار کے احیائے اسلام کے عظیم الشان مقصد کے حصول کے سلسلے میں دی ہے۔ اور اس میں مجنوں یا قیس کے کردار کو اس جذباتی تصور کے ساتھ منسوب کیا ہے جو احیائے اسلام کے مقصد اعلیٰ کے حصول کے لیے امت مسلمہ کے دلوں کی دھڑکنوں میں رچا بسا ہوا ہے۔ قرآن کریم کی متعدد آیات (البقرہ، ۲: ۱۴۳، آل عمران اور

الحج) اس امر کی شاہد ہیں اور اللہ کے رسولؐ کی اپنی حیات طیبہ بھی اس حقیقت کی آئینہ دار ہے کہ امت مسلمہ کے لئے احیائے دین کا مقصد اعلیٰ ان کی زندگی کا نصب العین بنے۔

علامہ اقبال نے احیائے اسلام کے تصور کو اپنی شاعری اور علمی و ادبی نگارشات میں ایک اہم موضوع قرار دیا ہے۔ بانگ درا میں ایک نظم ''صقلیہ'' (سرزمین سلسلی جو کسی زمانے میں اسلامی تہذیب و تمدن کا گہوارہ تھا) کا ذکر کیا ہے۔ متعدد مقامات پر امت مسلمہ کو یاد دلایا ہے کہ وہ احیائے اسلام کے حصول کے لیے تن من دھن کی بازی لگا کر اس شاندار ماضی کی روایات کو دوبارہ تازہ کریں جیسا کہ قرآن کریم نے انہیں تلقین کی ہے۔ دیکھئے کس بہترین انداز میں علامہ نے یہ واضح کیا:

افرنگ زخود بے خبرت کرد وگرنہ
اے بندہ مومن تو بشیری تو نذیری!

اس شعر میں موجودہ امت مسلمہ کو خطاب کرتے ہوئے جہاں اس امر کو واضح کیا ہے کہ نہ صرف وہ تہذیبِ مغرب کے فسوں کا شکار ہو گئے ہیں اور یوں ذلت و نکبت امت کی تقدیر بن کر رہ گئی ہے بلکہ امت کو ان کا بھولا ہوا سبق یاد دلاتے ہوئے کہا گیا کہ ایک مسلمان کی حیثیت اس دنیا میں بشارت دینے والے اور آخرت کے ہولناک عذاب سے آگاہ (نذیر) کرنے والی ہے۔ ہر دو تصوراتِ بشیر و نذیر، موجودہ امت کو اس مقصد عظیم کے حصول کے لیے بھی بطور یاددہانی کرائے گئے ہیں کہ وہ اس دنیا میں اسلامی نظام کو قائم کرنے کے منصب جلیلہ پر فائز کئے گئے ہیں۔

مغرب زتو بیگانہ ، مشرق ہمہ افسانہ
وقت است کو در عالم نقش دگر انگیزی!

اس شعر میں بھی حضرت علامہ نے مغرب اور مشرق کے ذہن کی ان کمزوریوں کا ایسے برملا انداز میں اظہار اور نشان دہی کی ہے جو کم سے کم الفاظ میں ابلاغ اور تفہیم معنی کا ایک اعلیٰ ترین شاہکار ہے۔ اس امر کی نشان دہی کی گئی ہے کہ مغرب اپنے مخصوص حالت

کے تناظر میں الہامی ہدایت سے بے گانہ ہوگیا اور مشرق میں اوہام وخرافات نے الہامی ہدایت کو اس حد تک مسخ کر کے رکھ دیا کہ ایک انسان درخت، پانی اور پہاڑوں کو بھی خدا بنا بیٹھا۔ یا مردہ/ زندہ انسانوں کی ایک جذبۂ والہانہ کے ساتھ پیروی کرنے لگ گیا ہے! ایسے عالم میں امت مسلمہ، بطور امین ان صحیح ترین الہامی ہدایات کے، ذمہ دار ہے کہ وہ ان تعلیمات الٰہیہ کو بنی نوع انسان تک اپنے قول وعمل کے ذریعے پہنچائے۔ یہاں اس امر کی صراحت بھی شاید ضروری ہو کہ درج بالا دونوں اشعار میں علامہ کا خطاب ہر دو افراد صنف (عورت و مرد) سے یکساں طور پر ہے۔

(۴) سعد و سلمٰی:

عربی لٹریچر کے یہ دو ایسے کردار ہیں جن کا ذکر علامہ اقبال کی شاعری میں بار بار ہوا ہے۔ علامہ اقبال نے ان کرداروں کے استقلال، عزم وارادہ کی پختگی اور عمل پیہم کے طور پر (Symbolically) بطور ادبی اور استعاراتی علامت استعمال کیا ہے، یعنی انہوں نے ان کرداروں کو بطور امت مسلمہ کو احیائے اسلام کے مقصد اولیٰ کے حصول کے لیے یاد دھانی کے طور پر ذکر کیا ہے۔ ہم نے بھی یہاں ان کا ذکر اس استقامت اور عزم وہمت کے نقطہ نظر سے کیا ہے جو انہیں اپنے دنیاوی مقصد (عشق) سے تھا۔ ذرا دیکھئے علامہ نے ان کرداروں کو کس خوبصورتی سے احیائے اسلام کے مقصد کے ساتھ نتھی کیا ہے:

رخت جاں بت کدہِ چیں سے اٹھا لیں اپنا
سب کو محوِرُخ سعدیٰ و سلیمیٰ کردیں
دیکھ یثرب میں ہوا ناقۂ لیلیٰ بیکار
قیس کو آرزوئے نو سے شناسا کردیں

درج بالا اشعار میں پنہاں اس شعری لطافت ونزاکت کو انسان اپنے الفاظ میں بیان کرنے سے قاصر ہے جو ان دو اشعار میں بطور ''ایک خفیہ ادبی پیغام'' کے مستور ہے۔ تاہم ہم اپنے قارئین سے بجا طور پر امید رکھتے ہیں کہ وہ اس اعلیٰ ترین ادبی سٹائل اور اس کی

خوبصورتی سے ضرور فیض یاب ہوں گے جو کہ علامہ نے رخِ سعدیٰ و سلیمیٰ (یعنی احیائے اسلام) کے لیے امت مسلمہ کو ان دو اصطلاحی الفاظ سے دلائی ہے۔ دوسرے شعر میں علامہ اقبال نے اس ایک پردۂ غیبی میں پنہاں اسلامی حکومت (ریاست مدینہ) کو وجود میں لانے کی تاکیدی الفاظ کے ذریعے دلائی ہے کہ وہ اسلامی انقلاب کا جھنڈا عالم انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے بلند کریں۔

☆ بانگ درا میں ایک نظم ''عبدالقادر کے نام'' سے ہے۔ (اشارہ ہے علامہ کے ایک بیرسٹر دوست کی جانب جو ایک اردو ماہنامہ مخزن کے ایڈیٹر تھے اور جنہوں نے علامہ کے شاعری کی اردو کتاب کا سرنامہ بھی لکھا)۔ علامہ نے عبدالقادر کو توجہ دلائی کہ وہ اپنی تمام تر صلاحیتیں، انسانیت کو ان گھپ اندھیروں سے نکالنے میں صرف کردیں اور اسلامی تعلیمات کو عام کرنے کیلئے کوشاں رہیں۔ علامہ نے کہا:

اٹھ کہ ظلمت ہوئی پیدا افقِ خاور پر
بزم میں شعلہ نوائی سے اجالا کردیں

☆ علامہ اقبال کے کلام کو پڑھتے ہوئے ایک قاری اس تصور سے آگاہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ حضرت علامہ کو احیائے اسلام سے کس قدر قلبی اور ذہنی لگاؤ تھا اور وہ کس قدر انہیں محبوب و مقصود تھا۔ انہوں نے نہایت کمال ادبی حسن ''تضمین بر شعر انیس شاملو'' کے ذریعے اس دلی آرزو کا کس خوبی کے ساتھ اظہار کیا ہے۔ یہ اشعار، علامہ نے پیر سنجرؒ (نظام الدین اولیاء کا مزار دہلی) کی زیارت کے موقعہ پر کہے۔ حضرت علامہ کا یہ بھی ایک بہت اہم اور انوکھا ادبی انداز ہے کہ کسی اہم موضوع پر گفتگو کرنے سے پہلے وہ بہت ہی چونکا دینے والے اور توجہ مبذول کرانے والے الفاظ سے اپنے کلام کا آغاز کرتے ہیں۔ ذرا اس تیکھے پن کو بھی ملاحظہ فرمائیں۔

ہمیشہ صورت بادِ سحر آوارہ رہتا ہوں
محبت میں ہے منزل سے بھی خوشتر جادہ پیمائی!

اس شعر میں علامہ نے صراحت کی کہ وہ اپنے جذبۂ عشق (تلاش حق اور مقصد احیائے اسلام) کے لیے تگ ودو میں صبح کی تازہ ہوا کے جھونکوں کی مانند حالت سفر میں رہتے ہیں کیونکہ انہیں منزل ومقصود کی تلاش میں سرگرداں رہنا زیادہ محبوب ہے بہ نسبت کسی ایک جگہ قیام کرنے سے۔

حضرت نظام الدینؒ اولیاء کے مرقد پر کھڑے ہوئے ابھی علامہ اقبال نے ایک حرف بھی زبان سے ادا نہ کیا تھا کہ مرقد سے ایک تہدید آمیز آواز بلند ہوئی۔

یہ مرقد سے صدا آئی حرم کے رہنے والوں کو
شکایت تجھ سے ہے اے تارکِ آئین آبائی!
ترا اے قیس کیونکر ہوگیا سوزِ دروں ٹھنڈا
کہ لیلیٰ میں تو ہیں اب تک وہی انداز لیلائی!

جیسا کہ کہا گیا کہ اقبال کو مرقد سے ایک تہدید آمیز آواز سنائی دی کہ ''زمانۂ حال کے مسلمان (اقبال بطور ایک فرد امت مسلمہ) کے اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے سے غافل ہوگئے ہیں اس لیے ''اہل حرم'' (امت کے متقی و پرہیزگار اہل علم کے طبقے) کو ان سے ایک بدیہی شکوہ ہے۔ دوسرے شعر میں ایک دوسری تنبیہ وصول ہوئی کہ قیس (امت مسلمہ) نے اپنی اس مقصد زندگی اور نصب العین کو فراموش کردیا ہے جس کے لیے اس کی بعثت کی گئی تھی یعنی ''امت وسط'' جبکہ لیلیٰ (بطور ایک علامت احیائے اسلام) تو اب تک قیس (امت مسلمہ) کی منتظر راہ ہے!

ابھی علامہ اقبال، مرقد سے آنے والے ''ان محبت آمیز مگر تہدیدی الفاظ'' کے معنی و مفہوم کو سمجھنے بھی نہیں پائے تھے کہ انہیں درج ذیل اشعار میں نہاں تہدیدی پیغامات سننے پڑے اور وہ ایک مرتبہ تو اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھے جب انہوں نے اس تضمین کے درج ذیل اشعار سنے:

تجھے معلوم ہے غافل کہ تیری زندگی کیا ہے
کنشتی ساز، معمور نواہائے کلیسائی
ہوئی ہے تربیت آغوشِ بیت اللہ میں تیری
دلِ شوریدہ ہے لیکن صنم خانے کا سودائی
وفا آموختی ازما بکار دیگراں کردی
ربودی گوہرے ازما، نثارِ دیگراں کردی!

(اس آخری شعر نے تو گویا علامہ اقبال کی معرفت امت مسلمہ کے ہر فرد کو جو آئینہ دکھایا گیا ہے، وہ اس قابل ہے کہ ہر مسلمان اسے اپنے ذہن میں ہی نہ رکھے بلکہ اپنے اعمال پر کڑی نظر بھی رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے امت محمدیہؐ میں پیدا فرما کر اپنا شکر ادا کرنے کے لیے پیدا کیا یعنی دین مبین ﷺ کی ترویج اور اشاعت کے لیے لیکن وہ طاغوتی نظام کے تحت ہنسی خوشی زندگی بسر کر رہے ہیں!)

ان اشعار میں جو جوشِ خطابت اور معنویت پیغام ہے، اس کی تشریح الفاظ سے ممکن نہیں۔ اس کا احساس تو ایک ایسا دل ہی کر سکتا ہے جس کے سامنے رسولؐ خدا کی تمام تر داعیانہ زندگی ہو!

ایک دوسری نظم ''شمع اور شاعر'' میں علامہ نے احیائے اسلام کے اس مقصد عظیم کو یوں واضح کیا:

سوچ تو دل میں، لقب **ساقی** کا ہے زیبا تجھے؟
انجمن پیاسی ہے اور پیمانہ بے صہبا ترا
کعبہ پہلو میں ہے اور سودائی بت خانہ ہے
کس قدر شوریدہ سر ہے شوق بے پروا ترا

قیس پیدا ہوں تیری محفل میں ! یہ ممکن نہیں
تنگ ہے صحرا تیرا ، محمل ہے بے لیلیٰ تیرا

ان اشعار میں لفظِ شمع کو بطور مقصد اسلامی احیاء، (علامہ نے کچھ کے لیتے ہوئے) امت مسلمہ کو تخلیق آدم کے اس مقصد عظیم سے روگردانی کا مرتکب قرار دیا جس کے نفاذ اور ترویج و اشاعت کے لیے دنیائے انسانیت نہایت بے تابی کے ساتھ صدیوں سے منتظر ہے۔ نہایت ہی رنج و غم اور متاسفانہ انداز تخاطب (Regretfull) میں کہا گیا کہ امت محمدؐیہ جو دنیائے انسانیت کے لیے امید کی آخری کرن تھی تاہم وہ تو از خود خلاف اسلام اور کفر و شرک کی غلاظتوں میں ڈوب کر رہ گئی ہے۔ مزید براں، امت مسلمہ کو یہ الزام بھی دیا گیا کہ وہ اس عظیم الہامی مقصد کو بھول گئی ہے اور ایک تنگ صحرا کی صورت اختیار کر گئی ہے جس میں وسعت اور فاصلے سمٹ کر رہ گئے ہیں کہ اس کا محمل خالی ہے یعنی اس کے دل سے اس ماضی کی یادیں بھی سلب و معدوم ہو کر رہ گئی ہیں۔ ایسے حالات میں جبکہ امت کے دلوں میں احیائے اسلام کی امنگ اور طلب ختم ہو گئی ہے تو اس کا حالیہ اخلاقی اور دیگر زمینی مسائل سے عہدہ برآ ہونا ممکن نہیں!

یہاں ہم یہ واضح کریں کہ ان اشعار اور دیگر اس قسم کے اشعار میں جن کا ذکر ذیل کے صفحات میں آ رہا ہے، علامہ نے نسوانی کرداروں (لیلیٰ، سلمیٰ، سعدیٰ) کو بطور اعلیٰ ترین استعاراتی اور ادبی انداز میں خراج تحسین پیش کیا ہے، جو دراصل صنف اناث اور طبقہ نسواں کے لیے عزت و توقیر کی ایک واضح مثال ہے۔

اپنے اسی استدلال کو جاری رکھتے ہوئے علامہ اقبال نے ایک دوسری نظم ''مسلم'' میں جو ۱۹۱۲ء میں کہی گئی تھی، امت مسلمہ کو اس امر کی جانب توجہ دلائی کہ چونکہ ان کی زندگی کا اعلیٰ نصب العین اب ان کے سامنے نہیں رہا اس لیے وہ دنیا میں کامیاب و کامران نہیں ہو سکتے۔

نغمۂ امید تیری بربطِ دل میں نہیں
ہم سمجھتے ہیں کہ یہ لیلیٰ تیرے محمل میں نہیں!

امت مسلمہ کو خطاب کرتے ہوئے اقبال نے اسے بتلایا کہ تمہارے دل میں اب کوئی خواہش احیائے اسلام کی نہیں رہی، اس لیے یہ فرض کر لینا ہرگز غلط نہیں کہ تم نے لیلیٰ کے حصول (احیائے اسلام) کا ارادہ اور عزم ترک کر دیا ہے۔ ضمناً اس کے مخاطب امت کے اہل علم بھی ہو سکتے ہیں کہ ان کے دل میں بھی اب ایسی کوئی آرزو باقی نہیں رہی!

وائے ناکامی، متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا!

(۸) مزید ایک اور نظم ''دعا'' میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ امت مسلمہ کو شاہد لیلیٰ سے نوازے۔ چونکہ امت نے اس دنیا میں اپنی بعثت کے مقصد کو بھلا دیا ہے اس لیے علامہ اپنی زندگی کے مختلف اوقات اور ادوار میں اللہ تعالیٰ کے حضور روتے اور پکارتے رہے۔ ارمغان حجاز میں ایک دوسری جگہ وہ روتے ہوئے اللہ کو یوں پکارتے ہیں:

شبے پیش خدا بگریستم زار
مسلماناں چرا زارند و خوارند؟
ندا آمد نمی دانی کہ ایں قوم
دلے دارند و محبوبے ندارند!

تاہم ایک دوسرے شعر میں، علامہ کو اپنی اس درج بالا آہ و زاری کا جواب جنابِ باری تعالیٰ سے یوں وصول ہوا:

اے تہی از ذوق و شوق و سوز و درد
می شناسی، عصر ما، باما چہ کرد؟
عصرِ ما، مارا زما ، بیگانہ کرد
از جمالِ مصطفیٰؐ بیگانہ کرد!

(ایک رات میں حضور باری تعالیٰ رویا کہ امت مسلمہ کیوں کر ذلیل و خوار ہے۔ باری تعالیٰ کی جانب سے آواز آئی

تو جو ذوق، شوق اور سوز و درد سے خالی ہے، کیا تو پہچانتا ہے کہ دورِ حاضر نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟

موجودہ دور نے ہمیں خود سے دُور کر دیا اسی عصر (زمانے) کے ہاتھوں تم حضور مصطفیٰؐ کے جمال سے محروم ہو گئے ہے۔)

(۹) درج ذیل شعر میں اس بات کی مزید تاکید پائی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ، امت مسلمہ کے دل میں شورش محشر پیدا کر دے کہ وہ دنیا کی امامت کا منصب دوبارہ حاصل کر سکیں!

پیدا دلِ ویراں میں پھر شورشِ محشر کر
اس محملِ خالی کو پھر شاہد لیلیٰ دے

O___ غزلیات کے باب میں بھی علامہ نے امت مسلمہ کو دعوت دی ہے کہ وہ دنیا میں اپنی موجودہ زبوں حالی کی وجوہات پر غور کریں۔ ایک بہت ہی اچھوتے اور انوکھے انداز میں یہ واضح کیا کہ دنیا میں آدم کو مبعوث کرنے کے مقصد اولیٰ کو نظر انداز کرنے، احکامات الٰہی سے روگردانی کرنے اور نبی آخرالزماںؐ کے اسوہ حسنہ کا اتباع نہ کرنے کی وجہ سے امت مسلمہ نے اپنے ماضی کی شاندار روایات کو گم کر دیا ہے۔ امت کی نسل نو (قیس) کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

عزت ہے محبت کی قائم اے قیس! حجاب محمل سے
محمل جو گیا، عزت بھی گئی، غیرت بھی گئی، لیلیٰ بھی گئی!

یہاں اس شعر میں لفظ ''محمل'' کو علامہ نے ایک نہایت لطیف ادبی استعارے کے طور پر استعمال کیا ہے جو طبقۂ اناث کے لیے کنایۃً اشارہ ہے___ ان اشعار میں، علامہ نے نژادِ نو کو یاد دلایا ہے کہ ان کا ماضی بہت تابناک اور روشن تھا۔ وہ اس دنیا کے حکمران تھے اور انہوں نے دنیا کو اپنے علمی اور سائنٹفک طرز عمل اور تعلیم کو فروغ دے کر بہت کچھ دیا۔ لیکن چونکہ وہ اپنے اس ماضی کی روایات کو بھلا بیٹھے تو وہ اپنی اس شاندار حالت سے بھی

ہاتھ دھو بیٹھے۔ اس کے لیے علامہ نے مختلف الفاظ سے بطورِ استعارہ مدد لی مثلاً ''محمل'' دنیاوی جاہ وجلال اور سلطنت، ''عزت وغیرت'' بطور عزت و وقار اور ''لیلی'' بطور دنیا پر اسلام کے احیاء اور غلبے کے لیے۔

جیسا کہ ہم نے درج بالا سطور میں دیکھا کہ علامہ اقبال نے ''لیلی'' کے لفظ کو اسلام کے لیے بطور ''علامت (Symbol) '' استعمال کیا ہے۔ تاہم لیلیٰ چونکہ ایک تانیث کا لفظ ہے جو اردو اور عربی لٹریچر میں مستعمل ہوتا ہے، علامہ نے اس کے ذریعے طبقہ اناث کو اسلامی تعلیمات میں ایک اعلیٰ مقام پر فائز و متمکن ہونے کی جانب اشارہ کیا ہے۔ اس لفظ کو مجنوں/قیس کے لیے محبت کے اتھاہ اور گہرے قلبی جذبے سے مماثلت کے ذریعے علامہ نے امت کو تاکیداً یاد دلایا کہ اسے بھی احیائے اسلام اور غلبہ دین کے لیے اسی قسم کے جذبۂ جنوں اور شوقِ فراواں سے کام لینا چاہیے جو لیلیٰ کے کردار میں پایا جاتا ہے۔ علامہ اقبال مستقبل قریب میں احیائے اسلام کے اس مقصد عظیم کی کامیابی کے لیے کس قدر متمنی اور خواہش مند تھے، ذرا دیکھئے آپ کا جذبہ قلبی اور واردات ذہنی کی کیفیت۔

مل ہی جائے گی کبھی منزلِ لیلیٰ اقبال
کوئی دن اور ابھی بادیہ پیمائی کر

اس شعر میں بھی علامہ اقبال نے ''لیلی'' یعنی تانیث کا صیغہ بطور ادبی استعارہ استعمال کیا ہے۔ جو عزت اور وقار کی علامت ہے طبقۂ اناث کیلئے! ــــــ اس جگہ امت مسلمہ کو احیا اور غلبہ اسلام کی خوش خبری کی نوید دیتے ہوئے جو کہ اب ''آرڈر آف دی ڈے'' پیغام دور حاضر کی مانند ہے، علامہ نے امت کی نوجوان نسل کو ترغیب دی ہے کہ وہ غلبہ اسلام کے لیے اپنی تمام تر توانائیاں اور صلاحیتیں وقف کر دیں کہ کامیابی ان کی راہ تک رہی ہے۔ ہم اپنی ان گزارشات کے بارے میں اپنے نہایت ہی ذہین وفطین بھائی بہنوں سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ان پر ٹھنڈے دل کے ساتھ غور فرمائیں اور دنیا میں حق وصداقت کے علمبردار بنیں۔ دیکھئے علامہ نے کیا دعائیہ اشعار کہے ہیں:

بیا تا گُل بیفشانیم و مے در ساغر اندازیم
فلک راسقف بشگافیم و طرح دیگر اندازیم!

اس شعر میں بھی علامہ اقبال نے مسلم نوجوان نسل کو مخاطب کرتے ہوئے دعوت عمل دی ہے کہ وہ اس دنیا میں احیاء وغلبہ اسلام کے لیے کوشاں ہوں۔

بیا تا گل بیفشانیم و مے در ساغر اندازیم اور (احیائے اسلام) اگر اس عمل انقلاب کے لیے انہیں آسمان کی انتہائی بلندیوں کو بھی واشگاف کرنا پڑے تو ایسا کر گزریں (فلک راسقف بشگافیم): مزید کہا کہ

دردشتِ جنونِ من جبرئیل زبوں صیدے
یزداں بہ کمند آور اے ہمت مردانہ!

(میرے جنون کے دشت/خیالات میں جبرئیل شکار ہو چکا ہے۔اے ہمت مردانہ اب یزداں پر بھی کمند ڈال۔)

ہے کوئی ایسا مرد جواں جو علامہ اقبال کے اس شعر کی پیروی میں دنیاوی وسائل و ذرائع پر قابو پانے کی کوشش کرے اور کائنات کی تسخیر بھی!

ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں؟

باب یازدہم:

مغرب میں مساوات مردوزن: کیا کھویا، کیا پایا؟

عارفہ فرید نے اپنی کتاب (۲۰۰۶ء) کے بارہویں باب میں تحریک مساوات مرد و زن کے آغاز کی وجہ سے مغربی خواتین کو ایک بہتر مقام کے حصول کی جو نوید ملی تھی، اس پر اپنے دلی اطمینان اور خوشی کا اظہار کیا۔ اس تحریک کے نتیجے میں، مغرب کی قدیم / پسماندہ عورت کو ایک جدید اور آزاد، پُراعتماد اور باعزت مقام ملنے کی امیدیں وابستہ تھیں، ان کے بارے میں اظہار خیال کیا ہے۔ تاہم انہوں نے نہایت بے باکی اور دیانت کے ساتھ مغرب میں اس نعرے کی آڑ میں اپنے ذاتی مفادات اور حیثیت کے حصول کے لیے کی جانے والی خواتین کی ''حرکات'' کا بھی نوٹس لیا ہے۔ مغرب میں مساوات مردوزن کا نعرہ ایک (Jargon)، (Rhetoric) اور ایک سخت گیر رویے (Extremist Stance) کے طور پر چند مفاد پرست خواتین کے ہاتھوں میں بطور ہتھیار کے استعمال ہو رہا ہے جس کے تحت متعدد خواتین اسے اپنی ذاتی شہرت، نام نمود اور مالی فوائد کے حصول کے لیے استعمال کر رہی ہیں۔ جس پر ان کی ہمراہی خواتین کا ایک طبقہ ان کے اس رویے پر نہ صرف نالاں ہے بلکہ اس کے خلاف آواز بھی بلند کر رہا ہے۔ ◆ اس قسم کی خواتین کو انہوں نے پیشہ ور خواتین (Professional Feminists) کے نام سے موسوم کیا ہے اور واضح کیا ہے کہ یہ طبقہ اپنی ذاتی اغراض کی تکمیل کے لیے اپنے نام نہاد تحقیقی مقالہ جات کی اشاعت

◆ کیا ہی اچھا ہوتا اگر موصوفہ نے پاکستان میں بھی اس تحریک سے متعلقہ ''بیشتر خواتین'' کو اس ''حرکت'' سے باز رکھنے کی کوشش کی ہوتی کیونکہ یہاں بھی اس کی آڑ میں مالی منفعت کے حصول کے متعدد بہت بڑے سکینڈل کام کر رہے ہیں جن کی سرپرست وطن کی چند آزاد خیال اور متمول خواتین کا ٹولہ ہے۔

کے لیے اور بیرونی کانفرنسوں، سیمینارز میں شرکت کے لیے سفر کی سہولتوں اور دیگر مالی مفادات حاصل کرنے میں کوشاں رہتا ہے۔

درج بالا حقیقت کے اظہار کے علاوہ مساوات کی حامی بعض مغربی خواتین نے مغرب کی آزاد شدہ عورت کا ایک ایسا ہیولہ پیش کیا ہے جس کی وجہ سے مغرب میں ''نئی عورت'' چند خطرات اور خدشات کا شکار ہوگئی ہے۔ اس حقیقت کا ادراک، ان خواتین نے بھی کیا جو دراصل اس مقصد کے لیے ایک عرصہ سے کوشاں رہی ہیں۔ اس کی ایک بہت عمدہ مثال فرانسیسی خاتون سائمن ڈی بوائیر نے خود اپنی کتاب دی سکینڈ سیکس (۱۹۴۹ء) میں دی ہے۔ انہوں نے ایسی مغربی خواتین کے بارے میں بہت عمدہ تبصرہ کیا ہے جو مردوں سے معاشی آزادی حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کرنے میں مصروف عمل ہیں۔ تاہم ذاتی مفادات کے حصول کا بھی کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتیں!

انہوں نے بتایا کہ ایک بہت عمدہ خیالات کی حامل خاتون نے حالیہ دور میں ایک تحقیقی مطالعہ ان خواتین ورکرز کی بابت کیا جو رینالٹ فیکٹریوں میں کام کرتی ہیں۔ خواتین ورکرز نے اس رائے کا برملا اظہار کیا کہ وہ فیکٹری میں کام کرنے کی نسبت گھریلو زندگی کو ترجیح دیتی ہیں۔ مزید یہ کہ اگرچہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ طبقہ اناث کے ایک ایسے فرد کی حیثیت سے انہیں کسی حد تک معاشی آزادی حاصل ہوگئی ہے جو پہلے بہت حد تک معاشی تنگیوں(Econimically Oppression) کا شکار تھیں لیکن فیکٹریوں میں کام کرنے پر انہیں ان گھریلو امور کو سرانجام دینے سے کوئی فرصت رفراغت حاصل نہیں ہوئی کیونکہ خواتین کی ایک بہت بڑی تعداد کو خاندان میں کیے جانے والے امور (کھانا پکانا، برتن اور کپڑے دھونا وغیرہ) بہرصورت سرانجام دینے پڑتے ہیں جس میں انہیں معاشرے اور خاوندوں/مردوں کی جانب سے کسی قسم کی کوئی مدد/سہولت حاصل نہیں ہو پاتی کہ وہ یہ کہہ سکیں کہ ہم ہر حال میں حقیقتاً مردوں کے برابر ہیں۔ شاذ ہی ایسی چند خواتین ہوتی ہیں جو اپنے سیاسی جوڑ توڑ کی مہارت اور لیبر یونین میں جارحانہ رویہ اختیار کر کے اپنے لئے اچھے

حالات پیدا کر لیتی ہیں کہ انہیں فیکٹری میں کم کام کرنے کی سہولت حاصل ہو جاتی ہے (اور شاید خفیہ طور پر مالی امداد بھی) لیکن جہاں تک بیشتر خواتین کا تعلق ہے تو ان کی حالت بہت ناگفتہ بہ ہے۔ طبقہ اناث، اپنی اس فطری کمزوری جو انہیں اپنی قدیم طرز زندگی سے وراثت میں ملی ہے، ابھی ایک ایسے دور سے گزر رہی ہیں جس میں سماجی آزادی کا تصور بہت آہستگی کے ساتھ پروان چڑھ رہا ہے۔ اپنی اس فطرت ثانیہ کی وجہ سے وہ مجبور محض ہیں کہ اس اخلاقی مدد اور سماجی فوائد سے بہرہ مند ہوئے بغیر، ان تمام تر ذمہ داریوں سے نبرد آزما ہوتی رہیں جو گھریلو زندگی اور معاشی تنگ و دو کی وجہ سے ان کی زندگی کا حصہ بن کر انہیں لشتم پشتم زندگی گزارنے پر مجبور کر رہا ہے!

اسی طرح ایک دوسری خاتون مصنفہ شلمتھ فائرسٹون (Shulamith Firestone) نے ایسی خواتین کے بارے میں اپنے مشاہدات کا تذکرہ کیا ہے جو معاشی جدوجہد میں مصروف عمل ہیں۔ اپنے ایک مقالے ''امریکہ میں خواتین کی جدوجہد: نئے تناظر میں۔''
(The women's rights movemeht in the US : A new view) میں لکھا کہ اگرچہ ایک تہائی خواتین مختلف خدمات سرانجام دے رہی ہیں لیکن ان کے کام بہت ہی معمولی اور حقیر نوعیت (Shit Jobs) کے ہیں۔ اگرچہ وہ اپنے خاوندوں کے برابر ہی معاوضہ حاصل کرتی ہیں۔ تاہم اس برابر معاشی حیثیت سے انہیں خاندان میں مساوی سلوک اور احترام کا مقام حاصل نہیں ہوتا۔ ان کے بارے میں بالعموم یہ کہا جاتا ہے کہ خاتون خانہ (بیوی) ''کچھ مدد کر رہی ہے۔'' **(Just helping)۔ وہ لوگ جو مغربی معاشرت کی اصل حقیقت جانتے ہیں صرف وہی ان دو الفاظ میں پنہاں کاٹ دار انداز کی سنگینی کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔** ''فیکٹری/دفتر میں کام سے واپس آ کر گھر میں بچوں کی دیکھ بھال، کھانا پکانا وغیرہ ان کا منتظر رہتا ہے کہ عورتوں کے کام تو کبھی ختم ہی نہیں ہوتے۔ ایسے حالات میں یہ تبدیلی بھی مردوں/خاندوں کے حق میں ہی مفید اور معاون ثابت ہوئی ہے کہ وہ نہ صرف بیرون خانہ حقیر کام سرانجام دیتی ہیں

جنہیں سرانجام دینا ان کی نفاست طبع کے قطعاً مطابق نہیں ہوتا اور وہ نہیں چاہتیں کہ ایسے حقیر امور سرانجام دیں لیکن جہاں تک کاروباری لوگوں اور فیکٹری مالکان کا تعلق ہے تو وہ یہ بہانہ کرتے ہیں کہ ہم عورتوں کو اچھے کام دینے کی تربیت اور ترقی نہیں دے سکتے کہ شادی کی صورت میں یا بچوں کی پیدائش کی بناء پر وہ کسی وقت بھی کام چھوڑ سکتی ہیں۔'' (بحوالہ Voices for women's liberation زیرادارت لیسی ٹارنر Lesie Tarner)

درج بالا چند امور کے علاوہ طبقہ نسواں کو درپیش مسائل کے متعدد دیگر پہلو بھی غور وفکر کے محتاج ہیں جنہیں ''آزادیٔ نسواں اور مساوات'' جیسے نعروں کی بھینٹ چڑھا دیا گیا ہے۔ گزشتہ ابواب میں ہم نے ان نوعمر بچیوں کے حالات کا مطالعہ کیا تھا جو مغرب میں ہر دو صنفوں کے باہمی اختلاط کی وجہ سے ناجائز حمل، اسقاط اور اس قسم کے متعدد مسائل کا شکار ہوگئیں جبکہ اس کا دوسرا پہلو تشددِ جنسی ہے جو کسی بھی جگہ کام کرنے والی خواتین کے لیے خطرۂ جان اور عزت آبرو بنا ہوا ہے (حتیٰ کہ لڑکیوں کو کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بھی اس کا سامنا کرنا پڑتا ہے)۔ ایسی تمام خواتین کو اس جنسی تشدد کا سامنا کرنا پڑتا ہے اپنے مرد کارکن لوگوں کے ہاتھوں اور ایسا سب کچھ امریکہ اور مغربی ممالک جیسے ترقی یافتہ اور روشن خیال معاشروں میں ہوتا ہے جہاں ناجائز جنسی تعلق قائم کرنا کسی صورت میں بھی کوئی بڑا مسئلہ نہیں کہ فریقین اپنی مرضی اور رائے سے جس جگہ، جب اور جہاں چاہیں، جنسی جذبات کی تسکین کرنے میں آزاد ہوتے ہیں۔ ذیل کی سطور میں ہم اس پہلو کے بارے میں مزید مطالعہ کریں گے۔

سوشل میل ملاپ اور زنا (Date Rape):

مغربی ممالک میں ہر دو اصناف کا ایک دوسرے کے ساتھ علیحدگی میں ملاقات کرنا ایک سماجی رسم کے طور پر مشہور ہے جس میں کوئی لڑکا کسی دوست لڑکی (یا اس کے برعکس) کسی ہوٹل، باغ یا تفریحی مقام پر ملاقات کی دعوت دیتے ہیں جہاں تنہائی میں بیٹھ کر وہ شادی سے قبل باہمی تبادلہ خیالات کیا کرتے تھے۔ یہ بھلے وقتوں کی بات تھی جب یورپ

میں ''جنسی انقلاب'' نے ابھی جنم نہیں لیا تھا۔ تاہم گذشتہ چند دہائیوں میں ان پلوں کے نیچے سے اخلاقیات اور روایات کا اتنا پانی گزر گیا کہ اب اس قسم کی ملاقاتیں درحقیقت جنسی اختلاط کا ایک بہانہ بن کر رہ گئیں۔ ایک محقق نے لکھا کہ ایک حالیہ سروے میں کالج کے نوجوان لڑکوں کی ۲۵ فی صد تعداد نے انکشاف کیا کہ **''اگر وہ اپنی دوست لڑکی کے لیے خوراک پر رقم خرچ کرتے ہیں اور دوست لڑکی ان کی مرضی کے مطابق جنسی/ اختلاط میں مانع ہوتی ہے تو پھر وہ اس بات کا حق رکھتے ہیں کہ وہ بزور اسے اپنی ہوس کا نشانہ بناسکیں۔''** اس قسم کے بہت سے جنسی تشدد کے واقعات اکثر و بیشتر اس قسم کی سوشل ملاقاتوں (Dates) کے نتیجے کے طور پر وقوع پذیر ہوتے ہیں اور اکثر و بیشتر انہیں پردۂ اخفا میں رکھا جاتا ہے۔(Shahid Athar، ۱۹۹۲ء)

مشہور زمانہ انگریزی رسالے ٹائمز (Times) کے مطابق ایک تین سالہ تحقیقی مطالعے جس میں ۶۲۰۰ طلبہ اور طالبات سے جن کا تعلق ۳۲ مختلف یونیورسٹیوں کے کیمپس سے تھا، امریکی ریاست کینٹکی (Kentucky) کے ماہر نفسیات میری کوس نے بتایا کہ تمام عورتوں کی ۱۵ فی صد تعداد نے ایسے واقعات سنائے جو جبری تشدد کی قانونی تعریف کے تحت آتے ہیں (قابل تعزیر) اور ان میں سے ۵۰ فی صد سوشل ملاقاتوں کا نتیجہ زنا کی شکل میں نکلا(Anon,1987)۔ **مساوات مرد و زن کے چند حامی لوگوں کا یہ خیال ہے کہ امریکی قوم دراصل جنسی تشدد/ زنا کلچر (Rape Culture) کی دلدادہ ہے جس میں مردوں کو یہ جنون لاحق ہے کہ وہ عورتوں کے ساتھ بہیمانہ سلوک کریں اور عورتوں کا یہ ''فریضہ'' ہے کہ وہ ان کی خواہشات نفسانی کی تعمیل کریں۔''**

(Wage, 1993) نامی ایک محقق نے بتایا کہ ۱۹۹۲ء میں، نیو ہمپشائر یونیورسٹی (New Hampshire) کی آٹھ طالبات نے اپنے ایک پروفیسر کے خلاف جنسی تشدد کی شکایت کی جس کی بناء پر ان پروفیسر صاحب کو یونیورسٹی سے نکال دیا گیا۔

جیسا کہ ہم نے گزشتہ ابواب میں واضح کیا کہ جنسی انحطاط کا طوفان اب امت مسلمہ

کے گھروں کے اندر بھی انٹرنیٹ، ٹی وی اور موبائل کے ذریعے داخل ہو گیا ہے۔ چند ماہ گذرے ARY چینل نے ایک ایسے ہی ''حادثہ فاجعہ'' کی خبر نشر کی۔جس میں مذہبی علوم کے ایک بوڑھے/ بزرگ پروفیسر،صوبہ خیبر پختون خواہ کی یونیورسٹیوں میں سے ایک کو نوکری سے نکال دیا گیا، اس قسم کے جرم میں ملوث ہونے کی بناء پر۔ یہاں ہم اس امر کا خدشہ ظاہر کرنے میں شاید غلط نہ ہوں کہ اس قسم کے واقعات صرف اس ایک یونیورسٹی تک ہی محدود نہیں کیونکہ جس قسم کا تعلیمی نظام ہمارے ملک میں چل رہا ہے، وہاں اس قسم کی جنسی بلیک میلنگ کے واقعات طالبات اور خواتین ٹیچرز/ دیگر خواتین ملازمین کے ساتھ بدسلوکی اور درندگی کی انتہائی واقعات پاکستان کی تمام یونیورسٹیوں میں ایک ''عام صورت'' اختیار کر گئے ہیں۔ جہاں کسی شعبے کے چیئرمین یا سربراہ اپنے شعبے کی خواتین کو ہراساں کرنے کے مختلف حربے بلادریغ استعمال کرتے ہیں کہ وہ ان کے ہر غیر قانونی حکم/رائے کے مطابق عمل کریں۔اس ضمن میں مرد پروفیسرز کو بھی مختلف حیلوں بہانوں سے اپنے ماتحت رکھنے کا ایک عام چلن اور خو پیدا ہو گئی ہے۔ کاش ایسا ممکن ہوتا کہ ARY چینل کی طرح دیگر نشریاتی ادارے بھی اپنے طور پر مختلف صوبوں کی یونیورسٹیوں (سرکاری/ پرائیویٹ) میں اس قسم کے واقعات کو منظر عام پر لاتے تو شاید اس قسم کے واقعات کے تدارک کے ذریعے طبقہ نسواں کی مشکلات اور مسائل کو ختم کیا جا سکتا جن کا وقوع کا علم روزانہ اخبارات اور ٹی وی کے ذریعہ ہوتا رہتا ہے۔(محمد آفتاب خان ۲۰۲۲ء)

امریکن فوج میں عورتوں کے ساتھ جنسی تشدد:

ثروت اصمعی ۲۰۰۴ء کا ایک مقالہ روزنامہ نوائے وقت میں شائع ہوا تھا کہ امریکہ میں فوج (بری، بحری اور ہوائی) میں خواتین کے ساتھ جنسی تشدد کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ اگرچہ ہم اس قسم کے دلدوز واقعات کو بیان کرنے سے ہر ممکن گریز کرنا چاہتے ہیں تاہم ایک امریکی فوجی خاتون میرین ہوڈ (Maryanhood) جو امریکی فوج کے لوگوں کے ہاتھوں تشدد کا شکار ہوئی، کے خیالات بیان کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس سے زیادہ طبقہ نسواں

کی تذلیل کسی دورِ انسانیت میں نہیں ہوئی جیسی اس روشن ترین دور میں امریکہ جیسے مساواتِ مردوزن کے چیمپئن کی افواج اور دیگر اداروں (جیل وغیرہ) میں خواتین کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے۔ ❶ اس خاتون نے بتایا کہ ''جب میں امریکی جھنڈے کے رنگوں پر غور کرتی تھی تو وہ سرخ، سفید اور نیلا نظر آتا تھا لیکن اب یہ خون کی طرح سرخ نظر آتا ہے جو اس خون کے مشابہ ہے جو میرے بدن سے جنسی تشدد کی وجہ سے بہہ نکلا، نیلا رنگ ان زخموں اور چوٹوں کی نیلاہٹ کا شاخسانہ ہے جو میرے جسم کو مارنے پیٹنے/تشدد کے دوران ہوئے، اور جھنڈے کا سفید رنگ، اس خوف، ڈر اور حزن و یاس کی یادگار ہے جو میرے چہرے سے ظاہر ہے۔ **مجھے اپنے ملک (کی عظمت) کی خاطر جنسی تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ اپنی عزت وعصمت سے زیادہ بیش قیمت کیا اور نذرانہ ہے جو میں اپنے ملک وقوم کی نذر کر سکتی ہوں۔''** ___ اس بیانیے میں جس کرب اور درد کے مظلومانہ جذبات کا اظہار کیا گیا ہے، اس نے مغرب اور بالخصوص نام نہاد ترقی یافتہ امریکہ کے لیے ایک بہت بڑا سوال (Big Question) پیش کر دیا ہے جو آزادیٔ نسواں، مساوات اور عزت طبقہ اناث کے دنیا بھر میں علمبردار بنے ہوئے ہیں۔

کہاں ہیں ثنا خوانِ تقدیس مغرب، کہاں ہیں؟

فٹزگریلڈ (Fitzgerald 1986) نامی ایک محقق کے مطابق ''گزشتہ سال، امریکہ میں کام کرنے والی خواتین کی ۵۰ فی صد تعداد کو اپنے کام کرنے کی جگہوں پر جنسی تشدد کا نشانہ بننا پڑا۔ اور یہ سب کچھ ایسی جگہوں (کارخانوں یا اس قسم کے محنت ومشقت والے مزدوروں کے اداروں) میں ہی نہیں ہوتا بلکہ فائبر گلاس کے نہایت عالی شان بلند و بالا عمارتوں (Sky Scrapers) میں بھی اس قسم کے بے شمار واقعات روزانہ پیش آتے ہیں جہاں خواتین سیکرٹریز، وکلاء خواتین اور دیگر پیشوں سے تعلق رکھنے والی خواتین کو جنسی تشدد کے واقعات سے روزانہ گزرنا پڑتا ہے۔''

---

❶ تفصیل کے لیے دیکھئے محمد آفتاب خان (۲۰۰۶) باب جنسی تشدد۔

یہ ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ مغرب میں خواتین کے لیے اس قدر زیادہ مراعات، آزادی، مساوات وغیرہ جیسے بلند بانگ نعروں کے باوجود، عارفہ فرید (۲۰۰۶ء) نے چند حیات افروز حقائق سے بھی پردہ اٹھایا ہے۔ ان کے بقول ''آزاد منش عورت کا وہ تصور جو مغرب میں مساوات کے حامی لوگوں نے بہت زور شور کے ساتھ پیش کیا ہے، نے وہاں کی خواتین کو بہت سے خطرات اور ممکنہ ضرر رساں احتمالات کی بناء پر ان کے لیے زندگی کی مشکلات میں اضافہ بھی کر دیا ہے۔''

سائمن ڈی بوائر نے دو خواتین کے حالات کا تذکرہ کیا جنہوں نے شادی نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا تاکہ وہ مردوں/شوہروں کے حاکمانہ رویوں کا شکار نہ ہوں۔ تاہم وہ اپنی جنسی جبلت کی ایسی تسکین کی بھی خواہاں تھیں جو شادی کے بندھن سے باہر حاصل کر سکیں۔ ایسی خواتین نے اپنے جو تجربات بیان کیے وہ اس کے الفاظ میں نہایت خوفناک تھے۔ ''مجھے ایسی دو خواتین کے بارے میں بتایا گیا جو پیرس میں چند روز قبل ہی آئی تھیں تاہم وہ **''بھرپور زندگی'' (See Life) کے تجربے سے روشناس ہونے کی خواہش مند تھیں۔** انہوں نے ایک رات تلاش بسیار کے بعد، دو پرکشش نوجوانوں (Attractive Monotmartre) کو دعوت طعام دی۔ تاہم صبح کے وقت ان دونوں خواتین نے اپنے آپ کو لٹنے اور تشدد کے ساتھ مارنے پیٹنے نیز جان سے مار دینے کی دھمکیوں کا نشانہ بنتے دیکھا۔''

اسی طرح کا ایک اور قابل ذکر واقعہ ایک چالیس سالہ مطلقہ خاتون کا بھی ہے جو تمام دن سخت محنت و مشقت کے ساتھ روزی کما کر اپنے تین بچوں اور والدین کی کفالت کرتی تھی۔ چونکہ ابھی وہ خود بھی جوان اور خوبصورت تھی، اپنی جبلت (جنسی، اضافہ از خود) کے تقاضوں سے مجبور ہو کر کہ وہ دیانت کے ساتھ یہ سمجھتی تھی کہ اسے ان جذبات کی تسکین کا فطری/ قانونی حق حاصل ہے۔ وہ رات کے وقت گلیوں/سڑکوں پر گھومتی رہتی تھی تاکہ کسی مرد کا انتخاب کر سکے۔ لیکن ایک رات، پیرس کے بارونق علاقے میں ایک گھنٹہ سے زائد گھومنے کے بعد، جب اس نے اپنے لیے ایک عاشق/ مرد کا انتخاب کیا تو اس مرد نے اپنی

تسکین کے بعد اسے گھر جانے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا اور اس بات کا مطالبہ کیا کہ وہ اسے اپنے نام اور گھریلو پتہ سے آگاہ کرے تاکہ وہ اس کے ساتھ دوبارہ ملاقات کر سکے شادی رچا کر اکٹھے رہنے کے لیے۔ جب اس عورت نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تو اس عاشق نے عورت کو بری طرح سے پیٹا اور بالآخر اسے نہایت زخمی اور قریب المرگ حالت میں چھوڑ کر بھاگ گیا۔''

سائمن ڈی بوائر نے مزید لکھا کہ ''مغرب میں آزادیٔ نسواں ایک ایسا خواب ہے جس کی تعبیر درحقیقت عورتوں کے لیے بہت خطرناک ثابت ہو رہی ہے۔ معاشی اور سوشل آزادی اور مساوات جو کام اور تنخواہ کی صورت میں اسے ملتی ہے نے ایک طرف اس کی مشکلات میں اضافہ کر دیا ہے تو دوسری جانب اس کی زندگی بہت سے خطرات سے بھی دوچار ہوگئی ہے۔ مغرب میں مساوات مرد وزن کے ڈھکوسلے نے ایک نہایت ہی خطرناک صورت اختیار کر لی ہے۔ مرد وزن ایک دوسرے کے مخالف اور دشمن ہو گئے ہیں۔Akbar S. Ahmad نے اپنی کتاب (۱۹۹۲ء) میں لکھا کہ ''شادی/ نکاح کا مسئلہ اب مغربی معاشرے میں ایک ایسی نظر سے دیکھا جاتا ہے جیسا کہ زوجین دو متحارب افراد کی صورت اختیار کر گئے ہیں۔ مختلف فلموں کی سادہ گھریلو کہانیوں از قسم کریمر بمقابلہ کریمر (Kramer vs Kramer) سے لے کر زمانۂ حال کی فلموں (Sleeping with the enemy)، اور (A Kiss before dying) جیسی فلمیں اپنے اندر طوفانوں کا ایک ایسا زہریلا مواد رکھتی ہیں جن سے بہت ہی مہیب اور خطرناک رجحانات کا پتہ چلتا ہے۔ **ایسی تمام فلموں کا لب لباب اور خلاصہ ہوتا کہ ''زوجین ایک دوسرے کے دشمن ہیں اور خاندانی نظام تمام مسائل کی جڑ۔''**

Arifa Farid (۲۰۰۶ء) نے بھی اس امر کی تصدیق کی کہ مغرب میں مساوات کے اس نعرے نے طبقہ نسواں کو ایک بڑے خطرے سے دوچار کر دیا ہے۔ حالیہ دور میں

مغربی معاشرت میں عورت کے ساتھ نفرت کے جذبات نے تشدد اور قتل کو روا رکھنے کے بدترین حالات سے دو چار کر دیا ہے اور یہ سب کچھ مساوات مرد وزن کے نعرے کا شاخسانہ ہے۔ اکبر ایس احمد نے بھی چند ایسے ہوشربا حادثات کا ذکر کیا ہے جس میں فلوریڈا جیسی یونیورسٹی کے کیمپس میں دو طالبات کو قتل کیا گیا۔ اکبر ایس احمد کے ان خیالات کی تائید بہت سے مساوات کے مغربی حامی افراد بھی کر رہے ہیں کہ وہ اس بات کی پرزور وکالت کر رہے ہیں کہ **مغربی عورت کو اب جوڈو کراٹے کی تربیت حاصل کرنی چاہیے تاکہ وہ اپنے آپ کو روزمرہ کی مار پیٹ، جنسی تشدد اور جان سے مار دینے کی کوششوں کا دفاع کر سکیں**۔ اس قسم کے واقعات کا چلن، مردوں کی جانب سے مغربی معاشرے میں اب اس قدر ہو گیا ہے کہ اب خواتین کے لیے تنہا کسی گلی/ محلے میں رات کے اندھیرے میں چلنا دشوار ہو گیا ہے۔ حتیٰ کہ وہ اس عمارت میں بھی جہاں ان کی رہائش ہوتی ہے، اکیلے رہنے سے خوف زدہ ہیں۔

حالت تنہائی:

درج بالا خطرناک حالات کے علاوہ ایک اور بہت ہی اہم اور سنگین حالت جس سے مغربی عورت اب دو چار ہو رہی ہے وہ اس کی حالت تنہائی (Loneliness) ہے جس سے وہ حالیہ دنوں میں دو چار ہوئی ہے۔ اکبر ایس احمد (۱۹۹۲ء) کے بقول ''مغربی عورت نے اپنے آپ کو گھریلو/ خانگی زندگی کے جھمیلوں سے نجات دلا دی جس کی بناء پر وہ ایک آزادانہ ماحول اور جدید حالات سے روشناس ہوئی ہیں۔ یہ آزادی اس کے لیے ایسے نئے تاہم ہولناک نتائج بھی اپنے جلو میں لے کر آئی ہے۔ اس میں سے صرف ایک وہ **بدترین حالت تنہائی ہے** جس میں وہ اب مبتلا ہو کر رہ گئی ہے۔ اس حالت تنہائی میں (جب شوہر/ بچوں یا خاندان کا دوسرا کوئی مرد اس کی حفاظت/ کفالت اور نگہبان نہیں) تو پھر وہ کسی بھی مرد کے ایسے خطرناک ترین جنسی تشدد کے متعدد ایسے طریقوں کا ایک آسان شکار ہو کر رہ گئی ہے جو وہ اپنی ہوس کی تسکین کے لیے کرنے کے خواہاں ہوتے ہیں۔ وہ

انہیں نہایت ظالمانہ طریقے سے اپنی جنسی تسکین کا نشانہ بنانے میں آزاد ہیں جس میں جسم کو رسیوں سے باندھ کر، مار پیٹ کے مختلف طریقوں (Sadistically Rape) اور بالخصوص حالیہ دنوں میں آہستہ آہستہ بتدریج ایذا رسانی کے ذریعے انہیں تکالیف پہنچانے کے مختلف طریقوں سے ان کے جسم کی بوٹی بوٹی کو ایذا پہنچاتے ہیں۔ خواتین کو اب نہ صرف متعدد مردوں کی ہوس کا یکے بعد دیگرے نشانہ بننا پڑتا ہے بلکہ انہیں جنسی گمراہیوں (Sexual Perversion) کے عادی افراد کی عادات کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس تمام کے مقابلے میں گھریلو ماحول ایک بہت حسین اور خوشگوار حالت ہے۔ تاہم اس قسم کے تمام حالات اس امر کی بہت واضح انداز میں نشان دہی کرتے ہیں کہ مغربی معاشرے میں عورت کو تحقیر کی نظر سے دیکھنا (زمانہ ازمنہ کی یہودی/نصرانی غلط مذہبی روایات کے تناظر میں) ایک ایسی بدیہی اور نفسیاتی کمزوری ہے جسے مغربی میڈیا عالمی پیمانے پر خواتین اسلام کے ساتھ بہت عیاری کے ساتھ منسوب کرنے کی مہارت رکھتا ہے۔''

مغرب میں مساوات کے حامی لوگ اس نتیجہ کے سختی سے قائل ہو گئے ہیں کہ ''اگرچہ مغربی معاشرے میں عورت کی پسماندگی اور حقارت سے دیکھنے کی وجہ سے ان کا معاشی زیردست ہونا ہے تاہم صرف معاشی آزادی ہی طبقہ نسواں کے شرف، حفاظت اور مساوات کے حصول کی ضامن نہیں۔ ایک کارکن عورت کو مردوں کے ظلم وستم کا بہت زیادہ سامنا کرنا پڑتا ہے بہ نسبت ایک گھریلو عورت کے اور سائمن ڈی بوائیر کے بقول مزید یہ کہ **''اگرچہ مغرب میں عورتوں کو معاشی خوشحالی اور آزادی حاصل ہوگئی ہے تاہم ان کے ساتھ ظلم وستم کا رویہ بھی بہت بڑھ گیا ہے اور مساوات اور عزت نفس کا خواب ابھی تک شرمندۂ تعبیر نہیں ہوا۔''**

مساوات کے قائلین کا عورتوں کی آزادی کا وہ حل جو ان کے پیش نظر ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ تمام ابھی تک اسی مقام پر اٹکے ہوئے ہیں جہاں سے انہوں نے عیسائیت کے خلاف بغاوت کا آغاز کیا تھا۔ عیسائیوں نے اپنی خودساختہ مذہبی خیالات کے پیش نظر

جس طرح طبقہ نسواں کو حقیر اور کم تر گردانا تھا، اس رویے نے ان کی تمام تر توجہ ان غیر فطری طریقوں کی جانب موڑ دی جس کے تحت راہبانیت اور شادی/ بیاہ کے ذریعے مرد و زن کے درمیان شوہر و بیوی کی حیثیت سے ایک دوسرے کے ساتھ جنسی تعلقات کو ناپاک اور گناہ کا سبب گردانا تھا۔ ان غلط نظریات و عقائد کی بناء پر یورپ کے فلاسفر اور اہل دانش نے چرچ کے ان غیر فطری طریقوں کے خلاف اٹھارویں صدی میں علم بغاوت بلند کیا تھا۔ اور یوں عورتوں کے حقوق و مقام کی بحالی کے بارے میں ایک مہم کا آغاز ہوا۔ انقلاب فرانس کے نتیجے میں انیسویں صدی عیسوی کے اواخر اور بیسویں صدی کے آغاز تک یہ مہم اس انداز میں غلط سمت اختیار کر گئی کہ طبقہ نسواں نے مادر پدر آزادی کا وہ راستہ اختیار کر لیا جس کے تحت آزادیٔ نسواں، معاشی انصاف و عدل اور دونوں صنفوں کے باہمی اختلاط کا راستہ ہموار ہو گیا (ضمیمہ ش)۔ عورت و مرد کے باہمی بآسانی اختلاط کے نتیجے میں یورپ میں اخلاق باختگی اور عریانیت کا ایسا طوفان برپا ہو گیا! جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں ڈھونڈے نہیں ملتی۔

انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی میں یورپین اقوام ایک ایسے نہ ختم ہونے والے گھمبیر مسائل کا شکار ہوتے چلے گئے جس سے آج تک چھٹکارہ حاصل نہیں ہو سکا۔ اور جس کی وجہ سے وہاں خاندانی نظام کی چولیں ہل کر تباہ و برباد ہو گئیں۔ پھر مساوات کی مہم کے ردعمل کے طور پر زنا بالجبر، اور جنسی تشدد کا عمل دورِ جدید کی خواتین کی منزل بن کر رہ گیا۔ (Akbar S. Ahmad 1992)۔ انہوں نے مزید اس خوبصورت جال (Beauty Trap) کا بھی ذکر کیا جس میں مغرب کی جدید خواتین الجھ کر رہ گئی ہیں۔ جس کا یہ تقاضہ ہے کہ ''وہ اپنے چہرے اور جسمانی بناوٹ کو اس قدر دلاویز اور خوبصورت نیز سمارٹ بنالیں جو نہ صرف قد آور اور دبلی پتلی ہوں تاہم جنسی طور پر نہایت جاذب نظر اور دلوں کو لبھانے والی ہوں۔ ان کا لباس بہت خوبصورت تاہم عریاں ہو۔ ان کے جسم سے خوشبوؤں کے لپکے اٹھتے ہوں، ہر قسم کے داغ اور مہاسوں سے پاک صاف اور کسی قسم کی رطوبت و آلائش سے

آلودہ نہ ہوں۔'' ◆ یہ چند وہ صفات ہیں جن کے ہونے سے یہودی مذہب میں عورتوں کو طلاق دی جا سکتی ہے۔

مساوات مرد وزن کے اس جال ہم رنگ زمین سے نجات پانے کا واحد راستہ ان الہامی ہدایات پر عمل پیرا ہونے سے ہی ممکن ہے جو ہر قسم کے اوہام اور خرافات سے یکسر پاک ہوں اور کسی انسانی ذہن کی اختراع نہ ہوں بلکہ ان کا تمام تر انحصار خالص توحید، رسالت اور تصور آخرت کی بنیاد پر اٹھایا گیا ہو۔ انسانیت ایک طویل عرصہ سے، اخلاقی انحطاط اور جنسی بے راہ روی کی دو انتہاؤں کے درمیان ہچکولے کھا رہی ہے۔ اب وقت آن گیا ہے کہ انسانیت اس گرداب کے بھنور سے چھٹکارہ حاصل کرے۔ ایک مرتبہ اس حقیقت کا ادراک بہت ضروری ہے کہ انسانوں کا مرتب کردہ کوئی قانون، قدر یا طریقہ اس حد تک جامع اور متوازن نہیں ہو سکتا کہ انسانی زندگی کے تمام تر پہلوؤں کے لیے راہ نمائی فراہم کر سکے۔ انسانیت کا کسی ایک ہستی کو سپریم کو تسلیم کیے بغیر مسائل کے اس گرداب سے چھٹکارہ ممکن نہیں۔ کیونکہ توحید الٰہی اور رسالت و آخرت کی بنیاد پر کوئی نظام ہی اس قدر طاقتور ہو سکتا ہے کہ کسی بھی انسانی فطرت اور جبلت کے لیے متوازن طریقہ وضع کر سکے جس کا انحصار کسی قسم کے تعصب از قسم رنگ، نسل، وطن یا صنف کی بنیاد پر نہ ہو۔

قرآن کریم ایک ایسے ہی نظام حیات کا داعی ہے جو بالخصوص مغرب میں پائے جانے والے تمام تر مسائل اور انسانیت کے لیے بالعموم راہِ ہدایت کا سبب بن سکتا ہے۔ مغرب میں پھنسی ہوئی اخلاق باختہ اور جنس زدہ انسانیت کے لیے اسلام ایک سوشل آرڈر کا داعی ہے جس میں:

- ☆ مرد وزن کے لیے علیحدہ دائرہ کار ہوں۔
- ☆ جس میں مرد وزن کے باہمی اختلاط کی حوصلہ شکنی کی گئی ہو اور

◆ تقابل کے لئے ملاحظہ ہو علامہ اقبال کا ایک مسلمان عورت کو حالت جو دسویں باب میں جسم و تندرستی اور خوبصورتی کے بارے میں علامہ نے پیش کیا ہے۔

☆ جس میں ایسے تمام غیر اخلاقی طریقوں کی حوصلہ شکنی کی گئی جو ایک معاشرے کے سماجی/ عائلی/ خاندانی زندگی کو تباہ کرنے والے ہوں۔

تاہم قبل ازیں کہ ہم اس باب کی گذارشات کو ختم کریں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک بار دوبارہ سائمن ڈی بوائر جو حامی مساوات کی ایک بہت قدآور شخصیت تھیں، ان کے ان خیالات کا بھی بغور مطالعہ کریں جو انہوں نے اپنی کتاب (۱۹۴۹ء) میں فرانسیسی زبان میں لکھی تھی۔ ''اس وقت سے لے کر آج تک انسانیت کا قافلہ ایک بہت طویل سفر کی منزلیں طے کر چکا ہے۔ انقلابِ روس ناکام ہو چکا ہے۔ یہ نظام پسماندہ اور غریبوں عوام بشمول خواتین کو کسی قسم کی کوئی سہولت/ ریلیف فراہم نہیں کرسکا۔ مغرب میں خواتین کا جسم اسی طرح ایک امر ممنوعہ نہیں ہے جس طرح ۱۹۴۹ء میں تھا۔ آج کے مغرب میں جنسی بے راہ روی اور انحطاط اسی طرح قابل قبول عمل ہے جس طرح پہلے تھا۔ خواتین کو معاشی آزادی حاصل ہوگئی ہے تاہم عورتوں کا استحصال اپنے عروج پر ہے۔ اور کامل مساوات کا خواب ابھی تک شرمندہ تعبیر ہونے کی منزل سے بہت دوری پر ہے۔ سائمن ڈی بوائر کی ''آزاد عورت'' ابھی تک سرگرداں، غیر محفوظ اور استحصال کا شکار ہے!''

اختتامیہ

تاریخ انسانیت کے طویل دور میں طبقۂ نسواں کے اعلیٰ ترین مقام و مرتبہ کا اندازہ لگانے کے لئے کیا صرف یہ ایک حقیقت کافی نہیں کہ انبیاء و رسل، صالحین و پاکباز اصحابِ علم و مرتبہ اور دنیا کے تمام حق پرستوں نے اس کے بطن سے جنم لیا ــــــ نسل انسانی کو تسلسل اور دوام اس کی ذات ہی سے حاصل ہوا۔ اس سے جنم لینے والوں کا ایک سلسلۃ الذہب ہے جو اماں حواؑ سے لے کر آج تک اس کائنات کی گونا گوں دلچسپیوں کو دوامِ کے اعزاز سے نوازنے والا ہے! ــــــ تاہم یہ امر بھی ایک حقیقت ہے کہ طبقۂ نسواں نے اپنی اس حقیقت اور مرتبہ کا احساس ہی نہیں کیا اور بقول ریاض اختر (۲۰۱۸) ان کی جانب سے اپنی اس حقیقت اور کردار کو اجاگر کرنے کی کوئی مثبت کوشش بھی نہیں کی گئی۔ وہ شیطان اور اس کے آلہ کاروں کے پھیلائے ہوئے دامِ ہم رنگ زمین میں از خود اس قدر پھنس کر رہ گئی کہ دنیا میں بیشتر جنگ و جدل کا سبب بھی اس کی ذات میں تلاش کیا گیا اور بالآخر نسوانیت کو موجودہ زمانے میں اس تاریک ترین کردار کو اختیار کرنے اور اسے وجۂ تفاخر گرداننے کا شرف بھی آج کے طبقہ نسواں کی ایک بہت قلیل تعداد کو ہی حاصل ہوا کہ زمانۂ حال کی فلم انڈسٹری کی بدنام ترین شکل پورنوگرافی (Pornography) کے عریاں ترین مناظر سے لے کر مشروبات اور دیگر اشیائے خورد و نوش کی فروخت کے لئے بھی اس نے اپنے جسم و جاں کو چند ٹکوں کے عوض داؤ پر لگا دیا۔ نوبت بہ اینجا رسید کہ اس نام نہاد روشن اور مہذب ترین دور میں کسی ایک فرد کو بھی اس صورت حال پر صدائے احتجاج بلند کرنے کی توفیق نصیب نہیں ہوئی، گویا کہ زبان حال سے طبقۂ نسواں نے اس حقیقت کو اپنے لیے عز و شرف کا مقام تسلیم کر لیا ہے ــــــ کیا یہ سب اس طبقے کی تمام تر خواتین کی دلی آواز ہے کہ اسے عورت کی

مرضی سمجھ کر قبول کرلیا جائے؟ کیا یہ وہ منزل ہے جس کی تلاش میں وہ جنت سے نکالے جانے کے بعد ہزار ہا سال سے سرگرداں ہے؟____ ہمیں اس تمام تر صورت حال سے اختلاف ہے۔ خالق کائنات نے اپنی اس مخلوق کو اس ذلت ونکبت سے دوچار ہونے کے لئے پیدا نہیں کیا تھا! تاہم تاریخ کی یہ گواہی بھی ایک بہت بڑی اٹل حقیقت ہے کہ جہاں بھی، جس انداز میں بھی عورت کو ہوسِ جنسی کا نشانہ بنایا گیا اور اس کی تذلیل کی گئی تو وہ قومیں، ملک اور تہذیبیں فنا ہو کر رہ گئیں اور آج ان کا ذکر صرف تاریخ کے صفحات میں ہی پڑھا جا سکتا ہے!

تاریخ کے اس سبق کی روشنی میں کیا یہ باور کرلیا جائے کہ موجودہ تہذیب کے لئے بھی اس کائنات کے صفحۂ ہستی سے ایک بار پھر معدوم ہونے کی گھڑی آن پہنچی ہے؟____ یہ اور اس قسم کے متعدد دیگر سوالات ہیں جن کا جواب ایک ایماندار اور محب انسانیت کے پاس نفی کے علاوہ کچھ نہیں۔ انسانی فطرت اس امر سے نفرت کرتی ہے جو زرق برق لباسوں اور فیشن کے جدید ترین عریاں طریقوں نیز نہایت دل خوش نعروں کے بھیس میں طبقہ نسواں کو گمراہ کرنے اور اسے اس کے فطری کردار سے بغاوت کرنے پر آمادہ کررہے ہیں۔

اس کتاب کے گذشتہ صفحات میں ہم نے طبقۂ نسواں کی عظمت وجلالت اور بلند ترین مقام کی جو وکالت کی ہے، اسے پیش نظر رکھتے ہوئے کوئی ایک بھی ہوشمند اور شریف النفس خاتون اپنے لئے اس کردار اور حیثیت کو اختیار کرنے سے انکار نہیں کرسکتی۔ تاریخی اور علمی طور پر ہم نے اس امر کو واضح کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا کہ عورت، نوعِ انسانی کی ایک نہایت اعلیٰ وارفع حیثیت کی حامل ہے۔ انسانیت کی اعلیٰ اقدار کی پاسداری کے لئے جب بھی اور جہاں کہیں بھی عورت کو اپنے اس اعلیٰ شرف کے اظہار کا موقعہ دیا گیا تو اس طبقے نے کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کیا!

اس کتاب میں جہاں ہم نے ماضی بعید میں خواتین کے اس من موہنے کردار اور عمل کی ایک جھلک دکھانے کی کوشش کی ہے کہ اس طبقے نے ہمیشہ اپنے اس اعلیٰ کردار کو کبھی اپنی ذات سے جدا نہیں کیا وہاں ماضی قریب میں ہم نے عالم اسلام بالخصوص پاکستان کے قیام

اور اس مملکت خداداد میں اسلامی نظام کی ترویج و اشاعت جیسے اعلیٰ ترین فرض بجالانے والی خواتین کا ایک اجمالی تصور بھی پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ آج کی خواتین بالخصوص ہماری پڑھی لکھی بیٹیاں، اپنے اس کردار کو مزید وضاحت سے پیش کریں اور اس داغِ ندامت کو اپنی پیشانی سے دور کردیں جو اغیار نے ان پر لگائے ہیں۔ اور وہ خود بڑھ کر اس الزام کی تردید کریں کہ وہ بحیثیت طبقہ اناث اس کائنات میں اپنے فطری کردار کی بناء پر ہمیشہ سے عزت و احترام کے اعلیٰ ترین مناصب (بطور ماں، بیوی، بیٹی اور بہن) کی حامل رہی ہیں اور یہی وہ مراتب ہیں جنہیں پروان چڑھانا ان کی زندگی کا مقدس ترین مقصد ہے

یہ بزم مے ہے یہاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کر ہاتھ میں لے لے یہاں مینا اسی کا ہے!

1947ء میں قیام پاکستان کے بعد، جب ہم اپنی خواتین کی سرگرمیوں کا جائزہ لیتے ہیں تو درج ذیل چند حقائق ہمارے سامنے آتے ہیں۔

اولاً: ایسی خواتین چند نہیں بلکہ لاتعداد تھیں اور ہیں جنہوں نے دینی، اخلاقی اور تہذیبی روایات کو فروغ دینے میں ایک نمایاں کردار ادا کیا۔

ثانیاً: اسی طرح خواتین کی ایک بہت بڑی تعداد ایسی نامور ہستیوں پر مشتمل ہے جنہوں نے اپنے معاشرتی، ادبی، علمی، فکری پس منظر کو اجاگر کرنے کے لئے علمی و ادبی سرگرمیوں کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا اور ادب کی مختلف اصناف نظم و نثر، غزل، افسانہ، ناول نگاری حتیٰ کہ اخبارات و رسائل میں کالم نویسی کے ذریعے اپنی حیثیت کو منوایا۔

درج بالا ہر دو اقسام کی نامور خواتین کی ایک بڑی تعداد اس وقت اس دنیا میں موجود نہیں تاہم ہمیں امید واثق ہے کہ ان میں سے کوئی خاتون بھی، اللہ رب العزت کی جناب سے انعام سے محروم نہ رہیں گی۔ان شاءاللہ العزیز

ثالثاً: اس فہرست میں ہماری ہونہار نوجوان نسل کی وہ بیٹیاں اور بہنیں بھی شامل ہیں

جن کے قلم سے موجودہ پاکستان (بشمول دیگر مسلم ممالک) میں طبقۂ نسواں کی عزت ووقار قائم ہے اور جو خدمت قلم وقرطاس سے اپنی اس حیثیت کو منوانے میں کامیاب ہوگئی ہیں۔ اگرچہ ان تمام نامور بیٹیوں کے نام اور ان کے عظیم الشان کارناموں کو تفصیلاً بیان کرنا تو فی الحال شاید ممکن نہیں۔ تاہم ماضی قریب اور زمانہ حال میں اول الذکر نامور ترین خواتین میں محترمہ زینب کا کاخیل، پروفیسر بنت الاسلام اور آپا جی حمیدہ بیگم و دیگر خواتین کا ذکر گوشوارہ نمبر ۲ میں کیا جا چکا ہے ___ تاہم اسی دبستانِ فکر کی مزید چند چیدہ مرحوم خواتین میں آپا جی نثار فاطمہ، نیر بانو، امِ زبیر، بلقیس صوفی، زبیدہ بلوچ، بنت مجیبی مینا، بیگم اسد گیلانی، آپا جی صفیہ سلطانہ و دیگر شامل ہیں۔

تاہم اسی قافلہ شوق کی حیات خواتین میں محترمہ امت الرقیب اور دیگر متعدد ایسی خواتین بھی شامل ہیں جنہوں نے درج بالا خواتین کی راہ نمائی میں طبقۂ اناث کی تعلیم و تربیت کی ایک ایسی تحریک پیدا کی جس کے نتیجے میں نوجوان بیٹیوں کی ایک ایسی کھیپ تیار ہوگئی ہے (ماشاءاللہ) جنہوں نے آج بھی اس پیغام اور مشن کو حرز جاں بنایا ہوا ہے۔

درج بالا فہرست کی خواتین سے تربیت یافتہ نسل میں، ثریا اسماء، سلمیٰ خواجہ، عامرہ احسان، افشاں نوید، فرزانہ چیمہ، تزئین حسن (کینیڈا) بطور نمونہ ازخروارے ہیں۔ یہ اور دیگر خواتین اعلیٰ تعلیم یافتہ اور علمی وادبی صلاحیتوں سے بہرہ منداور مختلف خواتین رسائل و مجلّات اور کتب کی ایڈیٹر ومصنفہ بھی ہیں۔ تزئین حسن صاحبہ نے تو کینیڈا کی ایک نامور یونیورسٹی سے اعلیٰ ترین اعزاز بھی حاصل کیا ہے۔ اول الذکر خواتین میں ایک حیات خاتون امت الرقیب صاحبہ کا نام بھی آیا ہے۔ یہ وہ بزرگ خاتون ہیں جنہوں نے اسلامی تعلیمات کی ترویج واشاعت کے لئے کروڑوں روپے کے عطیات جمع کیے اور لاکھوں نوجوان بچیوں اور خواتین کی تعلیم کے لئے اپنی ذاتی نگرانی میں کوئٹہ، کراچی، لاہور، چترال، اسلام آباد، اور پشاور جا کر ایسی جامعات تعمیر کرائیں جن سے پڑھ کر بچیاں اور خواتین اپنے اپنے علاقوں میں تعلیم کے فروغ کے لئے کوشاں ہیں۔ ان جامعات میں سے بیشتر میں وفاق المدارس کی

اعلیٰ ترین ڈگری عالمیہ (ایم اے) کی اسناد دی جاتی ہیں!___ یہ ایک ایسی بدیہی حقیقت ہے کہ جس سے کوئی شخص بھی انکار نہیں کرسکتا کہ ایسی جامعات ان تمام شہروں میں خدمات سرانجام دے رہی ہیں!

تعلیم و تعلم کے ضمن میں اولین دو خواتین کے اسمہائے گرامی تو سنہرے حروف میں لکھے جانے کے قابل ہیں۔ ان میں اولاً پروفیسر ڈاکٹر سعیدہ اسد اللہ خان ہیں جو پہلے پہل نمل یونیورسٹی اسلام آباد کی ڈین تھیں اور بعدازاں فاطمہ جناح ویمن یونیورسٹی راولپنڈی کی وائس چانسلر تھیں۔ موصوفہ ان اولین خواتین میں سے ہیں جنہوں نے آج سے پانچ دہائیاں قبل انگریزی لٹریچر میں امریکن یونیورسٹی سے PL.D کی جبکہ انگریزی پڑھنے کا رواج نہیں تھا۔ ان سے فیض یافتہ نوجوان لڑکیوں میں بے شمار ایسی بیٹیاں ہیں جو اب ان کے مشن کو مختلف کالجوں اور یونیورسٹیوں میں روشن کئے ہووتے ہیں۔ ان کی وفات پر آج بھی ان کے سینکڑوں شاگردوں کے آنسو نہیں تھمتے۔

اس درجہ کی ایک دوسری خاتون پروفیسر ڈاکٹر عالیہ سہیل خان ہیں جو پہلے پہل پوسٹ گریجوایٹ ویمن کالج راولپنڈی کی پرنسپل، بعدازاں یونیورسٹی آف گجرات میں ڈائیریکٹر اور بالآخر گورنمنٹ ویمن کالج یونیورسٹی راولپنڈی کی وائس چانسلر ۲۰۲۱ء میں ریٹائر ہوئیں۔ موصوفہ بھی پاکستان کی ان نامورترین انگلش لٹریچر کی شناور ہیں جن سے سینکڑوں طالبات نے فیض حاصل کیا اور اپنے طور پر علم کی شمع کو روشن کئے ہوئے ہیں۔

علمی نیز دینی تعلیم کے ضمن میں مزید دو خواتین کا ذکر بہت ضروری ہے۔ ان میں سرفہرست ڈاکٹر پروفیسر جمیلہ شوکت صاحبہ ہیں جنہوں نے احادیث کے موضوع پر بہت ہی قابل قدر علمی خدمت ایک کتاب کی شکل میں تصنیف کی ہے نیز انہوں نے مشہورترین تفسیر تفہیم القرآن کا اشاراتی انڈکس (Subject Inde) بھی بنایا ہے جس سے ایک طالب علم اور محقق کو قرآن فہمی اور مختلف مضامین کی آیات تلاش کرنے میں آسانی رہتی ہے۔

درج بالا خواتین میں ایک بہت ہی قابل قدر نام ہماری بیٹی ڈاکٹر سمیہ راحیل قاضی کا

بھی ہے جو نہ صرف علمی و ادبی مجلسوں کی روحِ رواں ہیں بلکہ قومی اسمبلی اور اسلامی آئیڈیالوجی کونسل کی رکن بھی رہی ہیں۔ ان کی ذات ازخود ایک مکتب فکر ہے جو مرحوم قاضی حسین احمد صاحب کا ایک ایسا حسین امتزاج ہے جسے وہ نہایت اہتمام اور تندہی کے ساتھ چلا رہی ہیں۔

اس زمرے میں پروفیسر ثریا بتول علوی کا نام بھی بتانا ضروری ہے۔ موصوفہ نہ صرف ایک عرصہ تک خواتین کی تعلیم و تعلم کا فرض سرانجام دیتی رہی ہیں بلکہ قرآن وحدیث کی بہت بڑی عالمہ و فاضلہ ہیں اور متعدد کتب کی مصنفہ بھی۔ تعلیمی سرگرمیوں میں ہماری ایک بہت قابل اور ذہین بیٹی ڈاکٹر فرحت ہاشمی کا نام بھی سنہرے الفاظ میں لکھنے کے قابل ہے جنہوں نے اپنی محنت شاقہ اور ذہانت سے الہدیٰ انٹرنیشنل یونیورسٹی قائم کی جو لڑکیوں کے لئے باپردہ دینی و دنیوی تعلیم کی جدید ترین درسگاہ ہے! نیز اس ضمن میں وہ لاتعداد خواتین اساتذہ بھی ہیں جو طالبات کے کالجز اور یونیورسٹیوں میں نوجوان نسل کو زیور تعلیم سے آراستہ کر رہی ہیں جو اس امر کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ امت مسلمہ میں ہمیشہ سے خواتین کو عزت وشرف کا مقام حاصل رہا ہے!

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ درج بالا علم وفہم سے بہرہ مند خواتین کی تربیت یافتہ اور راہ نمائی میں پروان چڑھنے والی بیٹیوں کا بھی مختصر ذکر کر دیا جائے۔ ان میں سرفہرست قانتہ رابعہ ہیں جن کے افسانے اور کتب خواتین (بالخصوص نوجوان بچیوں) کے لئے ایک خزانہ ہیں۔ اسی فہرست میں بشریٰ تسنیم، عفت قریشی اور ڈاکٹر صائمہ اسماء بھی شامل ہیں جو اپنے علمی و ادبی مضامین کے لئے خواتین میں بہت مقبول ہیں۔ موخرالذکر، خواتین کے ایک ماہ نامہ ''چمن بتول'' کی ایڈیٹر بھی ہیں جو گذشتہ طویل عرصہ سے نہایت باقاعدگی کے ساتھ نکل رہا ہے۔ ڈاکٹر اسماء آفتاب، یونیورسٹی کی ایک پروفیسر اور علمی دنیا میں انگریزی لٹریچر کی ایک نہایت قابل بیٹی ہیں۔ اسی طرح سعدیہ آفتاب نے بھی قائداعظم یونیورسٹی سے ویمن سٹڈیز میں ایم اے اور ایم فل کیا ہے۔

زمانۂ حال میں کالجوں اور یونیورسٹی کی سطح پر نوجوان لڑکیوں میں دینی کام کرنے کا آغاز ایک تنظیم اسلامی جمعیت طالبات کے نام سے ۱۹۷۰ء میں شروع ہوا تھا۔ جس کی اولین ناظمہ اعلیٰ اور سیکرٹری بالترتیب شکورہ آفتاب اور محترمہ سمیہ وحید سلمانی ہیں۔ بعد ازاں اس تنظیم کی بہت ہی جاندار قیادت نے اس کام کو وطن عزیز کے نہ صرف بیشتر کالج اور یونیورسٹیوں تک پھیلایا بلکہ غیر ممالک (امریکہ، کینیڈا، یورپ کے متعدد ممالک) تک مسلمان لڑکیاں اس کے اثرات سے مستفیض ہو رہی ہیں۔ جن میں نسرین ناظر، ڈاکٹر مرحوم فوزیہ ناہید و دیگر کے نام بہت مشہور ہیں۔

گذشتہ سالوں میں سیاسی میدان میں تمام صوبائی اور قومی اسمبلی میں جماعت اسلامی کی خواتین کی معتد بہ تعداد نے بھی حصہ لیا۔ جس میں ڈاکٹر کوثر فردوس و دیگر شامل ہیں۔ ان تمام خواتین کی خدمات کا یہ پہلو ابھی تک قوم کی نظر سے مخفی رہا ہے کہ اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کرنے کے لئے جو لاکھوں روپے (بطور معاوضہ/ سفر خرچ) ان کو حاصل ہوتے تھے، وہ ان سب نے مل کر ایک فنڈ کی شکل میں جمع کئے جن کے ذریعے خواتین کی امداد بہ شکل شادی بیاہ/ ضروری جہیز، تعلیمی امداد، سلائی کڑھائی کے سکولوں اور خواتین کے دیگر رفاحی کاموں میں آج بھی سرانجام پا رہے ہیں۔ یاد رہے کہ کروڑوں روپے کے یہ فنڈ ان خواتین نے رضا کارانہ طور پر از خود جمع کیے تھے۔ ان میں بیشتر خواتین کا تعلق بھی کسی بہت بڑے ''زردار'' یا یکے از ''شریفین'' یا کسی بھی ناجائز ذرائع سے دولت حاصل کرنے والوں میں سے نہ تھا بلکہ وہ اس معاشرے کے شریف، متدین اور اوسط خاندانوں سے تعلق رکھنے والی خواتین تھیں ـــــــ ان کے اس ایثار کے مقابلے میں نام نہاد لبرل اور NGO's سے تعلق رکھنے والی خواتین ہیں جن میں سے کسی ایک نے بھی اس قسم کے ایثار و قربانی کی کوئی مثال پیش نہیں کی اور اس پر دعویٰ طبقۂ اناث کی رہبری کا۔

میڈیکل پروفیشن میں ایسی خواتین کی ایک بہت بڑی تعداد ہے جو رات دن مختلف ہسپتالوں میں خدمات سرانجام دے رہی ہیں۔ ان میں سے چند ڈاکٹر الطاف بشیر (مرحومہ)،

ڈاکٹر گلشن مرزا، ڈاکٹر شگفتہ نقوی، ڈاکٹر ام کلثوم، ڈاکٹر رخسانہ جبین، ڈاکٹر کوثر فردوس اور سینکڑوں خواتین ڈاکٹرز ہیں جو ایثار و قربانی کا ایک مینارۂ نور ہیں!

ان خواتین میں ڈاکٹر الطاف بشیر مرحومہ نہ صرف پنجاب میڈیکل کالج فیصل آباد کی پرنسپل تھیں۔ بلکہ یونیسکو (UNESCO) کی جانب سے زچہ بچہ کی تربیت دینے کے لئے مڈوائفری (دایہ گیری) کے کورسز کے لئے ان کی دیانت اور خدمات کی بناء پر فنڈز بھی دیئے گئے تھے۔ وزیر اعظم بے نظیر کے دور میں ان کے شوہر نامدار (موسوم بہ ٹین پرسنٹ نے ان سے اپنا ''حصہ'' وصول کرنے کی کوشش میں ناکامی کی صورت میں ان سے یوں انتقام لیا کہ فیصل آباد میں انہیں ان کے گھر میں انکے بچوں، خاوند اور نوکر کے سامنے غنڈوں نے گولیوں سے چھلنی کر دیا اور اس وقت تک کسی کو ملنے تک اجازت نہ دی جب تک کہ ان کی روح پرواز نہ کر گئی اور یوں انہوں نے شہادت کا مرتبہ حاصل کیا!

بنا کردند خوش، رسمے، بخاک، وخون غلطیدن

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

قانون کے شعبہ میں بھی خواتین نے عائلی قوانین میں دی گئی سہولتوں کی بازیابی اور طلاق کی صورت میں خاوندوں کی زیادتی اور ظلم کا مداوا کرنے کے لئے ویمن ایڈ ٹرسٹ کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا گیا جس کی سرپرست محترمہ شاہینہ خان ہیں۔ اس ادارے سے متعلق متعدد خواتین وکلاء ملک کے بڑے بڑے شہروں میں خواتین کے مسائل کے لئے عدالتوں میں چارہ جوئی کرتی ہیں اور اکثر و بیشتر یہ کام رفاحی انداز میں بغیر کسی معاوضے کے کیے جاتا ہے۔ اس ضمن میں محترمہ السماء مشتاق، حمیرا مسیح الدین اور سیدہ عظمٰی گیلانی کے نام بھی بہت مشہور ہیں۔ موخر الذکر لاہور ہائی کورٹ بار میں تعلیمی امور کی چیئر پرسن ہیں اور عائلی قوانین میں ایسی تبدیلیوں کے لئے اہل علم و فضل سے رابطہ رکھے ہوئے ہیں تاکہ اس قسم کے قانونی اسقام کو اس قانون سے نکالا جا سکے جس کی بناء پر اکثر خواتین ہائی کورٹ میں اپنا مقدمہ ہار جاتی ہیں! یاد رہے کہ اس کتاب کا عنوان ''عورت: حلیف یا حریف!'' بھی

ان کے طباع ذہن کا نتیجہ ہے کہ ہم اپنی اس کتاب کے انگریزی ایڈیشن جس کا عنوان۔ Woman: Friend or FOE ہے کا مناسب ترجمہ تلاش کرنے میں سرگرداں تھے کہ ٹیلی فون پر ان سے بات ہوئی اور دوسرے ہی لمحے انٹرنیٹ پر یہ حروف ابھرے جو کتاب کا عنوان بن گئے!

درج بالا فہرست نامکمل رہے گی اگر ہم ان متعدد ناول نگار، افسانہ نویس، شاعر خواتین اور علمی وادبی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ سماجی، عائلی/ خاندانی نظام، تعلیم وتہذیب جیسے موضوعات پر لکھنے والی خواتین کا ذکر نہ کریں جنہوں نے گذشتہ ستر سالوں میں اپنے اپنے شعبے/فن میں نہایت ہی قابل قدر اضافے کیے ہیں۔ ان خواتین میں رضیہ بٹ، اے آر خاتون، زہرہ نگاہ، پروین شاکر، فاطمہ ثریا بجیا، حسینہ معین، قرۃ العین حیدر، ادا جعفری، کشور ناہید، نوشی گیلانی، الطاف فاطمہ، تہمینہ درانی، بشریٰ رحمٰن اور نور الہدیٰ شاہ جیسی خواتین شامل ہیں۔

اس علمی وادبی ورثے میں نوجوان نسل کی نمرہ احمد اور عمیرہ احمد بھی شامل ہیں جن کی تحریروں نے اسلامی تہذیب وتمدن کے پس منظر میں نہایت عمدہ لٹریچر تصنیف کیا ہے! اس فہرست میں ہم اپنی کالم نگار خواتین کو نہیں بھول سکتے جنہوں نے اخبارات اور رسائل میں خواتین کے موضوعات کو اپنا موضوع سخن بنا کر ایک طرح نو ڈالی۔ اس قبیلے میں عائشہ مسعود سرفہرست ہیں جن کے کالموں سے استفادہ کرتے ہوئے، ہم نے تحریک پاکستان کی جدوجہد میں مختلف خواتین کا کسی قدر تفصیلاً ذکر کیا ہے۔ تاہم دیگر متعدد خواتین بھی سرگرم عمل ہیں۔ یاد رہے کہ محترمہ عائشہ مسعود نے اس کتاب کا پیش لفظ بھی تحریر کیا ہے۔

ہم اپنی اس فہرست میں ان قابل اور پڑھی لکھی خواتین کو بھی شامل کرتے ہیں جو نام نہاد غیر سرکاری تنظیموں یا کسی دوسری وجہ سے اغیار کے بچھائے گئے دام ہمرنگ زمین کا شکار ہو کر مساواتِ مرد وزن کا جھنڈا بلند کیے ہوئے ہیں۔ ان میں سے اکثر کو دینی معلومات حاصل نہیں۔ انہوں نے عربی، فارسی تو بہت دور کی بات ہے شاید اردو زبان میں اس اعلیٰ

ترین لٹریچر کا مطالعہ بھی نہیں کیا جو زمانہ حال میں متعدد زعمائے ملت اور نابغہ روزگار اصحاب علم وفضل نے تصنیف کیے ہیں۔ ہمارے خیال میں وہ زمانے کیے ہمہ ہی میں اس مہم میں غیر ارادی/ لاشعوری طور پر شریک ہوگئی ہیں۔ ہم اس امر کا الاؤنس اپنی ان بہن خواتین (محترمہ ڈاکٹر رفعت حسن، پروفیسر ڈاکٹر عارفہ فرید و دیگر) اور عالم اسلام کی دیگر خواتین کو بھی دینا چاہتے ہیں جو اگرچہ دنیاوی علم کے لحاظ سے تو اپنے اپنے شعبوں میں اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں تاہم اگر ہم غلط نہ ہوں تو شاید یہ کہنے میں حق بجانب بھی کہ انہوں نے قرآن، حدیث اور سیرتِ طیبہ ﷺ کا اس قدر مطالعہ نہیں کیا جس قدر مطالعہ اپنے اپنے شعبہ جات/ مضامین کا کیا ہے۔ ہمیں ان میں سے اکثر و بیشتر کی تحریروں کا مطالعہ کرتے ہوئے اس جذبِ دروں کی کمی کا احساس ہوتا ہے جو تیقن کسی فرد کو اپنی تحریر کے لکھنے میں ہوتا ہے۔ بقول جگر مرادآبادی

تو ہزار عذر کرے مگر ہمیں شک ہے اور ہی کچھ جگر
تیرے اضطرابِ نگاہ سے، تیرے احتیاطِ کلام سے!

بہرحال ہماری دعا ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ ہم سب کو صحیح علم وفہم کی دولت سے نوازیں کہ ہم اسلام کا مطالعہ قرآن وحدیث کی مدد سے ازخود کریں اور ان تعلیمات کی روشنی میں امت مسلمہ بالخصوص پاکستان میں رہنے والی ۹۰ فی صد سے زائد خواتین جو دیہات، قصبوں حتیٰ کہ بڑے بڑے شہروں میں نہایت کس مپرسی کے عالم میں آسمان کے نیچے زندگی گذارنے پر مجبور ہیں تا کہ انہیں نام نہاد سیاست دانوں، مذہبی راہ نماؤں اور تعلیمی اداروں میں پڑھانے والے اساتذہ کے چنگل سے نکال سکیں۔

کتاب کے اختتام کے لئے ہمیں سیّد مودودی کی ایک نادر تحریر ملی ہے جو ہم ہدیۂ قارئین کرنا چاہتے ہیں۔

’’اسلامی سوسائٹی میں عورت کو وہ بلند حیثیت حاصل ہوئی جس کی نظیر دنیا کی کسی سوسائٹی میں نہیں پائی جاتی۔ مسلمان عورت دنیا اور دین میں مادی، عقلی اور روحانی حیثیات

سے عزت اور ترقی کے ان بلند سے بلند مدارج تک پہنچ سکتی ہے جن تک مرد پہنچ سکتا ہے اور اس کا عورت ہونا کسی مرتبہ میں بھی اس کی راہ میں حائل نہیں ہے۔ آج بیسویں صدی میں دنیا، اسلام سے بہت پیچھے ہے۔ افکار انسانی کا ارتقاء اب بھی اس مقام تک نہیں پہنچا ہے جس پر اسلام پہنچا ہے۔ مغرب نے عورت کو جو کچھ دیا ہے، عورت کی حیثیت سے نہیں دیا ہے **بلکہ مرد بنا کر دیا ہے**۔ عورت درحقیقت اب بھی اس کی نگاہ میں ویسی ہی ذلیل ہے جیسی پرانے دورِ جاہلیت میں تھی۔ گھر کی ملکہ، شوہر کی بیوی، بچوں کی ماں، ایک اصلی اور حقیقی عورت کے لیے اب بھی کوئی عزت نہیں۔ عزت اگر ہے تو اس **مردِ مؤنث یا زنِ مذکر** کے لیے ہے جو جسمانی حیثیت سے تو عورت مگر دماغی اور ذہنی حیثیت سے مرد ہو، تمدن اور معاشرت میں مرد ہی کے سے کام کرے۔ ظاہر ہے کہ **یہ انوثت کی عزت نہیں رجولیت کی عزت ہے**۔ زندگی کے ایک پہلو میں عورتیں کمزور ہیں اور مرد بڑھے ہوتے ہیں، دوسرے پہلو میں مرد کمزور ہیں اور عورتیں بڑھی ہوتی ہیں۔ **تم غریب عورتوں کو اس پہلو میں مرد کے مقابلے پر لاتے ہو جس میں وہ کمزور ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ عورتیں ہمیشہ مردوں سے کمتر رہیں گی۔ تم خواہ کیسی ہی تدبیریں کر لو ممکن نہیں ہے عورتوں کی صنف سے ارسطو، ابن سینا، کانٹ، ہیگل، جناح، شیکسپیئر، نپولین، صلاح الدین ایوبی، نظام الملک، طوسی اور بسمارک کی ٹکر کا ایک فرد بھی پیدا ہو سکے۔ البتہ تمام دنیا کے مرد چاہے کتنا ہی سر مار لیں وہ اپنی پوری صنف سے ایک معمولی درجہ کی ماں بھی پیدا نہیں کر سکتے۔''**

ضمیمہ جات:◆

ضمیمہ الف: حضرت خنساءؓ بنت عمرو

خنساء ایک پیدائشی شاعرہ تھیں۔ اپنی عمر کے ابتدائی دور سے ہی وہ اشعار کہا کرتی تھیں جس میں عمر میں اضافے کے ساتھ پختگی آتی چلی گئی اور بالآخر وہ عرب کی سب سے بڑی مرثیہ گو بن گئیں۔ اپنے خاوند کی وفات کے بعد، ان کے دو بھائیوں صخر اور معاویہ نے ان کی خدمت کی۔ جب یہ دونوں قبیلے کی لڑائی میں قتل ہو گئے تو اس حادثہ نے ان کی زندگی کے تمام تر رخ کو بدل کر رکھ دیا۔ ان کی مرثیہ گوئی نے ایسی جہت اختیار کر لی کہ وہ بہت پر اثر ہو گئی اور یوں انہیں ایک عظیم شاعرہ کے طور پر مقام حاصل ہو گیا۔ زمانۂ جاہلیت میں عکاظ میں ایک بہت بڑا تجارتی، سماجی، سیاسی اور علمی ادبی تہوار منعقد ہوا کرتا تھا۔ وہاں ان کا خیمہ دور نزدیک سے آنے والے لوگوں میں بہت اہمیت کا حامل تھا کہ وہاں عربوں کو اپنی فطری عادت کے تحت عمدہ قسم کی شاعری سننے کو ملتی تھی۔ اس خیمہ پر ایک بڑے جھنڈے پر لکھا ہوتا تھا کہ ''عرب کی سب سے عظیم مرثیہ گو شاعرہ'' عرب ان کے اشعار سن کر زار و قطار رویا کرتے تھے جو ان کے دلوں کو موم کی طرح پگھلا کر رکھ دیتے تھے۔

خنساء کو عربی زبان پر مکمل عبور حاصل تھا۔ وہ اس زبان کی گرائمر، ضرب الامثال اور تاریخ سے بخوبی آگاہ تھیں۔ وہ جب اپنے اشعار نابغۂ ذبیانی نامی، مشہور ترین عرب شاعر

◆ ان ضمیمہ جات کی تیاری میں ہم نے تمام تر مواد طالب ہاشمی کی کتاب (۱۹۹۸ء) سے اخذ کیا ہے۔ اسی طرح ضمیمہ (د) جو حضرت زینبؓ سے متعلق ہے کا مواد ایک کتاب Zainab the Invincible سے لیا ہے جو S.M. Ayub Bokhari نے (۲۰۰۳ء) میں لکھی تھی جس کے لیے ہم خانہ فرہنگ ایران کے شکر گزار ہیں کہ ان کی وساطت سے یہ کتاب ملی۔ ہر دو کتب کے پبلشر صاحبان بھی ہمارے شکریے کے مستحق ہیں۔

کی موجودگی میں پڑھتی تھیں تو وہ بے اختیار داد دیا کرتے تھے کہ بلاشبہ تم عرب شاعروں میں ایک بہت بلند شاعرہ ہو۔ علامہ ابن اثیر نے بھی لکھا کہ عرب کے تمام علمی و ادبی لوگوں کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ خنسا ایک عظیم شاعرہ ہیں جن سے پہلے اور بعد کسی اور کا سراغ نہیں ملتا۔

آنحضرتؐ کے ہجرتِ مدینہ کے بعد، انہیں آپؐ کے بارے میں علم ہوا۔ چونکہ اللہ تبارک تعالیٰ کی جانب سے انہیں ایک قلب سلیم عطا ہوا تھا، اس لیے وہ عازم مدینہ ہوئیں اور اپنے دیگر قبائلی لوگوں کے ہمراہ مشرف بہ اسلام ہوئیں۔ روایت میں آتا ہے کہ آپؐ نہایت دلچسپی سے ان کے اشعار سنتے اور یوں داد دیتے ''خنساءؓ بہت عمدہ''۔ قبولیت اسلام کے بعد انہوں نے اپنی شاعری کو لوگوں کے لیے قبول اسلام کی دعوت کی خاطر استعمال کرنا شروع کیا۔

چونکہ وہ بہت رقیق القلب تھیں، وہ اپنے بھائیوں کی یاد میں ایسے اشعار کہا کرتی تھیں جو بہت اعلیٰ ادبی حیثیت کے حامل ہوتے تھے۔ ان اشعار کو سن کر کوئی شخص بھی روئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ ذیل میں ان کی شاعری کے چند نمونے درج کیے جا رہے ہیں۔

اے میری آنکھو! خوب آنسو بہاؤ اور ہرگز نہ رکو
کیا تم صخر جیسے سخی پر نہیں روؤ گی؟
کیا تم اس شخص پر نہ روؤ گی جو نہایت جری اور جوان رعنا تھا؟
کیا تم اس سردار پر نہیں روؤ گی جو سرو قد تھا اور جس کا پرتلہ بڑا لمبا تھا؟
جو کمسنی ہی میں اپنے قبیلے کا سردار بن گیا۔
قوم نے اس کی طرف ہاتھ دراز کیے تو اس نے بھی اپنے ہاتھ دراز کر لیے۔
اور ان بلندیوں پر پہنچ گیا جو لوگوں کے ہاتھوں سے بھی بلند تھیں۔
اور اسی عزت و عظمت کی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہوا۔
بزرگی اس کے گھر کا راستہ دکھاتی ہے۔

اگر شرافت اور عزت کا ذکر آئے تو دیکھو گے کہ

صخر نے عزت کی چادر اوڑھ لی ہے۔

صخر کی بڑے بڑے لوگ اقتدا کرتے ہیں گویا کہ وہ ایک پہاڑ ہے۔

جس کی چوٹی پر آگ روشن ہے۔

اس مرثیہ کا آخری شعر کی تاثیر کو تو یہ عالم تھا کہ جو سنتا تھا دانتوں تلے انگلیاں دبا لیتا تھا۔

وان صخر التاتم الهداة بهكانه علم فی راسه نارُ

وہ اکثر اپنے بھائیوں کی قبروں پر جا کر روتے ہوئے مختلف اشعار پڑھا کرتی تھیں:

''جب سورج نکلتا ہے تو وہ مجھے صخر کی یاد دلاتا ہے اور اسی طرح ہر غروب آفتاب کے کے وقت بھی مجھے اس کی یاد آتی ہے۔''

''اگر میرے ارد گرد اپنے مرے ہوؤں پر رونے والوں کی کثرت نہ ہوتی تو میں اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالتی۔''

''اے صخر! اگر تو نے اب میری آنکھوں کو رلایا تو (کیا ہوا اس سے پہلے) ایک لمبے عرصے تک تم مجھے ہنساتے بھی تو رہے ہو۔''

''تم زندہ تھے تو تمہارے طفیل میں آفات وحوادث کو دفع کر لیتی تھی افسوس کہ اب کون اس بڑی مصیبت کو دور کرے گا۔''

''بعض مقتولوں پر رونا اچھا نہیں لگتا لیکن تجھ پر رونا بے حد قابل ستائش ہے۔''

كنت ابكی لہ من الثار وانا اليوم ابكی له من النار۔

''یعنی پہلے تو میں صخر کا بدلہ لینے کی خاطر رویا کرتی تھی اور اب اس لیے روتی ہوں کہ وہ (قتل ہو گیا اور اسلام نہ لا سکا) اور اب جہنم کی آگ میں جلتا ہوگا۔''

حضرت خنساءؓ کی زندگی کا ایک اور بہت درخشندہ پہلو یہ تھا کہ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں جنگ قادسیہ لڑی گئی تھی جس میں شاہ ایران نے دو لاکھ سپاہی اور تین سو ہاتھی

لڑنے کے لیے بھیجے تھے۔ اس جنگ میں ایک مسلمان خاتون نے اپنے چار بیٹوں کے ساتھ شرکت کی۔ شام کے وقت انہوں نے اپنے چاروں بیٹوں کو بلایا اور ہدایت کی کہ وہ کفار کے خلاف بہت بہادری سے جہاد کریں حتیٰ کہ شہید ہو جائیں۔ اگلے دن صبح جب انہیں میدان جنگ میں لڑنے کے لیے بھیج دیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ سے یوں دعا کی: ''اے اللہ! میں نے اپنی قیمتی ترین متاع تجھے دیدی ہے۔'' چاروں بیٹے اس بہادری سے لڑے اور اللہ کی راہ میں جان دیدی۔ اس پر وہ دوبارہ اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہوئیں اور کہا: ''تعریف کے لائق ہے وہ اللہ جس نے اپنی راہ میں مجھے چار بیٹوں کی شہادت سے مشرف فرمایا ــــــ یہ خاتون حضرت خنساءؓ تھیں۔

مسلمان شاعرہ خاتون کی بہادری، اخلاص اور قربانی کے اس واقعے کو رقم کرنے کے بعد ہم ایسے تمام مغربی اہل علم اور مساوات کے حامی لوگوں نیز پاکستان اور دیگر مسلم ممالک کے مرد وزن سے پوچھنا چاہیں گے کہ کیوں ایسا ہوا کہ ان کی نظروں سے ایک ایسی بہادر، علم وادب کی شناور خاتون کی شاعری اور اللہ کی راہ میں قربانی کی یہ داستان اوجھل ہو کر رہ گئی؟ تاریخ کی گواہی تو اس امر کی نفی کرتی ہے کہ اسلام میں عورتوں کو ایک کم تر حیثیت کی حامل گردانا گیا ہے۔ ایک ایسی مسلمان خاتون شاعرہ، جس کے کلام کو شہرت کا شرف خود ذات نبیؐ سے عطا ہوا، کہ اس کے بعد مزید کسی گواہی کی ضرورت نہیں رہتی۔ تاہم ضرورت ہے کہ جدید دور کی خواتین اپنے اندر علمی وادبی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ اللہ کی راہ میں فدا اور قربان ہونے کے جذبۂ صادقہ سے بھی بہرہ مند ہوں۔ اور غیروں کے دریوزہ گر ہو کر نہ رہ جائیں جو اپنے مذہبی تعصب میں اندھے ہو کر اسلام، پیغمبر اور مسلم اہل علم کے خلاف ہرزہ سرائی میں مشغول ہیں۔ ہمیں اس امر پر بھی یقین کامل ہے کہ امت مسلمہ کی خواتین میں آج بھی وہ چنگاری پوشیدہ ہے جو کسی وقت بھی بھڑک کر اس انقلاب کا ہراول دستہ بن سکتی ہے جس سے اسلام کی دعوت اغیار بالخصوص مغرب میں رہنے والے طبقہ نسواں کے لیے امید بہار اور صبح نو کا پیام لا سکے۔ امت مسلمہ کی خواتین کی زندگیوں کا ریکارڈ اس قدر روشن اور

خوش نما رہا ہے کہ انہوں نے ہمیشہ پتھروں اور ہیرے جواہرات میں تخصیص کرنے میں اپنی مہارت اور بہترین صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے۔

اسی دریا سے اٹھتی ہے وہ موج تند جولاں بھی
نہنگوں کے نشیمن جس سے ہوتے ہیں تہہ و بالا!
(اقبالؒ)

ضمیمہ ب:

حضرت خولہؓ بنت حکیم

حضرت خولہؓ، ایک بہت سینئر صحابیؓ حضرت عثمانؓ بن مظعون کی اہلیہ تھیں۔ وہ نہ صرف ایک بہت متقی اور پرہیزگار خاتون تھیں بلکہ اعلیٰ علمی و ادبی ذوق سے بھی بہرہ مند۔ انھوں نے اپنے خاوند کی موت پر درج ذیل اشعار کہے:

یا عین جودی بدمع غیر ممنون
علی رزیة عثمان بن مظعون

''اے آنکھ مسلسل آنسو بہا، عثمان بن مظعون کی مصیبت (وفات) پر۔''

علی امرئ بات رضوان خالقه
طوبیٰ له من فقید الشخص مدفون

''اس شخص پر آنسو بہا جس نے اپنے خالق کی رضامندی کے لیے ساری رات گزار دی۔ خوشخبری ہے اس شخص کے لیے جو روپوش ہو گیا اور دفن کر دیا گیا۔''

طاب البقیع له سکنی و غرقده
واشرقت ارمنه من بعد تفتین

''بقیع اور اس کے غرقد کے درخت اس کا کیا اچھا مسکن ہے۔ اور اس کے بعد اس کی زمین پرفتن ہو گئی۔''

واورث القلب حزناً لا انقطاع له
حتی الممات فما ترقی له شئونی

ضمیمہ ج:

حضرت سعادہؓ بنت کریز

ذیل میں چند اشعار ہیں جو انہوں نے حضرت عثمانؓ کو اسلام قبول کرنے کی ترغیب کے لیے کہے:

عثمان یا عثمان یا عثمان
لك الجمال ولك الشان
هذا نبی معه البرهان
ارسله بحقه الديان
وجائه التنزيل والفرقان
فاتبعه لا يغرنك الاوثان

''(یعنی) عثمان، اے عثمان، اے عثمان، تم صاحب جمال اور صاحب شان ہو، یہ نبیؐ صاحب برہان ہیں، وہ رسولؐ برحق ہیں، ان پر قرآن نازل ہوا ہے، ان کا اتباع کرو اور بتوں کے فریب میں نہ آؤ۔''

ضمیمہ د:

حضرت زینبؓ بنت علیؓ

گیارہ ہجری، ربیع الاول کی گیارہ تاریخ تھی جب حضورؐ اس قدر شدید بیمار ہو گئے کہ آپؐ کی زندگی کی امیدیں منقطع ہو کر رہ گئیں۔ آپؐ نے حضرت فاطمہؓ کے تمام بچوں کو بلایا جو سب، اپنے نانا کی بیماری اور مضطرب حالت کو دیکھ کر رونے لگے۔ ان بچوں کے درمیان ایک چھ سالہ بچی بھی تھی جو اس قدر غمگین ہوگئی کہ اس نے اپنا سر نانا کے سینے پر رکھ کر سسکیاں لینی شروع کیں۔ اللہ کے رسولؐ نے نہایت محبت و شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور تسلی دی۔ یہ وہی بچی تھی جو آج سے چھ سال قبل پیدا ہوئی تھی جبکہ حضورؐ مدینہ سے باہر تشریف فرما تھے۔ تین دن بعد اپنے سفر سے واپسی پر حضورؐ نے حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ اپنی گود میں بچی کو لیا اور بہت دیر تک روتے رہے۔ بعد ازاں ایک کھجور کو اپنے منہ میں اچھی طرح چبا کر، اس بچی کے منہ میں ڈال دی، آپؐ نے اس کا نام زینبؓ رکھا اور مزید فرمایا کہ اس کی مشابہت حضرت خدیجہؓ سے ہے۔ اس واقعے کے چھ سال بعد اس بچی کو اپنے نانا سے جدائی کا غم دیکھنا تھا۔ اگرچہ شفیق نانا کی وفات کسی بھی عظیم ترین سانحہ سے کم نہ تھی لیکن اس وقت کون جانتا تھا کہ اس بچی کو بڑا ہو کر مزید بہت سے دکھوں اور غموں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ انہی واقعات و حالات کے نتیجے کے طور پر آپؓ کو ام المصائب بھی کہا جاتا ہے۔ یہ زینبؓ کی ذاتِ والا صفات تھی جو اسلامی تاریخ میں ایک ایسی عظیم الشان خاتون کی حیثیت سے نمایاں ہوئیں کہ عقل، فہم، بصیرت، تقریر کی صلاحیت سے بہرہ مند، حوصلہ مند، حق گوئی میں کوئی دوسرا ان کا شریک و سہیم نہ ہو سکا۔ زینبؓ کو نہ صرف اپنے بھائی بلکہ دیگر خاندان کے لوگوں کو کربلا میں شہید ہونے کا حادثۂ فاجعہ بھی دیکھنا پڑا۔

مقام شوق تیرے قدسیوں کے بس کا نہیں
انہی کا کام ہے یہ جن کے حوصلے ہیں زیاد!

حضرت زینبؓ کی پیدائش پانچ ہجری کو ہوئی۔ ان کی پرورش حضرت علیؓ اور فاطمہؓ نے کی۔ حضور اکرمؐ آپؓ سے اس قدر محبت فرماتے تھے کہ وہ بھی آپؐ کے کاندھوں پر اپنے بھائیوں کی طرح بیٹھا کرتی تھیں۔ انہوں نے آخری حج کے موقع پر حضورؐ کے ساتھ پانچ سال کی عمر میں حج بھی کیا۔ رسولِ خدا کی رحلت کے کچھ ماہ بعد، آپؓ کی والدۂ ماجدہ (حضرت فاطمہؓ) کا بھی انتقال ہوگیا۔ تمام خاندان بشمول حضرت زینبؓ ان دو حادثات سے بہت پریشان اور افسردہ ہوئے۔ حضرت علیؓ نے تمام بچوں کی پرورش و نگہداشت کی ذمہ داری سنبھال لی۔ تاہم کچھ عرصہ بعد انہوں نے ایک خاتون ام البنین سے شادی کرلی تاکہ بچوں کی پرورش صحیح انداز میں ہوسکے۔ حضرت زینبؓ کی تعلیم و تربیت حضرت علیؓ کی گود اور نگرانی میں ہوئی۔ سیدہؓ نے بہت جلد ہی اپنی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہؓ کی سیرت کو اپنالیا۔ وہ قدآور خاتون تھیں متناسب اعضائے جسمانی کے ساتھ جن کے چہرے سے اپنے نانا کی عظمت ہویدا تھی اور چال ڈھال میں اپنے والد (حضرت علیؓ) کا نمونہ تھیں۔ تاریخ کے تمام مورخین اس امر پر متفق ہیں کہ سیدہ بنو ہاشم کی تمام لڑکیوں میں بہترین تھیں جیسا کہ حضرت حسن نے برجستہ کہا کہ ''زینبؓ کو بنو ہاشم کی تمام خواتین پر ایک گونہ فوقیت حاصل تھی۔'' چونکہ حضرت علیؓ خود اپنے دور کے ایک قادر الکلام مقرر تھے، سیدہؓ نے بھی اپنے باپ سے یہ فن ورثے میں حاصل کیا تھا۔ اور سیدہؓ نے جو تقاریر کی ہیں وہ آج بھی تاریخ انسانیت میں نمایاں ترین حیثیت کی حامل ہیں کہ انہیں سننے کے بعد کوئی بھی صاحب دل اپنی آنکھوں کو آنسو بہانے سے نہیں روک سکتا۔

سیدہؓ کا نکاح اپنے رشتے کے بھائی حضرت عبداللہ بن جعفر طیار بن ابی طالب سے ہوا تھا جب آپؓ کی عمر ۱۱، ۱۳ سال کی تھی اور یہ حضرت عمرؓ کی خلافت کا دور تھا۔ اگرچہ حضرت عبداللہ بہت متمول تھے اور گھر میں باندیاں میسر تھیں تاہم سیدہؓ اپنی والدہ کی طرح

اپنے ہاتھوں سے گھریلو کام سرانجام دیتی تھیں۔ میاں بیوی دونوں بہت سخی تھے اور غریب و نادار لوگوں کی مدد کرنے میں ہر وقت پیش پیش رہتے تھے۔

سترہویں ہجری میں حضرت علیؓ نے کوفہ کو اسلامی ریاست کا صدر مقام بنایا اور وہ اپنے شوہر کے ہمراہ وہاں منتقل ہوگئیں۔ سیدہؓ نے اپنے آپ کو کوفہ کی خواتین کو قرآنی تعلیمات دینے میں مصروف کرلیا۔ وہ مختلف درسوں کے ذریعے ایسی خواتین کو تعلیم دیا کرتی تھیں جو دینی معلومات کے حصول کے لیے کوشاں ہوتی تھیں۔ ایک دفعہ حضرت علیؓ نے ان کی وہ تفسیر سنی جو سورہ مریم سے متعلق تھی اور ان کے طرز ادائیگی اور حسن تقریر کی تعریف کی۔

چالیس ہجری میں حضرت علیؓ پر قتل کا حملہ ہوا جس میں وہ شدید زخمی ہو گئے۔ وہ ان زخموں سے جانبر نہ ہوسکے اور تین دن بعد ۲۱ رمضان المبارک ۴۱ھ کو انتقال فرما گئے۔ حضرت علیؓ کی وفات حسرت آیات نے حضرت زینبؓ کو شدید صدمہ سے دوچار کردیا لیکن کون جانتا تھا کہ چند مزید مصائب کا ابھی سیدہؓ کو سامنا کرنا پڑنا ہے۔ انچاس ہجری کو ان کے بڑے بھائی حضرت حسنؓ شہید ہوگئے جبکہ اس وقت سیدہؓ مدینہ میں تھیں۔

ساٹھ ہجری میں حضرت حسینؓ اہل کوفہ کی دعوت پر عازم کوفہ ہوئے اور حضرت زینبؓ اپنے دو کم سن بیٹوں اور دیگر اہل خاندان کے ہمراہ آپؓ کے ہمراہ تھیں۔ ۶۱ھ دس محرم والے دن کربلا میں وہ حادثہ فاجعہ واقع ہوا جس میں تمام اہل خانہ سوائے چند خواتین اور بچے شہید ہوگئے۔ اس عظیم حادثے کے موقعہ پر سیدہؓ نے جس استقامت، پامردی اور عقل و خرد کا مظاہرہ فرمایا، تاریخ انسانیت اس کی کوئی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ۶۱ ہجری، ۱۲ محرم کو کربلا سے کوفہ تک بقایا افراد خانہ نے شہداء کے جسم بریدہ اور خاک و خوں غلطاں نعشوں کے ساتھ سفر میں گزارا۔ تاہم آپؓ نے فرمایا:

يَا مُحَمَّدَاه! صَلَّى عَلَيْكَ مَلَائِكَةُ السَّمَاء أَهٰذَا الْحُسَيْنُ بِالْعَرَاء، مرَمَّلٌ بِالدِّمَاء، مُقَطَّع الاعْضَاءِ يا مُحَمَّدَاه! هٰذِهٖ بَنَاتُكَ سَبَايَا وَذُرِّيَّتُكَ "مُقَتَّلَةٌ، تَسْفِيْ عَلَيْهَا الصَّبا۔"

''اوہ! اے محمدؐ! آسمان کے فرشتے آپؐ پر درود بھیجیں۔ (دیکھئے) یہ حسینؓ ہیں جو کھلی فضاء میں (صحراء میں) خاک وخون میں آلودہ، کٹے ہوئے اعضاء کے ساتھ پڑے ہیں۔ دیکھئے اے محمدؐ! یہ آپ کی بیٹیاں قیدی بنی ہوئی ہیں اور آپؐ کی اولاد قتل ہو چکی ہے اور صبا (صبح کی ٹھنڈی ہوا) ان پر چل رہی ہے۔''

یہ قافلۂ سخت جان جب کوفہ میں داخل ہوا تو کوفہ کی خواتین جمگھٹے کی صورت میں سڑک کے کنارے کھڑی، اپنے لباس کو پھاڑ کر افسوس کے آنسو بہا رہی تھیں ان شہداء کی لاشوں کو اس بری طرح سے قتل کرنے پر۔

یہاں سیدہ زینبؓ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا سیدہؓ کو اہل کوفہ کا یہ طرز عمل پسند نہ آیا کہ وہ ان کی اس ہمدردی سے متاثر ہوتیں کہ دراصل یہی وہ لوگ تھے جو ان کے والد ماجد اور بعد ازاں ان کے بھائی کو شہید کرانے میں مدد و معاون بنے تھے۔ یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے مسلم بن عقیل کو دشمن کے ہاتھوں میں بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے حضرت حسینؓ کو اپنی وفاداری کا یقین دلا کر بالآخر انہیں شہید کرا دیا۔ سیدہ زینبؓ اہل کوفہ کو دیکھ کر جو حسینؓ اور خاندان کے دیگر لوگوں کی شہادت پر اظہار افسوس کے لیے آنسو بہا رہے تھے، برداشت نہ کر سکیں اور فرمایا:

أَمَّا بعد:

يَأَهْلَ الْكُوفَة ! أَتَبكُونَ ؟ فَلَا سَكَنَتِ الْعَبْرَةَ ولا هدأَتِ الرَّنَّةُ ! إِنَّمَا مَثَلُكُمْ مَثَلُ الَّتى نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ، أَلَا سَآءَ مَا تَزِرُونَ۔

''اے اہل کوفہ! اب تم رو رہے ہو؟ تمہارے آنسو کبھی نہیں تھمیں گے اور تمہاری چیخ و پکار کبھی نہیں رُکے گی (سکون پائے گی)۔''

''تمہاری مثال اس عورت کی طرح ہے جس نے اپنا سوت مضبوط کاتنے کے بعد (خود ہی) ٹکڑے ٹکڑے کر کے توڑ ڈالا۔ تم اپنی قسموں کو آپس کے

معاملات میں مکروفریب (کا ہتھیار) کا ذریعہ بناتے ہو......خبردار بہت برا بوجھ ہے جو تم اٹھا رہے ہو۔''

آہ!____

وَاللهِ فَابْكُوْا كَثِيْرًا وَاضْحَكُوْا قَلِيْلًا فَقَدْ ذَهَبْتُمْ بِعَارِهَا وَشَنَارِهَا، فَلَنْ تَرْحَضُوْهَا بِغَسْلٍ اَبَدًا وَكَيْفَ تَرْحَضُوْنَ ثِقْلَ سِبْطِ خَاتَمِ النُّبُوَّةِ وَمَعْدِنِ الرِّسَالَةِ وَمَدَارِ حُجَّتِكُمْ وَمَنَارِ مُحَبَّتِكُمْ هُوَ "سَيِّدُ شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ؟ لَقَدْ اَتَيْتُمْ بِهَا خَرْقَاءَ شَوْهَاءَ۔"

''(اے اہل کوفہ!) اللہ کی قسم! اب تم زیادہ روتے رہو گے اور کم ہنسو گے۔ تم اس (واقعہ کربلا) سے ایسی شرمندگی اور رسوائی لے کر گئے ہو جسے تم دھو کر بھی نہیں مٹا سکو گے اور تم خاتم نبوت اور رسالت کے سرچشمے، اپنی حجت کے مدار (دلیل کے مرکز) اور اپنی محبت کے مینار کے نواسے کے بوجھ کو دھو بھی کیسے سکتے ہو۔ جو اہل جنت کے سردار ہیں (یعنی امام حسینؓ) تم تو حواس باختہ ہو چکے ہو اور (تمہارے چہرے) سیاہ اور داغدار ہو چکے ہیں۔''

اِنْ تَعْجَبُوْنَ لَوْ اَمْطَرَتْ دَمًا؟ اَلَا سَاءَ مَا سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ ان سَخِطَ اللهُ عَلَيْكُمْ وَفِي الْعَذَابِ اَنْتُمْ خٰلِدُوْنَ۔ أَتَدْرُوْنَ اَىَّ كَبَدٍ فَرَيْتُمْ وَاَىَّ دَمٍ سَفَكْتُمْ؟ وَاَىَّ كَرِيْمَةٍ اَبْرَزْتُمْ، "لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا۔ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وتنشقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا۔

''کیا تم تعجب کرو گے اگر خون کی بارش ہونے لگے۔ خبردار! بہت برا کام ہوا ہے جو تمہارے نفس نے تمہارے لیے آسان بنا دیا۔ اللہ تم سے ناراض ہو چکا ہے اور تم ہمیشہ عذاب میں رہو گے۔ کیا تم جانتے ہو کس جگر (کلیجے) کو تم نے

چیر ڈالا اور کس کا تم نے خون بہا ڈالا؟ اور کن شریف خواتین کو تم منظر عام پر لے آئے؟ ''تم نے انتہائی برا کام (سنگین معاملہ) کیا۔قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہوجائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہوکر گر جائیں۔''

ان الفاظ کو سن کر کوئی فرد بھی روئے بغیر نہ رہ سکا۔تاہم جب یہ قافلہ کوفہ شہر میں داخل ہوا تو وہاں ہزاروں لوگوں کو دیکھا جن میں سے کچھ کی آنکھوں سے آنسو بھی چھلک رہے تھے۔کوفیوں کے اس بڑے مجمع کو دیکھ کر سیدہ نے انہیں تنبیہ کی **''اے لوگو! اپنی نظروں کو نیچے کرو...... یہ قافلہ سخت جان محمدؐ کے لٹے پٹے اہل خانہ پر مشتمل ہے۔''**___ یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس عظیم افسوسناک حادثہ پر بھی سیدہؓ کو حجاب/ پردہ کا کس قدر خیال تھا ان مسلمان خواتین اور مرد حضرات کو خیال کرنا چاہیے جو آج ان کے نام لیوا بنے ہوئے ہیں۔

اس کے بعد سیدہؓ زینبؓ نے ان کوفیوں کو خطاب کیا۔ایسا محسوس ہوتا تھا کہ حضرت علیؓ تقریر فرما رہے ہیں۔اس موقعہ پر سیدہؓ نے انہیں ہاتھ کے اشارے سے خاموش رہنے کا حکم دیا۔جب تک آپؓ تقریر کرتی رہیں تمام مجمع پر سناٹا چھایا رہا۔کوفہ کے در و دیوار حضرت زینبؓ کی آواز سے گونجتے رہے۔

جب یہ قافلہ ابن زیاد کے دربار میں پہنچا تو سیدہؓ نے چاہا کہ وہ چند آنسو بہا کر اپنے آپ کو اس غم وغصہ کی کیفیت سے کسی حد تک آرام فرمالیں لیکن سیدہؓ نے یہ گوارا نہ کیا کہ ان کا دشمن انہیں آنکھوں سے آنسو بہاتے دیکھ کر مطمئن ومسرور ہو......زیاد، سیدہؓ کی عظمت و جلالت نیز قوت برداشت سے برافروختہ ہوا اور شہداء کی شان میں چند نازیبا الفاظ کہے۔ سیدہؓ نے اس کی جانب شعلہ بار آنکھوں سے دیکھتے ہوئے فرمایا:

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ اَکْرَمَنَا بِنَبِیِّهٖ ﷺ وَطَهَّرَنَا مِنَ الرِّجْسِ تَطْهِیْرًا۔ اِنَّمَا یَفْضَحُ الْفَاسِقُ وَیَکْذِبُ الْفَاجِرُ وَهُوَ غَیْرُنَا، وَالْحَمْدُلِلّٰهِ۔

''تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے ہمیں اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ذریعے عزت عطا فرمائی اور ہمیں گندگی سے پوری طرح پاک کر دیا۔ بے شک فاسق ذلیل ہوگا اور فاجر جھوٹا (ثابت) ہوگا اور وہ ہم میں سے نہیں ہیں۔ الحمدللہ۔''

ابن زیاد کے ایک سوال پر، سیدہؓ نے اس عزیمت و استقلال اور شانِ بے نیازی سے جواب دیا۔

كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ فَبَرَزُوْا اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ وَسَيَجْمَعُ اللهُ بَيْنَكَ وَبَيْنَهُمْ فَتَخْتَصِمُوْنَ عِنْدَهٗ۔

''ان کا (حسینؓ اور ان کے ساتھیوں) قتل تو (شہادت) (تقدیر میں) لکھ دیا گیا تھا لہٰذا یہ اپنی شہادت گاہوں کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔ اور اللہ عنقریب آپؓ (حسینؓ) کو اور ان کو جمع کرے گا۔ (آپ کے درمیان فیصلہ کرے گا) پس آپؓ اللہ کے سامنے (ان کے معاملے میں) جھگڑا کریں گے۔ (دلیل دیں گے)۔''

بالآخر یہ قافلہ دمشق پہنچا اور یزید کے دربار میں لایا گیا۔ اس کے دربار میں سیدہؓ نے ایک بہت بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جو سنہرے حروف میں لکھنے کے قابل ہے۔

اَظَنَنْتَ يَا يَزِيدُ اَنَّهٗ حِيْنَ اُخِذَ عَلَيْنَا بِأَطْرَافِ الْاَرْضِ وَاَكْنَافِ السَّمَآءِ۔ فَاَصْبَحْنَا نُسَاقُ كَمَا تُسَاقُ الْاُسَارٰى، اِنَّ بِنَا هَوَانًا عَلَى اللهِ، وَإِنَّ بِكَ عَلَيْهِ كَرَامَةً؟ وَتَوَهَّمْتَ أَنَّ هٰذَا الْعَظِيْمَ خَطَرُكَ فَشَمَخْتَ بِأَنْفِكَ وَنَظَرْتَ فِي عِيْنَيْكَ جَذْلَانَ فَرِحًا، حِيْنَ رَأَيْتَ الدُّنْيَا مُسْتَوْثِقَةً لَّكَ وَالْاُمُور مستقلة عَلَيْكَ؟ انّ للهِ اِنْ اَمْهَلَكَ فَهُوَ قَوْلُهٗ ... الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرًا لِّاَنْفُسِهِمْ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْا اِثْمًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ۔ ولتردن على الله وشيكا موردهم وعند ذٰلك

تودلو کنت ابکم واعمٰی۔

''اے یزید! کیا تو نے یہ گمان کیا تھا کہ جب زمین وآسمان کے کنارے ہمیں گھیر لیں گے تو ہماری یہ حالت ہوگی کہ ہم اس طرح چلا کر (ہانک کر) تمہارے سامنے لائے جائیں گے جس طرح قیدی لائے جاتے ہیں اور (تم نے یہ خیال کیا تھا) یہ کہ ہم اللہ کے سامنے ذلیل ہوں گے اور تمہیں عزت ملے گی؟ اور تمہارا وہم وگمان تو یہ تھا کہ یہ عظیم شخص (امام حسینؓ) تمہارے لیے خطرہ ہے جسے تم نے اپنی ناک سے سونگھ لیا تھا اور اپنی نظروں سے دیکھ لیا تھا۔ لیکن تم اس بات پر شاداں وفرحاں تھے کہ پوری دنیا تمہاری دسترس میں ہے (جس پر تم بھروسہ کیے ہوئے تھے) اور تمام معاملات تمہارے ہی حق میں ہیں۔ اب اگر اللہ تمہیں مہلت دے رہا ہے تو یہ بھی تو اسی کا قول ہے: ''کافر یہ گمان نہ کریں اگر ہم انہیں ڈھیل دے رہے ہیں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہے بلکہ ہم تو اس لیے ڈھیل دے رہے ہیں کہ وہ گناہوں میں بڑھتے چلے جائیں اور پھر ان کے لیے رسواکن عذاب ہے۔'' اور تم ضرور اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور ان کا وہاں وارد ہونا (پہنچنا) قریب ہی ہے۔ اور تب تم تمنا کروگے کہ کاش تم گونگے اور اندھے ہوتے۔''

اتقول : لَيتَ اشياخي ببدر شهدوا،غير متأثم ولا مستعظم وانت تنكث ثنايا أبي عبدالله بمحضرتك؟ ولم لا ؟ وقد نكات القرحة استأصلت الشافة بأهراقك هذه الدماء الطاهرة داماء نجوم الارض من اٰل عبدالمطلب؟

''کیا تم یہ کہتے ہو: کاش میرے بزرگ بدر میں شہید ہو جاتے، وہ بے گناہ ہوتے اور متکبر نہ ہوتے اور تم تو وہ ہو کہ تم نے ابو عبداللہ کے سامنے کے دانت توڑ دیئے جب وہ تمہارے سامنے آئے۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا۔ تم نے تو یہ

پاکیزہ خون بہا کر اور آلِ عبدالمطلب کے زمینی ستاروں کا خون بہا کر زخم کو چھیل دیا اور ان کی نسل کی بیخ کنی کر ڈالی۔ (جڑ سے اکھیڑ دیا)۔"

ا یزید واللہ ما فریت الّا فی جلدك ولا جزرت الا فی لحمك او ستر د علی رسول اللہ (ﷺ) بر غمك ولتجدنّ عترته ولحمه من حوله فی حظیرۃ القدس، یوم یجمع اللہ شملهم من الشعث۔" ولا تحسبنّ الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتاً۔ بل احیاء عند ربهم یرزقون۔

"اے یزید! اللہ کی قسم، تم نے اپنی ہی جلد کو پھاڑا ہے اور اپنے ہی گوشت کو کاٹا ہے اور جب تم خاک آلود ہو کر رسولؐ اللہ کے پاس جاؤ گے تو ان کی اولاد اور ان کے گوشت (رشتہ داروں) کو جنت میں ان (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اردگرد پاؤ گے۔ جس دن اللہ ان کی بکھری ہوئی جمعیت کو جمع کرے گا۔" اور تم ہرگز یہ گمان نہ کرو کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے وہ مردہ ہیں۔ بلکہ وہ تو زندہ ہیں۔ اپنے رب کے ہاں رزق پا رہے ہیں۔"

اَمن العَدْلِ یا ابن الطلقا تخذیرك بنَاتُكَ وَاِمَاءُكَ وَسوقُكَ وبناتُ رسول اللہ ﷺ کالاناری قد هنکت ستورهن واصلحت اصواتهن مکتبات تجری بهن الدباعر وتحدوبهن الدعادی من بَلَدٍ اِلی بَلَدٍ وَلَا یُرَاقِبْنَ وَلا ینووِن یشتر فهن القربب والبعبد ولیس معهن قریب من رجالهن۔

"اے طبقہ طلقاء کے بیٹے! کیا یہ سب کچھ قرین عدل و انصاف اور سچائی ہے کہ تیری اپنی بیٹیاں اور باندیاں تو تمہاری سرپرستی میں پردہ پوش ہوں اور اللہ کے رسولؐ کی بیٹیاں اِدھر اُدھر (ایک جگہ سے دوسری جگہ) ذلیل کرنے کے لیے قیدیوں کی طرح کھینچی جا رہی ہوں؟ ان کے حجاب پھٹ گئے ہیں اور ان

کی آوازیں غم واندوہ کی وجہ سے بیٹھ گئی ہیں۔ انہیں نہایت ہی غم اور پریشانی کے عالم میں اونٹ کی پیٹھوں پر بٹھا کر مختلف جگہوں پر پھرایا جا رہا ہے۔ تم انہیں ذلیل کر کے ان کے دشمنوں کے ہاتھوں شہروں میں پھرا رہے ہو جبکہ ان کی نگرانی کرنے والا کوئی چوکیدار نہیں اور کسی منزل کا تعین بھی نہیں۔ دور و نزدیک سے آنے والے لوگ ان کی (اس بے چارگی کا) نظارہ کر رہے ہیں جبکہ ان کے ہمراہ ان کا کوئی بھی محرم نہ ہے۔''

وَسَتَعْلَمُ اَنْتَ وَمَن بَوّاكَ وَمَكَّنَكَ من رِقَابِ الْمؤمنين، اِذَا كَانَ ايحكُمُ رَبُّنَا وَالْخَصْمُ جَنَأً وَجَوَارِحُكَ شَاهِدَة عَلَيْكَ اَيُّنَا شَرٌّ مَّكَانًا وَاَضْعَفُ جُنْدًا۔

"فلئن اتخذتنا فى هٰذِهِ الْحَيَاةِ مغنما، لتجدننا عليك مغْرَمًا حِيْنَ لَا تَجِدُ اِلَّا مَا قَدَّمْتَ يَدَاكَ، تَسْتَصْرِخُ بِابْنِ مرجانِة۔ عبيد الله بن زياد۔ ويستصرخ بِكَ وتتعاوى ابناءك عِنْدَ الميزان وَقَدْ وَجَدْتَ اَفْضَلَ زَادٍ تزوّدتّهُ ثقل ذُرِّيَّةِ محمد ﷺ فوالله ما اتقيت غير الله وما شكوت الا الله، فكد كيدك، واسع سعيك وناصب جهدك فوالله لا يرحض عنك عارٌ ما اُتَيْتَ اِلَيْنَا اَبَدًا۔

''اور تم جان لو گے اور وہ لوگ بھی جنھوں نے تمہیں ٹھکانا دیا اور اس مقام تک پہنچایا کہ تم مومنوں کی گردنیں کاٹو۔ جب ہمارا رب فیصلہ کرے گا اور دشمن (جھگڑا کرنے والا) اوندھا ہو جائے گا اور تمہارے اعضاء تمہارے خلاف گواہی دیں گے (تب تم جان لو گے) کہ ''ہم میں سے کون برے مقام پر ہے اور کس کا لشکر کمزور ہے۔'' پس کیا تم نے ہمیں زندگی میں مالِ غنیمت سمجھ لیا تھا، تم ہمیں اپنے اوپر بوجھ (تاوان) پاؤ گے جب تم اپنے آگے بھیجے ہوئے

(اعمال) کے سوا کچھ نہ پاؤ گے اور تم چیخ کر ابن مرجانہ کو پکارو گے۔ عبید اللہ بن زیاد۔ اور وہ تمہارے سامنے فریاد کر رہا ہوگا اور جب میزان قائم ہوگی تو تمہارے اپنے بیٹے تمہاری مخالفت میں اکٹھے ہو جائیں گے اور تمہارے پاس بہترین زادِراہ وہی ہوگا جو تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اولاد کا بوجھ اٹھا کر حاصل کیا۔ پس اللہ کی قسم! میں تو اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتی، اور اللہ کے سوا کسی سے شکایت نہیں کرتی۔ پس تو اپنی پوری تدبیر کر لے، اور پوری کوشش کر لے، اپنی جدوجہد میں خوب محنت کر لے۔ پس اللہ کی قسم! تجھ سے وہ شرمندگی (رسوائی) کا داغ نہیں دُھل سکے گا جو ہماری وجہ سے تجھے لگ چکا ہے۔ ہرگز نہیں۔ کبھی نہیں دُھلے گا۔"

ضمیمہ ر:

حضرت زینبؓ بنت عوام

انہوں نے یہ اشعار اپنے بھائی حضرت زبیرؓ کی شہادت کے موقعہ پر کہے جب جنگ جمل میں ان کی شہادت واقع ہوئی۔

قتلتم حواری النبی وصرہ
وصاحبہ فاستبشرو بجحیم
وقد ھدنی قتل ان عثمان قبلہ
وجاءتُ علیہ عبرتی بسحوم
اعینی جودا بالدموع وافرغا
علی رجل طلق الیدین کریم

''تم نے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حواری اور ہم زلف کو قتل کیا پس تم کو جہنم کی بشارت ہو۔ اس سے پہلے عثمانؓ کی شہادت کا صدمہ سہہ چکی ہوں اور اس پر آٹھ آٹھ آنسو رو چکی ہوں۔ اے مری آنکھو (اب) آنسو بہاؤ اس مرد سخی فراخ دست پر۔''

ضمیمہ ز:

حضرت عاتکہؓ بنت زید

حضرت عاتکہؓ، حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے عبداللہ کی اہلیہ تھیں۔ ۱۱ھ میں طائف کی جنگ کے دوران وہ شدید زخمی ہو کر شہید ہو گئے تھے۔ اپنے خاوند کی وفات حسرت آیات پر، انہوں نے جو از خود شاعری کا بہت عمدہ ذوق رکھتی تھیں، درج ذیل اشعار کہے:

اليت لا ينفك عيني حزينة
عليك ولا ينفك جلدى اغبرا
لله عينا من رأى مثله فتى
اكروا حمى الهياج واصبرا
اذا شرعت فيه الاسنة خاضها
الى الموت حتى يدرك الموت احمرا
مدى الدهر حين غنت حمامة ايكة
وما ترد الليل مصباح المنورا

''قسم کھا کر کہتی ہوں کہ تیرے غم میں میری آنکھ روئے گی اور میرا جسم غبار آلود رہے گا۔ زہے قسمت اس آنکھ کی جس نے تجھ جیسا جنگ جو اور ثابت قدم جوان دیکھا۔ اس پر تیر برستے تو ان کی بوچھاڑ میں گھستا ہوا وہ اس وقت تک موت کی طرف چلتا رہتا جب تک کہ خون کی ندیاں نہ بہا لیتا۔ زندگی بھر جب جنگلی کبوتر گنگنائے گا (روتی رہوں گی) اور جب تک رات پر صبح آتی رہے۔''

حضرت عبداللہ کی وفات کے بعد، ان کی شادی حضرت عمرؓ سے ہو گئی۔ تاہم حضرت عمرؓ کی شہادت پر بھی انہوں نے دوبارہ مرثیہ کے طور پر یہ اشعار کہے:

من لنفس عادها احزانها
ولعين شفها طول اسهد
وجسد لفف فی اکفانه
رحمة الله على ذاك الجسد
فيه تفجيع لمولى عازمر
لم يدعه الله يمشى لسيب

''کون سمجھائے اس نفس کو جس کے غموں نے پھر اعادہ کیا ہے اور آنکھ کو جس کو بیداری کی کثرت نے تکلیف دی ہے، اور اس جسم کو جو کفن میں لپیٹا گیا ہے اللہ تعالیٰ کی اس پر رحمت ہو، مقروض اور نادار عزیزوں کو اس کا صدمہ ہے۔''

حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد، ان کی شادی حضرت زبیرؓ کے ساتھ ہوگئی۔ جب ان کی بھی شہادت جنگ جمل میں ہوگئی تو وہ بہت مغموم ہوئیں اور فوری طور پر درج ذیل اشعار کہے:

غدر ابن جرموز بفارس بهمة
يومر اللقاء وكان غير معرد
يا عمرو ، لونبهته لوجدته
لا حائشاد عش الجنان ولا اليد
كم غمرة قد خاضها لم يثنه
عنها طرادك يا ابن فقح القردد
ثكلتك امك ان ظفرت بمثله
ممن مضى ممن يروح ويغيرے
والله ربك ان قتلت لمسلما
حلت عليك عقوبه المتعمد

''ابن جرموز نے لڑائی کے دن ایک عالی ہمت شہسوار سے غداری کی اور غداری بھی ایسی حالت میں کہ وہ نہتا اور بے سروسامان تھا۔اے عمرو اگر تو اس کو پہلے سے متنبہ کر دیتا تو اس کو ایسا شخص پاتا کہ نہ اس کے دل میں خوف ہوتا اور نہ ہاتھ میں لرزہ، کتنے مصائب ہیں کہ وہ ان میں گھس گیا، اے بندریا کے بیٹے، تو اس کو جھکا سکا نہ پچھاڑ سکا، تیری ماں تجھ پر روئے تو ان لوگوں پر جو گزر چکے ہیں اور جو زندہ ہیں۔اس طرح غالب نہیں ہوسکا۔خدا کی قسم تو نے ایک مسلماں کو ناحق قتل کیا تجھ پر ضرور اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوگا۔''

ضمیمہ س:

پینڈورا اور للتھ: یہودی لٹریچر کے دو کردار

تورات، اللہ تعالیٰ کے ان احکامات پر مشتمل کتاب تھی جو حضرت موسیٰ کو دی گئی تھی کہ بنی اسرائیل اس پر ایمان لا کر عمل پیرا ہوں۔ تاہم بعد ازاں تورات کا ''باب پیدائش'' (Creation) بہت سے یہودی اور عیسائیوں کے راہبوں اور سینٹ کا نشانہ ستم بنا جس میں انہوں نے اپنے اپنے زمانے کے سمیرین، اہل بابل اور مصری تاریخی حالات و واقعات کو داخل کر دیا جو پہلی سے پانچویں صدی قبل مسیح میں واقع ہوئے تھے۔ متعدد یہودی اہل علم کی یہ متفقہ رائے ہے کہ تورات کی تدوین میں بہت سے راہبوں کا حصہ ہے (ریاض اختر ۲۰۱۷ء)۔ یہی وجہ ہے کہ تورات میں اصل احکام الٰہی کا ایک بہت ہی قلیل حصہ باقی رہ گیا ہے۔ اگرچہ تورات میں بہت سی تبدیلیاں، کتر بیونت کی گئی تاہم عورتوں کے مقام اور مرتبہ کے بارے میں یہ واحد ذریعہ معلومات ہے جو فی زمانہ موجود ہے۔ ریاض اختر نے اپنی کتاب میں عورتوں کے بارے میں یہودیوں کی دشمنی پر مبنی رویے کے بارے میں بہت تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ ان کی کتاب کے کچھ حصوں کی تلخیص درج ذیل ہے۔

O___ یہودیت کے مختلف زمانوں میں ۵۵ انبیاء کا ذکر ملتا ہے جس میں سے سات خواتین بھی شامل ہیں۔ یہ امر باعث دلچسپی ہے کہ ان میں سے چار خواتین پیغمبر ایسی بھی ہیں جن کا مقام و مرتبہ حضرت ابراہیم، حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب علیہم السلام سے بھی بڑا بتایا گیا ہے۔ تاہم بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ کی بہن کا ذکر نظر انداز کر دیا ہے جبکہ تورات میں انہیں بھی ایک پیغمبر کہا گیا ہے۔

تورات میں مختلف پیغمبر خواتین کے اعلیٰ مقام و مرتبہ کے ساتھ ساتھ، ایک دیوی

پینڈورا ◆ کا نام بھی ملتا ہے جسے یونانی دیوتا زیس (Zeus) نے مردوں کو سزا دینے کے طور پر ایک نہایت حسین عورت کی شکل میں پیدا کیا تھا! مردوں کے تمام تر مسائل ومصائب کے لیے اس کی پیدائش وجود میں لائی گئی تھی۔ چونکہ دیگر تمام دیوی اور دیوتاؤں نے اس کی پیدائش پر اسے مختلف تحفے رتحائف دیئے تھے از قسم جنس اور خوبصورتی، دلکش آواز، جسمانی پھرتی و چالاکی (Agility)، تہذیب کی اقدار، نزاکت و لطافت اور عشق و محبت کے جذبات پس پینڈورا کا مطلب ''تمام تر تحائف کا مجموعہ (All Gifts)'' اس کے خالق زیس دیوتا نے اسے ایک بکس رصندوق بھی دیا تھا اس نصیحت اور تاکید کے ساتھ کہ وہ اسے کبھی کھولے گی نہیں۔ لیکن چونکہ وہ حیرت وتعجب کی صفت کی حامل بھی تھی اس لیے وہ اس نصیحت پر عمل نہ کرسکی اور اسے کھول بیٹھی۔ جونہی اس نے وہ صندوق کھولا تو ہزاروں مسائل از قسم امراض، پریشانیاں، اور بے شمار دیگر برائیاں اس صندوق سے باہر آ گئیں سوائے ایک ''امید (Hope)'' کہ جس کے سہارے انسان زندہ رہ سکے۔ پس اس طریق پر زیس نامی دیوتا نے پینڈورا (عورت) کی تخلیق کے ذریعے مردوں کے طبقے سے اپنا انتقام لیا۔ اس وقت سے لے کر آج تک یہودی نصرانی لٹریچر میں طبقہ اناث کو مردوں نیز انسانیت کی تمام برائیوں کی جڑ سمجھا جاتا ہے!

اسی طرح اسرائیلی روایات میں ایک دوسری ''خاتون'' کی پیدائش کا بھی ذکر ہے جس کا نام للتھ (Lilith) ہے جو حضرت حوا کی پیدائش سے بھی پہلے وجود میں آئی تھی۔ روایت سے پتہ چلتا ہے کہ یہوداہ (ایک دیوتا) نے بھی ایک عورت کی تخلیق مٹی سے کی تھی آدم کے ساتھ ہی لیکن اس فرق کے ساتھ کہ عورت کی تخلیق جس مٹی سے ہوئی تھی اس میں کسی گندگی کی آمیزش تھی۔ تاہم آدم اور للتھ نے زوجین کی حیثیت سے اکٹھا رہنا شروع کردیا

◆ اس نام سے خواتین کے حسن وآرائش کے لئے مختلف پوڈر، لپ اسٹک وغیرہ گراں قیمت پر یورپی ممالک سے مسلم ممالک کی خواتین استعمال کرتی ہیں۔ دینی ذوق اور علم رکھنے والے مرد وخواتین کو اس پر بھی غور کرنا چاہیے کہ وہ کس کردار کو پرموٹ کررہے ہیں۔

لیکن بعد میں ان دونوں کے درمیان اس بات پر ایک جھگڑا کھڑا ہو گیا کہ کیا وہ دونوں برابر/ مساوی ہیں یا آدم کو للتھ پر کوئی برتری حاصل ہے؟ کہا جاتا ہے کہ للتھ نے آدم کے ساتھ مباشرت کی حالت میں نیچے لیٹنے میں اپنی سبکی محسوس کی کیونکہ اس طرح آدم کی برتری ثابت ہوتی تھی۔ وہ آدم سے ناراض ہو کر چلی گئی کہ ہرگز دوبارہ واپس نہ آئے گی اس طرح للتھ کے بارے میں بہت سے قصے کہانیاں پائی جاتی ہیں تاہم جب اس کا مقابلہ حوا (EVE) کے ساتھ کیا جاتا ہے تو یہاں ایک دلچسپ صورت پیدا ہوتی ہے۔ تورات اور انجیلوں میں حوا کو اپنے ''اصل گناہ (Original Sin) '' کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے جو ان سے ممنوعہ درخت کا پھل نہ کھانے کی تعمیل نہ کرنے سے سرزد ہوا تھا اور یوں وہ انسانوں کے لیے تمام مسائل اور خرابیوں کی مورد الزام ٹھہرائی گئیں۔ اسی لیے یہود و نصاریٰ کے تمام ربی اور سینٹ انہیں برا کہنے میں یک زبان ہیں تاہم صنفی مساوات کے حامی کچھ مرد اور خواتین کے نزدیک للتھ کا کردار ایک ایسا من موہنا رویہ ہے جسے وہ آئیڈیل قرار دیتے ہیں جس نے نہایت جرأت کے ساتھ آدم کی برتری کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ، وہ حوا کی طرح اسے بھی ایک اخلاق باختہ (Abulterous) عورت سمجھتے ہیں، جس کے ناجائز تعلقات شیطان کے ساتھ تھے اور وہ بھی نفسانی/ سفلی خواہشات اور اعمال کی علامت ہے اور یوں دنیا میں بے شمار شیطانوں کو وجود میں لانے (ولادت کے ذریعے) کی ذمہ دار ٹھہری۔

یہاں یہ امر بھی باعث دلچسپی ہے کہ یہودی انسائیکلو پیڈیا میں للتھ پر جو مقالہ ہے، اس کے مطابق للتھ کو ایک ''رات کی چڑیل'' (Night Monster) گردانا جاتا ہے اور اسے ایک شیطان عورت کے طور پر بیان کیا گیا ہے جو اکثر ویران جگہوں میں رہتی ہے۔

مزید اسی طرح یہودی لٹریچر میں للتھ کو سانپ کے روپ میں بھی دکھایا گیا ہے جو جنت میں داخل ہو کر حوا کو ورغلانے میں کامیاب ہوا تھا کہ وہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرے۔ درج بالا سطور میں اشارہ کیا گیا ہے کہ وہ آدم سے جھگڑا کر کے جنت سے چلی گئی

تھی اور جب وہ واپس نہ آئی تو اللہ نے آدم کے لیے حوا کو پیدا کر دیا۔ چونکہ للتھ بطور ایک علامت بدی کے مشہور ہوئی وہ جنت میں ایک سانپ کے بھیس میں داخل ہوئی اور حوا کو بہکانے میں کامیاب ہوگئی اللہ کی نافرمانی کے اولین گناہ سرزد ہونے کی وجہ سے۔

درج بالا سطور میں للتھ کے بارے میں جو کچھ مختلف مذاہب کے لٹریچر میں کہا گیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا اصل کردار ایک شیطان کا سا ہے جو جنس اور اخلاق باختگی کی علامت بھی ہے۔ درج بالا مختلف یہودی/نصرانی کتب کی روایات سے یہ امر سمجھنے میں بھی مدد ملتی ہے کہ انسانی آراء اور فکر میں مختلف افراد/علاقوں/ادوار میں کس قدر اختلافات پائے جاتے رہے ہیں جو انسانی فکر کی نارسائی کا ایک واضح ثبوت ہے اور الہامی ہدایت کی ضرورت اور اہمیت کی ایک روشن دلیل بھی۔

ضمیمہ ش:

فیمنزم چند حقائق

گزشتہ ابواب میں مندرجہ تمام گفتگو سے یہ امر بخوبی واضح ہو گیا ہوگا کہ اسلام میں خواتین کو کیا مرتبہ اور مقام حاصل ہے۔ گزشتہ دو تین صدیوں میں استعماری قوتوں نے عالم اسلام کے مختلف ممالک پر حکمرانی کی ہے۔ ان کا مقصد اولیٰ، امت مسلمہ کے عائلی/خاندانی نظام کو تباہ کرنا تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے مختلف عیسائی مشنریز نے متعدد سماجی امور از قسم تعلیم گاہوں، ہسپتالوں وغیرہ کے ذریعے کوششیں کیں۔ نیز انگریز لارڈ میکالے کے وضع کردہ تعلیمی نظام کے ذریعے اس خطے میں ''اینگلو انڈین اور اینگلو محمڈن'' طبقے کو پیدا کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ (سید مودودیؒ ۱۹۹۸ء)

۱۹۴۷ء میں انگریز کی غلامی سے آزاد ہونے کے بعد بابائے قوم محمد علی جناح نے ایک اسلامی ریاست کے لیے مناسب تعلیمی نظام وضع کرنے کا حکم دیا۔ بدقسمتی سے وہ اپنی رحلت کی وجہ سے اس مقصد عظیم کو عملی جامہ پہنتے نہ دیکھ سکے تاہم ان کی وفات کے بعد وہ طبقہ (بیوروکریسی، سیاستدان) جس کی تعلیم و تربیت برطانوی دور میں اس تعلیمی نظام کے تحت ہوئی تھی (چند استثنیات کے ساتھ) وہ بابائے قوم کی خواہشات کے مطابق مناسب نظام تعلیم وضع کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ [1] پاکستان کی خاتون اول بیگم لیاقت علی خان نے، امریکہ یاترا کے بعد ۱۹۴۹ء میں آل پاکستان ویمن ایسوسی ایشن (اپوا) کی طرح ڈالی۔ اس دن سے اس ملک کے حکمران طبقے کی متمول خواتین نے وطن عزیز میں طبقہ نسواں کی فلاح و بہبود کے نام پر جھنڈا اٹھا لیا جو گزشتہ ۷۰ سالوں سے اب تک اس کے لیے کوشاں ہیں۔

---

[1] تفصیلات کیلئے دیکھئے محمد آفتاب خان (۲۰۲۲) کی کتاب ''پاکستان میں نظام تعلیم کی زبوں حالی''

چونکہ اس قسم کے بیشتر خواتین کی تعلیم وتربیت اور ذہنی اٹھان مغربی کلچر کے پس منظر میں ہوئی تھی اور وہ قرآن وحدیث کی براہِ راست تعلیمات سے نابلد تھیں تو اپوا کے تحت پہلے دن سے ہی غیر اسلامی رسم و رواج کا ڈول پڑ گیا۔ اگر چہ ایسی خواتین اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکیں تاہم گزشتہ دور میں حکمران طبقے کی اشیر باد اور حمایت نیز تعلیمی نظام اور میڈیا کی یلغار نے مل جل کر خواتین کا ایک ایسا طبقہ پیدا کر دیا ہے جو مغربی تہذیب وتمدن سے متاثر ہی نہیں بلکہ اپنا تمام تر نقد جان بھی اسے دے بیٹھا ہے۔ گزشتہ صدی میں تحریک مساوات کے حامی مرد وزن اپنے عالمی پروپیگنڈے کے بل پر امریکہ اور مغرب کے تمام ممالک تک اپنا اثر نفوذ قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ مسلم ممالک بھی اخلاق باختگی اور جنسی انحطاط کے اس طوفان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے اور اب تو یہ طوفان ان کے گھروں کے اندر بھی ٹی وی، انٹرنیٹ اور موبائل کے ذریعے داخل ہو چکا ہے۔ ذیل کی سطور میں ہم نے اختصار کے ساتھ اور آزادئ تحریک نسواں کی اس مہم کے تاریخی پس منظر سے آگہی کی کوشش کی ہے۔

اس کتاب کے باب سوئم میں ہم نے واضح کیا ہے کہ یورپ میں اٹھارویں صدی میں انقلاب فرانس اور صنعتی انقلاب کے نتیجے میں، گاؤں دیہاتوں سے شہروں کی جانب آبادی کا بہاؤ (Urbanization) واقع ہوا۔ جس کی وجہ سے ایک فرد کی آزادی (انفرادیت Indivdualism) کے تصور نے جنم لیا بمقابلہ معاشرے کی خیر وبھلائی کے اجتماعی تصور کے۔ اسی دوران دو عظیم جنگوں کی وجہ سے مغربی ممالک ایسے مسائل سے دوچار ہوئے جن کی وجہ سے لاکھوں افراد لقمہ اجل بن گئے اور قریباً اسی تعداد میں بیمار، معذور اور ذہنی مریضوں کے مسئلے نے جنم لیا۔

اس نہایت خطرناک صورت حال سے نبرد آزما ہونے کے لیے یورپین خواتین کو گاؤں/قصبوں میں اپنے گھروں کو چھوڑ کر شہروں کا رخ کرنا پڑا جہاں صنعتی کارخانے قائم تھے۔ صنعت کار نے نہ صرف ایسی خواتین سے زیادہ کام کے عوض کم معاوضہ دینا شروع کیا

بلکہ ان کی عزت وعصمت سے بھی کھیلنا شروع کر دیا۔ مزید براں، ایسے حالات میں جبکہ کوئی ایک دوسرے کو جانتا بھی نہیں تھا، عورتوں کے لیے شہروں میں تنہا رہنا دوبھر ہو گیا۔ مرد وزن کے باہمی اختلاط کی وجہ سے اپنی جنسی جبلت کی تسکین کے لیے ہر دو اصناف مجبور ہو گئے۔ اور یوں خاندانی نظام کی بنیادیں کمزور سے کمزور تر ہونی شروع ہو گئیں۔ عیسائیت میں نکاح ثانی اور نکاح بیوگان کی سخت ممانعت نے اس آگ پر تیل کا کام دکھایا اور یورپ اخلاق باختگی کے ایک ایسے طوفان کی لپیٹ میں آ گیا جس کے کڑوے اور کسیلے پھلوں (طلاق کی شرح میں اضافہ، بن بیاہی ماؤں کا وجود، ناجائز بچوں کی بھر مار) اور حالیہ دور میں ایڈز جیسے مرض میں مبتلا ہو جانا ہے جس کا کوئی علاج بھی ابھی تک دریافت نہیں ہو سکا۔

درج بالا مسائل کی وجہ سے یورپ کے طبقہ نسواں میں ایک فطری ردعمل پیدا ہوا۔ جیرمی بینتھن (Jermey Banthan, 1781)، مارکوئیس کنڈوسل (Marqais Conducel 1790)، میری وولسٹن کرافٹ (Mary Wolstionecraft, 1792) جیسی اہل علم نے خواتین کے لیے مردوں کے برابر حقوق (تعلیم، ملازمت، اور سیاست) کا مطالبہ کیا۔ یہ امر باعث دلچسپ ہوگا کہ افلاطون نے (۴۲۱ قبل مسیح) میں خواتین کے لیے مساوی حقوق کا نعرہ بلند کیا۔ اسی طرح سترہویں صدی عیسوی میں ایک مشہور حامئ حقوق نسواں مارگریٹ کوینڈش (Margret Covendish) جو انگلستان میں نیوکاسل اپان ٹائین کی شہزادی تھیں، نے بھی خواتین کی آزادی کی بات کی تھی۔

بتدریج یہ آواز بلند ہوتی ہی گئی اور اس میں مزید مطالبات بھی شامل کر دیئے گئے۔ آٹھ مارچ ۱۹۰۷ء کو سینکڑوں خواتین نے جو کپڑے تیار کرنے کے کارخانے میں کام کرتی تھیں مناسب معاوضے کا مطالبہ کیا۔ پولیس نے حسب روایت اس مسئلے کو صحیح انداز سے نہیں دیکھا اور سخت مار پیٹ کا مظاہرہ کیا۔ اگلے سال ۱۹۰۸ء اسی تاریخ کو خواتین نے دوبارہ مظاہرہ کیا کہ انہیں ووٹ کا حق بھی دیا جائے اور بچوں سے محنت نہ لی جائے۔ پولیس نے اس مرتبہ بھی بہت سختی کے ساتھ اس معاملے کو نبٹانے کی کوشش میں متعدد خواتین کو سڑکوں پر

گھسیٹا اور جیل میں بند کر دیا۔

خواتین کے لیے جمہوری حقوق اور دیگر حقوق کی بازیابی کے لیے انقلاب فرانس نے ایک بہت اہم کردار ادا کیا۔ ۱۷۸۹ء میں فرانسیسی عورتوں نے اپنے حقوق کے لیے ایک بہت بڑا مظاہرہ کیا۔

O___ مارچ ۱۸۵۷ء میں امریکن عورتوں نے بھی اپنے حقوق کیلئے آواز بلند کی۔

O___ ۱۸۶۶ء میں فرسٹ انٹرنیشنل کانگرس کا قیام عمل میں آیا جس نے عورتوں کے لیے تمام پروفیشنل سروسز میں برابر حقوق کا مطالبہ کیا۔ ۱۸۹۹ء میں خواتین نے بڑے پیمانے پر نیدرلینڈ میں مظاہرہ کیا۔ چونکہ ان دنوں یورپ میں جنگ عظیم کے بادل چھائے ہوئے تھے، خواتین نے اپنے مطالبات پیش کرنے سے احتراز کیا۔

O___ ۸ مارچ ۱۹۰۷ء اور ۱۹۰۸ء میں نیویارک میں ایک بہت بڑا مظاہرہ کیا گیا۔

O___ ۱۹۱۰ء میں سترہ ممالک کی ایک سو خواتین نے کوپن ہیگن میں سوشلسٹ انٹرنیشنل کے تحت جلسہ کیا اور فیصلہ کیا کہ ایسی میٹنگز ہر سال منعقد کی جاتی رہیں گی۔ اس فیصلے کے نتیجے کے طور پر مرد و زن کا مشترکہ ایک ملین مارچ ۱۹۱۱ء میں آسٹریا، ڈنمارک میں نکالا گیا۔

O___ اسی طرح کا ایک احتجاجی جلوس بیس لاکھ افراد پر مشتمل روس میں بھی ۱۹۱۶ء میں نکالا گیا اور حکومت نے خواتین کے حق ووٹ کے مطالبے کو تسلیم کر لیا۔ انقلاب فرانس کے بعد خواتین کے لیے یہ بہت بڑی کامیابی کی نوید تھی۔

O___ لنین کی سرکردگی میں کمیونسٹ حکومت نے متعدد اصلاحی اقدامات کیے تاکہ کارخانوں میں کام کرنے والی خواتین کو سہولتیں فراہم کی جاسکیں۔ ان میں اوقات کار میں کمی، سالانہ چھٹیاں، پنشن کے فوائد، صحت کے لیے ہسپتال اور کارخانے میں آرام کے لیے علیحدہ جگہوں کی فراہمی اہم اقدامات ہیں۔ مزید براں ۱۴ سال سے کم عمر کے بچوں بالخصوص لڑکیوں کے لیے کام کرنے پر پابندی لگائی۔ اس طرح حاملہ عورتوں کے لیے بہت سی مراعات بمعہ تنخواہ کا اعلان کیا گیا۔

O___ جنگ عظیم اول کے بعد لیگ آف نیشنز کا قیام ۱۹۲۰ء عمل میں آیا تا کہ دنیا میں امن قائم کیا جاسکے تاہم علامہ اقبالؒ نے استعماری طاقتوں کی باہمی آویزش اور رویے کے پیش نظر یہ پیش گوئی کی:

من ازیں بیش ندانم کہ کفن دزداں چند
بہر تقسیم قبور ، انجمنے ساختہ اند!

استعماری قوتوں کی باہمی مسابقت کی وجہ سے ۱۹۳۹ء میں دوسری جنگ عظیم کا آغاز ہوگیا جو ۱۹۴۵ء تک جاری رہی۔ اس جنگ کی تباہ کاریوں نے استعماری طاقتوں کو اس قدر کمزور کردیا کہ ان کے لیے اب مقبوضہ ممالک پر اپنی گرفت رکھنی ناممکن نظر آنے لگی۔ کہ ان ممالک میں آزادی کے متوالے بھی جاگ گئے تھے یوں بہت سے ممالک کو استعمار کے پنجوں سے نجات حاصل ہونی شروع ہوئی۔

علامہ اقبال نے اپنے درج بالا شعری تبصرے کے بعد یہ پیش گوئی بھی کی تھی کہ کلیسا کے مجاور لیگ آف نیشنز کی موت کے منتظر ہیں۔ جلد ہی ایسا ہوگیا کہ ۱۹۴۲ء میں ایک تنظیم عالمی ادارہ اقوام متحدہ (United Nations Organization) کے نام سے معرض وجود میں آیا۔ اگرچہ اس ادارے سے بھی بہت توقع وابستہ نہ کی جاسکتی تھیں اور مستقبل میں ایسا ہی ہوا کہ عالمی امن کے قیام اور استعماری طاقتوں کی کھینچا تانی نیز یہود و نصاریٰ کی مذہبی عصبیت کی بناء پر یہ ادارہ اب تک دنیا کو کسی بھی امن و آشتی سے آشنا کرنے میں کامیاب نہیں ہوا۔ ۱۹۵۷ء میں چین نے عالمی پیمانے پر خواتین ڈے منانے کا اعلان کیا۔ ۱۹۷۷ء میں یو این او نے بھی ہر سال ۸ مارچ کو عالمی پیمانے پر یوم خواتین منانے کا اعلان کیا۔ اسی دوران مختلف اہل علم خواتین بالخصوص میری وولسٹن کرافٹ (Mary Wolstione Craft) کے قدیم مطالبے جو ۱۷۹۲ء میں ہوا تھا، کے پیش نظر کہ خواتین کو مردوں کے شانہ بشانہ تمام امور (تعلیم، معاشرتی، سیاسی، قانونی، کام کاج) میں شریک کیا جائے، یہ مطالبات نہ صرف دوبارہ تازہ ہوئے بلکہ ان نظریات نے یورپ اور امریکہ میں

بہت زیادہ پذیرائی حاصل کی۔ یہاں اس دلچسپ امر کو جاننا بہت ضروری ہے کہ امریکی خواتین کو رائے دہی کے حق (حق ووٹ) سے بھی پہلے ایک سو سال قبل تعلیم کا حق حاصل ہوا۔ اس طرح تعلیم یافتہ خواتین کی ایک بڑی کھیپ جنہوں نے یک صنفی سکولوں (Single Sex Schools) سے تعلیم حاصل کی تھی، میدان عمل میں آ گئی۔ ◆ انیسویں صدی عیسوی میں The Seven Sisters سکولوں نے اس تحریک کو عوامی بنانے میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ سکولوں کی تعلیم یافتہ نوجوان لڑکیوں نے عورتوں کی بیداری میں نمایاں طور پر حصہ لیا۔ یوں خواتین کی ایک بڑی تعداد کو دفاتر، صنعتی اداروں وغیرہ میں کام کاج کی سہولت انیسویں صدی کے اوائل ہی میں حاصل ہوگئی۔ تاہم ۱۸۴۸ء میں امریکہ میں نیویارک کے قریب (سینکا فال Seneca Fall) کے مقام پر ایک قومی کنونشن منعقد ہوئی جس میں خواتین کے مطالبات کا دوبارہ اعادہ کیا گیا اور یہاں اعلان جذبات (Declarationof Sentiments) پر مبنی ایک لائحہ عمل پاس کیا گیا جو بعد ازاں مستقبل میں کی جانے والی تمام کوششوں کے لیے ایک راہ نما اصول کی حیثیت سے ہمیشہ پیش نظر رکھا گیا۔

درج بالا لائحہ عمل کے تحت، خواتین نے مختلف شہروں ملکوں میں خواتین کے مظاہروں اور کنونشنوں کے ذریعے اپنے مطالبات کے حق میں کوششیں جاری رکھیں اور یوں وہ درج ذیل مطالبات کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئیں۔

O___ امریکہ میں حق رائے دہی ۱۹۲۰ء میں، برطانیہ میں ۱۹۱۸ء، سوئٹزرلینڈ نے ۱۹۱۷ء، فرانس نے ۱۹۴۶ء تاہم یو این او نے ان مطالبات کو ۱۹۵۲ء میں اختیار کیا۔

O___ خواتین کو ذاتی ملکیت رکھنے کا حق حاصل ہوا۔

O___ خواتین کو بلا کسی صنفی تعصب کے مردوں کے برابر حقوق حاصل ہو گئے۔

◆ کاش اس حقیقت کا ادراک ہمارے سیاست دانوں، بیوروکریسی اور نام نہاد روشن خیال طبقے کو بھی ہو جائے کہ دنیا میں ترقی کا راز مخالف صنفوں کے اختلاط میں نہیں بلکہ علیحدہ علیحدہ تعلیم دینے سے ہے اور یہ تصور اب امریکہ میں بھی دوبارہ تقویت پکڑ رہا ہے۔

O___ بالآخر یورپی خواتین کو اپنے شوہروں کو طلاق دینے کا حق بھی حاصل ہو گیا۔ اور ۱۹۷۰ء میں انہوں نے ذاتی طور پر اسقاط حمل کی اجازت بھی حاصل کر لی۔

O___ یو این او نے خواتین کے حقوق کی تیاری کے لیے ایک کمشن قائم کیا۔ اس کمشن نے ۳۰ سال تک کام کیا اور یہ کام مختلف اوقات میں درج ذیل متعدد میٹنگز کے نتیجے میں ہوا۔

O___ ۱۹۷۵ء میں میکسیکو میں خواتین کی پہلی عالمی کانفرنس کا انعقاد ہوا۔

O___ ۱۹۸۶ء میں نیروبی میں دوسری عالمی خواتین کانفرنس منعقد ہوئی۔

O___ ۱۹۹۰ء میں کوپن ہیگن میں تیسری عالمی خواتین کانفرنس ہوئی۔

O___ ۱۹۹۴ء میں قاہرہ (مصر میں) بہبود آبادی(Population welfare) کے نام سے کانفرنس کا انعقاد ہوا جس میں مسلم ممالک میں بے حیائی اور جنسی آزادی کے لیے ''کنڈوم کلچر'' کو فروغ دینے کی سفارشات منظور کی گئیں۔

O___ ۱۹۹۵ء میں بالآخر بیجنگ میں ایک کانفرنس یو این او کے تحت منعقد ہوئی۔ اس کا ایجنڈا سیڈا (CEDA) کی سفارشات کو پیش نظر رکھتے ہوئے تیار کیا گیا تھا اس کانفرنس میں تمام دنیا سے ۵۰ ہزار مرد و خواتین نے شرکت کی جن کا تعلق دنیا کے دو سو ممالک سے تھا۔ ان پچاس ہزار شرکاء میں تیس ہزار کا تعلق ان ممالک سے تھا جنہوں نے درج بالا تنظیم سیڈا کی سفارشات کو تسلیم کر لیا تھا جبکہ بیس ہزار شرکاء کا تعلق نام نہاد غیر سرکاری تنظیموں (NGO's) سے تھا۔ اس کانفرنس نے ایک ڈاکومنٹ تیار کیا جو ''بیجنگ ڈرافٹ'' کے نام سے موسوم ہے اور یہ 101 صفحات پر مشتمل ہے۔

درج بالا ڈرافٹ کو سیڈا CEDA-Convention of UNO on the elimination of all kinds of discramination against women) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس ڈاکومنٹ کو یو این او کی جنرل اسمبلی نے دسمبر ۱۸، ۱۹۷۹ء کو منظور کیا۔ ۱۹۸۱ء میں عالمی ادارہ سے منسلک بیس ممالک نے اسے قبول

کیا جبکہ اس ادارے کی دسویں سالگرہ پر مزید ایک سو ممالک نے اس کی قبولیت کے لیے اتفاق کیا جس میں دس مسلمان ملک بھی شامل تھے۔ اس ڈرافٹ میں کل ۳۰ شقیں ہیں جس میں سے سولہ ان ممالک کے منظور شدہ مسودات ہیں جنہوں نے سیڈا کانفرنس کی سفارشات قبول کی ہیں جبکہ چودہ شقیں اس ایکشن کمیٹی کے دائرہ اختیار سے متعلق ہیں جو ان تمام سفارشات پر عمل درآمد کرانے کی ذمہ دار ہے جنہیں اقوام متحدہ کے ممالک نے منظور کیا ہے۔ اس ضمن میں درج ذیل اختیارات انتہائی غور وفکر کے حامل ہیں ۔جس پر بالخصوص ہمارے مذہبی اہل علم اور پروفیسر صاحبان کو خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ

تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں!

(i) زندگی کے اہم پہلوؤں میں صنفِ نازک سے کسی قسم کا امتیازی سلوک روا نہیں رکھا جا سکتا۔

(ii) ہر دو اصناف کے درمیان زندگی کے تمام پہلوؤں میں مساوات اور شراکت ضروری ہے۔ کمیشن نے تمام ممالک کو، جنہوں نے اس معاہدے پر دستخط کیے ہیں، ہدایت کی ہے کہ وہ اپنے ممالک میں تعلیم، سیاست، روزگار، معاشی، اخلاقی اور سماجی کے تمام شعبوں میں دونوں اصناف کے درمیان ہر قسم کے امتیاز کو ختم کرنے کے لیے قانون سازی کریں گے۔

(iii) کمیشن نے **اس امر کو برملا تسلیم کیا کہ ہر دو اصناف کے درمیان کسی قسم کا کوئی فطری امتیاز نہیں اور اس کے تحت انہوں نے خواتین کے بحیثیت ماں، بیوی، بیٹی اور بہن کے علیحدہ کردار کی نفی اور تردید کی۔**

(iv) خواتین کے لیے تمام قانونی / دستوری اداروں میں ۵۰ فی صد نمائندگی اور روزگار کی ضمانت کا حکم دیا گیا۔

(v) معاشرتی زندگی میں ہر دو اصناف کو مساوی قرار دینے کے لیے مناسب تبدیلیاں لانا

ضروری قرار دیا گیا۔

(vi) خواتین کے لیے بچوں کی پیدائش کو ان کے ذاتی حق کے طور پر تسلیم کیا گیا کہ اگر وہ ایسا نہ کرنا چاہیں تو انہیں قانوناً، مذہباً یا سماجی طور پر کسی وقت بھی مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

عورتوں کو اسقاطِ حمل کرانے کی اجازت۔

(vii) ہم جنس پرستی کا قانونی استحقاق

(viii) اسی طرح **قحبہ گری کو بھی قوانین کے تحت جائز عمل قرار دیا گیا اور ایسے تمام مرد/عورتوں کے لیے مہذب اصطلاح جنسی کارکن (Sex worker) کا استعمال تاکہ معاشرے میں انہیں عزت کا مقام حاصل ہو۔**

(ix) **شادی/ نکاح کے ادارے کی حوصلہ شکنی کرنا۔**

(x) مذہبی انتہا پسندی (Fundamentalism) کی مذمت اور **مذہب بطور ایک ادارے کی تردید و ممانعت۔**

درج بالا نہایت مختصر معلومات سے یہ اندازہ کرنا چنداں مشکل نہیں کہ سیڈا کے ادارے نے اقوام متحدہ کے تحت، خواتین کے سب سے بڑے اجتماع کو کامیاب بنانے میں ایک نمایاں کردار ادا کیا۔ مردوں کی برتری کے موقف کو رد کرتے ہوئے صنف نازک نے دراصل انسانی خاندانی نظام کی جڑوں پر ہی تیشہ چلا دیا ہے۔ **ہم اپنی اس رائے کے اظہار میں کسی جھجک کو روا نہیں رکھنا چاہتے کہ اس قسم کی بیشتر خواتین وہ ہیں جنہیں عائلی زندگی کا خوشگوار تجربہ نہیں ہوا اور وہ اس نفسیاتی اور روحانی تجربے سے آگاہ نہیں ہو سکیں جو ایک خوشگوار خاندانی زندگی زندگی کا ضروری لوازمہ ہے۔**

چند اہم نتائج اور مضمرات:

O___ درج بالا سطور کے مطالعے سے بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مغرب اور

استعماری طاقتیں اپنا صدیوں پرانا مقصد یعنی امت مسلمہ کے خاندانی نظام کو تلپٹ کرنا سیڈا سفارشات کے ذریعے حاصل کرنے میں بہت حد تک کامیاب ہوگئی ہیں۔

O____ وہ ایک طویل عرصے سے اس قسم کی سرگرمیوں میں بتدریج ایک خاص طریقے سے حاصل کرنے کے لیے کوشاں تھیں۔ مغربی استعمار کا یہ طریقہ ہے کہ وہ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے ایک بہت طویل طریق کار طے کرتا ہے اور یہاں ہم دیکھ سکتے ہیں کہ صنف اناث جو ہزاروں سال سے نہایت حقیر اور پسماندگی کی حالت میں زندگی گزارنے پر مجبور تھا، مغرب نے کس طریق پر عورتوں کی آزادی، کے نام نہاد نعرے سے انہیں فریب میں مبتلا کیا۔ خواتین کے لیے مغربی صنعت کار اور نام نہاد مذہبی لیڈروں کے عقائد سے نجات حاصل کرنے کے لیے مناسب معاوضہ اور اوقات کار کے نعرے سے بیجنگ کانفرنس کے اعلامیے (ایکشن پلان) کو جنم دیا۔ اقوام متحدہ کے ادارے کے تحت بشمول متعدد مسلم ممالک وہ مسلم امت کو جنسی انارکی اور اخلاق باختگی کے مختلف طریقوں سے رام کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ یہ امر ہمارے لیے باعث خوشی ہے کہ کیتھولک چرچ اور ان کے مذہبی سربراہ پوپِ اعظم نے ان تمام سفارشات کو غیر مذہبی اور غیر اخلاقی کہا ہے۔ اسی طرح متعدد مسلم خواتین جن کا تعلق ایران اور سوڈان سے تھا نے بھی جنسی انارکی کے اس معاہدے کی سخت مخالفت کی تاہم یہ ایک بہت تشویش ناک صورت حال ہے کہ **پاکستان کی وزیراعظم بینظیر بھٹو نے نہ صرف اس معاہدے پر دستخط کیے بلکہ استعمار نے مسلم ممالک میں پھوٹ ڈالنے کے لیے اس کانفرنس کے لیے بطور چیئر پرسن انہیں منتخب کیا** اور یوں چند مسلم ممالک کے خواتین وفود کی سفارشات کو درخور اعتنا نہ سمجھا گیا۔ اغیار کا تو کیا کہنا یہاں تو اپنے بھی ان دوررس نتائج وعواقب کا اندازہ نہ کر سکے جس طرح امت مسلمہ کی جکڑ بندی کا پلان بنایا گیا ہے کہ کس طرح امت مسلمہ کی آنیوالے نسلوں کو جنسی انارکی اور اخلاق باختگی کے ایک ایسے سونامی کی نذر کر دیا گیا جس کی تباہ کاریوں نے مغربی ممالک میں خاندانی نظام کو بنیادوں سے اکھاڑ کر رکھ دیا____ یہاں

ہم اپنے قارئین کو ایک مسلم ماہر نفسیات کی اس رائے سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں کہ:

''مغرب میں گزشتہ سو سالوں میں اخلاقی باختگی کے جس طوفان نے تباہ کاری کی تھی، پاکستان میں وہ نتائج گزشتہ صرف دو دہائیوں میں رونما ہو گئے ہیں۔''

انہوں نے مزید آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ ''پاکستان میں میڈیا کے غیر اخلاقی اور مادر پدر رویے کی بناء پر نوجوان نسل تباہ ہو کر رہ جائے گی۔ اگر اس صورت حال کو کچھ عرصے تک مزید جاری رکھا گیا تو مستقبل میں اس ملک میں کسی باعفت و عصمت لڑکی کا ملنا ایک امر محال ہو جائے گا۔''

انہوں نے مزید کہا کہ ''معاشی حالات سے مجبور ہو کر کنواری لڑکیاں گھروں سے باہر دفاتر، دکانوں اور مختلف اداروں میں کام کرنے پر مجبور ہو رہی ہیں (جو اکثر و بیشتر مغرب اور بھارت کی تہذیبی رثقافتی نقالی میں بھی کیا جا رہا ہے) ان حالات میں انہیں مردوں کے ساتھ مل کر ایک جگہ کام بھی کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح نوے فی صد لڑکیاں مختلف اخلاقی سکینڈلز کا شکار ہو جاتی ہیں جس میں طویل عرصے تک شادی کا نہ ہونا، جہیز کے مطالبات، طلاقوں کی بھر مار چند ایسے گھمبیر مسائل ہیں جن کی وجہ سے وطن عزیز میں خاندانی نظام کی بنیادیں روز بروز کمزور تر ہوتی چلی جا رہی ہیں۔''____ یہ امر کسی حد تک باعث اطمینان ہے کہ اس ملک کے متعدد دانشور حضرات اور خواتین نے حالیہ دنوں میں جنسی انحطاط کے اس طوفان کی جانب توجہ دلانے کی کوشش کی ہے (غلام اکبر خان ۲۰۱۱ء، لیفٹیننٹ جنرل (ر) عبدالقیوم ۲۰۱۲ء، انصار عباسی ۲۰۱۲ء) تاہم ہم نہایت ایمانداری سے یہ سمجھتے ہیں کہ وطن عزیز کے بیشتر مذہبی راہ نماؤں کو اس خطرے کا ادراک اور فہم نہیں کہ سیڈا کی سفارشات کو ملکی سطح پر مان لینے کے کیا دور رس اثرات اور مضمرات ہیں اور جن کی وجہ سے نسل نو کو مستقبل میں کن حالات کا سامنا کرنا پڑے گا؟

درج بالا سطور میں ہم نے جو معروضات پیش کی ہیں اور بالخصوص اپنے ملک کے مذہبی راہنماؤں نیز اس پڑھے لکھے مرد خواتین سے جو ایک اپیل کی ہے، ہم چاہتے ہیں کہ

اس موضوع پر بھی چند مزید گزارشات کی جانب ان کی توجہ مبذول کرائیں۔

ضمیمہ ش کے مندرجات سے یہ امر واضح ہوگیا ہوگا کہ مغرب میں خواتین کو عزت و احترام کے مقام و مرتبہ سے یہود اور نصاریٰ کے نام نہاد مذہبی لیڈروں نے تورات اور انجیل کی تعلیمات میں من مانی تبدیلیوں اور اپنے ذاتی کمزوریوں، خودساختہ عقائد کی بناء پر کیا تھا جس پر جلتی پر تیل کا کام اس صنعت کار اور زمینوں پر قابض لارڈز (ہمارے ملک کے چوہدری، خوانین، سردار اور وڈیرے وغیرہ) نے ہی کیا۔ اس کے خلاف جس ردعمل کا آغاز تین صدیاں قبل ہوا تھا وہ بالآخر ہزاروں قربانیوں کے نتیجے میں سیڈا سفارشات کی مہیب ترین شکل میں ہمارے سامنے ہے۔

مغربی عورت کو اس تمام تر جدوجہد اور تگ و دو کرنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی تھی کہ ان کے پاس کوئی الہامی ہدایت موجود نہ تھی لیکن امت مسلمہ کی خواتین کا تو حال اس سے یکسر مختلف ہے۔ ہمارے پاس تو اللہ کی کتاب (قرآن) اور اسوۂ رسول کی صورت میں زندگی کے تمام پہلوؤں بشمول عائلی / خاندانی زندگی گزارنے کے تمام تر اصول و ہدایات نہایت صحت اور اسناد کے ساتھ موجود ہیں۔ ◆ پھر ان چشمہ ہائے صافی کی موجودگی میں مغربی استعمار کے ایجنڈے کا اتباع کس لیے اور کیوں کر؟

یہ ایک سوال ہے جو ہمیں پریشان کر رہا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ امت مسلمہ پاکستان کے بیس بائیس کروڑ آبادی جس میں کم از کم آٹھ دس کروڑ خواتین (بشمول نوعمر / نابالغ بچیوں کے جو چند سال ہی میں بڑی بھی ہو جائیں گی) بھی ہیں۔ کیا ان میں سے صرف دس ہزار پڑھی لکھی، ہر قسم کی انفرادی، طبقاتی، فقہی، دیگر رسم و رواج سے ماورا، علاقائی و لسانی عصبیتوں سے پاک اور سیاسی ذہن سے بالاتر ایسی خواتین بھی نہیں جو ہر قسم کے درج بالا تعصّبات سے بلند ہو کر صرف اور صرف رضائے الٰہی اور سنت رسول کی خاطر، سب سے پہلے اپنی ذات پر اسلامی تعلیمات کو نافذ کریں اور پھر باہم مل کر ایک تنظیم / ہیئت اجتماعی کی

◆ دیکھئے کتاب ''آنحضرت ﷺ کی عائلی زندگی'' (۲۰۲۱)

شکل میں ان ہدایات وخوش خبریوں سے امت مسلمہ کی طبقہ نسواں کو بہرہ مند کرنے کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کو تیار ہو جائیں اور گھر گھر جا کر دینی تعلیمات کو عام کرنے کو حرز جاں بنالیں۔ یہاں ہم آج سے تین صدیاں قبل یورپ کی ان تمام خواتین کو ہدیۂ تبریک پیش کرنے میں کسی بخل کا مظاہرہ نہیں کریں گے جنہوں نے اپنے ذہن اور سوچ کے مطابق اس نام نہاد مذہبی ٹھیکیداروں اور معاشرے پر قابض متمول لوگوں کے خلاف نہ صرف علم بغاوت بلند کیا بلکہ اپنے عقائد وخیالات کو حاصل کرنے میں مار پیٹ، ظلم اور بے شمار تکالیف کا سامنا کیا اور بالآخر ایک طویل جدوجہد کے نتیجے کچھ حاصل کرلیا جس کے بعد بھی وہ اس آزادی اور مساوات کو حاصل نہ کر پائیں بلکہ مردوں کی بالادستی کو مزید مستحکم کردیا۔ وہاں تو مسئلہ الہامی ہدایات سے روگردانی یا عدم موجودگی کا تھا جبکہ اسلام نے طبقہ نسواں کو وہ حقوق ومراعات دی ہیں اور انہیں عزت واحترام کے ایسے مقام پر فائز کیا ہے جس کے عشرعشیر سے بھی کم تر حقوق ومراعات یورپ کی عورت کو کبھی بھی حاصل نہ ہوسکیں گے کہ وہ اس رحمت خداوندی اور الہامی ہدایات سے بے بہرہ اور تہی دست ہیں۔ ہمارا یہ تمام خطاب، معاشرے کی ان خواتین سے ہرگز ہرگز نہیں جنہوں نے اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے اصول، مغرب یا ہندووانہ تہذیب کی نقالی میں حاصل کیے ہیں اور وہ ان پر نہ صرف عمل پیرا ہیں بلکہ ان کی توسیع واشاعت کے لیے بھی کوشاں رہتی ہیں، ان کے برعکس، ہم اپنی ان نوجوان اور بالغ بیٹیوں سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ مغرب کے اس دام ہم رنگ زمین سے نہ صرف خود بچیں بلکہ اپنے طبقے کی غریب ونادار، تعلیم سے بے بہرہ اور دیہاتوں قصبوں، شہروں کے نہایت ناگفتہ حالات میں اپنی زندگیاں بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ مردوں کی جانب سے نہ صرف ان پر ظلم وستم روا رکھا جاتا ہے اور حکمران طبقہ اپنی خرمستیوں میں مصروف عمل اور جب منبر ومحراب سے بھی ان کی فریادرسی نہیں ہوتی تو پھر اپنے درد کا درماں تلاش کرنے کہاں جائیں اور کس سے شکوہ کریں؟ وقت کا تقاضہ ہے کہ ایسی خواتین اٹھیں اور تن من دھن کی بازی لگا کر امت مسلمہ کے طبقہ نسواں کو بالخصوص

اور انسانیت کو بالعموم اسلام کے حیات افروز پیغام سے روشناس کرائیں۔ دیکھئے مرقد اقبال سے کیا صدا آ رہی ہے:

معمار حرم باز بہ تعمیر جہاں خیز
از خواب گراں ، خواب گراں خوابِ گراں خیز!

اردو حوالہ جات

ابوالاعلیٰ مودودیؒ سید (1976) حقوق الزوجین۔ اسلامک پبلی کیشنز لاہور

ابوالاعلیٰ مودودیؒ سید (1992) تجدید و احیائے دین۔ اسلامک پبلی کیشنز لاہور

ابوالاعلیٰ مودودیؒ سید (1982) تعلیمات۔ اسلامک پبلی کیشنز لاہور

ابوالاعلیٰ مودودیؒ سید (1998) پردہ۔ اسلامک پبلی کیشنز لاہور

ابوالاعلیٰ مودودیؒ سید (1997) تفہیمات، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور

ابوالاعلیٰ مودودیؒ سید (1999) الف، ب، ج، د، تفہیم القرآن۔ ادارہ ترجمان القرآن، لاہور

ابوانس اور ام انس 2021 آنحضرت ﷺ کی عائلی زندگی، ادبیات اردو بازار، لاہور

اسرار احمد 1984 اسلام میں عورت کا مقام، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور

انصار عباسی 2012 ہماری غلامانہ ذہنیت اور بے حیائی، ماہانہ عالمی ترجمان القرآن، جلد دوم، عدد 7

امین احسن اصلاحی 1969 پاکستانی عورت دوراہے پر

امّ کلثوم (ڈاکٹر) (2000) بچوں کی تربیت اسلامی نقطہ نظر سے، دعوۃ اکیڈمی۔ عالمی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

احمد شلبی 1954، 1964 تاریخ تعلیم امت مسلمہ۔ پی ایچ ڈی مقالہ کیمبرج یونیورسٹی برطانیہ

ثریا بتول علوی (2000) جدید تحریک نسواں اور اسلام۔ منشورات، لاہور

ثروت جمال اصمعی (2006) امریکن فوج میں عورتوں کے مسائل، روزنامہ نوائے وقت جون 30 راولپنڈی

جلال الدین عمری (2008) مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ، اسلامی ریسرچ اکیڈمی، کراچی

جویریہ شجاع (ڈاکٹر) کلیسا میں اذان۔ نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف کشمیر سٹڈیز (فکس) میر پور آزاد جموں و کشمیر

حمید اللہ بیگ (ڈاکٹر) (1992) خطباتِ بہاولپور، اسلامک انٹرنیشنل یونیورسٹی اسلام آباد

خالد رحمن/سلیم منصور خالد (2007) خواتین: معاشی اختیار اور تعلیم: امکانات اور حکمت عملی مقالہ ڈاکٹر شگفتہ نقوی، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز اسلام آباد

ریاض اختر (2017) عورت کہانی (داستانِ عروج و زوال) بدلتی دنیا پبلیکیشنز، اسلام آباد

ریاض اختر (2018) انساء فی القرآن۔قرآن کریم میں خواتین کا ذکر۔کلاسیک لاہور

سمیعہ سالم (2003) جدیدیت کی لہر اور اس کے مضمرات

سید نذیر نیازی (1988) دانائے راز......سوانح حکیم الامت علامہ اقبال، اقبال اکیڈیمی پاکستان، لاہور

شیخ مصطفیٰ حسن السباعی اسلامی میں سنت و حدیث کا مقام جلد دوم مترجم ڈاکٹر مولانا احمد حسن ٹونکی۔شعبۂ تصنیف و تالیف، مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی

صفی الرحمٰن مبارکپوری (مولانا) (1995) الرحیق المختوم۔المکتبۃ السّلفیہ، لاہور

طالب ہاشمی (1998) تذکارِ صحابیات، البدر پبلیکیشنز، لاہور

عائشہ مسعود (2008) تحریک پاکستان کی نامور خواتین، روزنامہ نوائے وقت راولپنڈی 23، 24 مارچ

عبدالقیوم (لیفٹیننٹ جنرل ریٹائرڈ) 2012 مومن کا زیور ''حیا'' روزنامہ نوائے وقت، راولپنڈی 11 مئی

عبدالحلیم شقہ (1978) عورت، عہد رسالت میں۔ اسلامی نظریاتی کونسل حکومت

پاکستان، اسلام آباد
عبدالقادر جیلانی (2000) پیغمبر اسلام ﷺ اور مستشرقین، پی ایچ ڈی مقالہ، کراچی یونیورسٹی کراچی
غلام اکبر خان (2011) حملہ ہو چکا ہے روز نامہ نوائے وقت راولپنڈی 3 جنوری
قاضی سلیمان منصور پوری (2006) سیرت رحمۃ للعالمین ﷺ
لورین باؤتھ (2011) قبولِ اسلام کا سفر، عالمی ترجمان القرآن فروری
محمد اقبال (ڈاکٹر) (1995) کلیاتِ اقبال سروسز کلب شیخ غلام علی سنز، لاہور
محمد اقبال (ڈاکٹر) (1972) اسرار و رموز، رموزِ بے خودی، شیخ غلام علی سنز، لاہور
محمد اقبال (ڈاکٹر) (1958) تشکیل جدید اسعد میر مترجم نذیر نیازی، بزم اقبال، لاہور
محمد سلیم (پروفیسر) (2001) مسلمان خواتین کی دینی و علمی خدمات۔ زوار پبلی کیشنز کراچی
محمد احمد خان (1978) اقبال اور مسئلہ تعلیم، اقبال اکیڈمی پاکستان لاہور
محمد ریاض (ڈاکٹر) مطالعہ جاوید نامہ کی روشنی میں تعلیماتِ اقبال۔ آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگرس، لاہور
محمد مظہر الدین صدیقی 1965 اسلام میں حیثیت نسواں، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور
محمد آفتاب (ڈاکٹر) (2018) دیں ہمہ اوست، ادارہ مطبوعات سلیمانی، لاہور
محمد آفتاب خان (ڈاکٹر) 2012 علم تفسیر و حدیث کا ارتقاء، گذشتہ چودہ صدیوں میں۔ اور عبدالحکیم اکبری (ڈاکٹر) ادبیات لاہور
محمود غازی (ڈاکٹر) (2011) محاضرات حدیث، الفیصل لاہور، پاکستان
نعیم صدیقی (1978) محسن انسانیت، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور
نعیم صدیقی (1993) عورت معرضِ کشمکش میں، ادارہ معارف اسلامی لاہور

References

Abdullah Yousaf Ali (1946) Holy Quran (English Translation with Commentary) Hafinar Publishing company Canbridge, UK.

Akbar, S. Ahmed (1987) Discovering Islam, Post Modernism & Islam. Rutledge, London.

Ameer Ali (1910) The Spirit of Islam W.H. Allan & Co. London.

Anis Ahmed (1996) Woman and Social Justice: An Islamic Paradigm. Institute of Policy Studies, Islamabad, Pakistan and Islamic Foundation Leicester, UK.

Anon (1974) Holy Bible. King james Version. Pilgrims Edition Oxford University Press, New York.

Anon (1987) Date Rape. Time, March 23rd

Anon (1993) The Macmilan Health Encyclopaedia

Anon (1998) Western Michigan University Calendar

Anon (1993) AFAQ Encyclopaedia

Anon (2006) Woman in the Quran. Information Kit-Quranic Interpretation by Women Meeting July 8-13, 1990, Karachi.

Ammina Wadud Mohsin (1999) Quran & Woman: Re-editing the sacred Text from a woman's Perspective Oxford University Press.

Arifa Farid (2006) Muslim Women in World Relegions Perspective (2nd Edition) Bureau of Composition, Compilation and Translation, University of Karachi, Pakistan

Asia Shabbir & (2020) Mohsina Munir Muslim Feminists and Re-Interpretationa of Quranic Commandment: Study of Objectives and Methodologies. Al-Qalam:Vol 25 : issu I: 136-167, Inst. of Islmic Studies, Uni.of Punjab, Lahore. (Pakistan)

Asma Barlas (2019) Believing Worman in Islam. Unreading Patriarchen Interpretation of the Quran. Austin Tx. Universty of Taxas Press.

Asma Aftab (2011) Gender Politics; Falsifying Reality. EMEL Publication, Islamabad Pakistan.

Badawi, JA (1980) The Status of Women in Islam. Sheikh Abdul Aziz, Al-Rijah Waqaf, Saudia Arabia.

Barbara Dafoe Whitehead (1994) The Failure of Sex Education. The Atlantic Monthly October 33.80

Berkovits, Eliezer (1990) Jewish Womenin in Time and Torah. Hoboken. Publishing House Inc. New jersey.

Bon Care Devaux Encyclopedia Britanica.

Bukhari SM Ayub (2003) Zainab: The Invincible. Translation by SM Ayub Bukhari of 'بانوئ قہرمان کربلا' by

Habeeb Chachian & Mehdi Ayat Ullah Zadeh, The Persian version of 'بطلۂ کربلا' by Dr. Aisha Abdul Rabman.

Belonick, Deborah (1983) Feminism in Christanity. The Orthodix Church in America, New York.

Chaudhry M. Sharif Woman's Rights in Islam. Sheikh M Ashraf Publisher Lahore, Pakistan.

Carol Meyers, (1988) Discovering Eve, Oxford University Press, UK.

Christien, B Whelan (1998) Singles (Sex Education class Room). National Review Inc. Allyn Bacon.

D, Oyem, F.M. (1996) The Mirecle of Life. A Guide on Islmic Family Life and Sex Education for Young People. The Islamic Foundation, Leister, UK.

Fatima Mernissi (1975) Beyond the Veil. Indianapolis, Indiana University Press, UK.

Fitzgerald, L. F;(1988) S. L. Shullman; N. Bailey, M.Richard; J. Swecker, & Y. Gold The incidence and dimensions of sexual harassment in academia and the workplace. Jour. of Vocational Behaviour (32:152-175)

Georgia Harkness (1972) Women in Church and Society. A bingdon Press, New York.

Greenwed M.D. (1963) Unusual Sex Practices (4th Printing) A General Corp, Holywood California, USA.

Goldberg, B.Z. (1930) The Sacred Fire. The Story of Sex in Religion. Horace Liverigat, New York.

Hammudah Abd-at-Ati (1997) The Family Structure in Islam. American Trust Publication Indiana, USA.

Hassan Turabi (2000) Emancipation of women in Islamic perspective. Muslim Information center London

Ioan Petrue Cullianu (1986)Sexual Rites in Europe. Encyclopedia of Religion Vol 13; 186-89 Macmillan Publishing Company New York.

Iqra Trust (1997) Faith and Sexuality: A Discussion Paper on Sex for Health and Community Workers from Faith Perspective. North West Lancashire, Health Promotion Unit, UK.

Jabal Muhammad Buban (1996) Image of the Prophet Muhammad in the West, A Study of Muir, Margoliogath and Wait. the Leicaster, UK.

Khan MA. (2014) Sex and Sexuality in Islam, 2nd Edition. Idara Mathbooat-i-Sulemani, Lahore, Pakistan.

Khan M.A, G.H. Rasool (2020) Sexuality Edu. from on Islamic S.A. Mabud and M. Ahsan perspection. Cambridge Schoolars Publishing U.K.

Khurshid Ahmed (1999) Family Life in Islam. Islamic Foundation Leicester, UK

Lesie Tarner, B (1970) Voices from Woman Liberation, New American Library, New York.

M. Abdul Rauf (1955) Marriage in Islam, A Manual. sixth printing. Al-Saadawi Publication, USA

Mansoori, M.T. (2006) Family Laws in Islam. Shariah Academy. International Islamic University, Islamabad.

Maryam Jameela (1984) Islam and Western Society. A Refutation to the Modern Ways of Life. 3rd Edition Muhammad Yousaf Khan, Publisher Lahore.

Marmaduke Pickthal (1987) The Glorious Quran (English Translation)

Mary Wollstonecraft (1792) A Vindication of Rights of Woman, Eds. D. L. Macdonald & Kathleen Scherf. Broadway Press, Toronto.

Margret Smith (1928) Rabia: The Mystic and Her Fellow Saints in Islam.

Michael J. Reiss & S.A. Mabud (1998) Sex Edu. and Religion. The Islamic Academy, UK.

Muhammad Ali Hashmi (2000) The Ideal Muslimah, International Islamic Publishing House (IPH), Riyadh (Saudia Arabia).

Nasr, S. Hussain (1969) Ideals & Realities of Islam.

Nuzhat Afza & Khurshid Ahmed (1982) The Position of Woman in Islam. Islamic Book Publisher, Safat, Kuwait.

M. Iqbal Ramooz-e-Bekhudi, Translation by J. Arberry (English translation of

"Mysterin of Selflessness"

Priesand, Sally Rabi (1975) Judaism and the New Woman, Bahrman House Inc. New York.

Rizvi S.S.S. /Riffat Hussain (1980) Family Life of Islam. World Organization for Islamic Service, Tahran, Iran.

Riffat Hassan (1999) Femenism in Islam & world Religions edited by Arvind Sharma & Kaltherine K. Young state University of New York Press.

Ruben Levy's (1962) The Social Structure of Islam. Cambridge University Press.

Saadia Aftab (2013) Pakistani woman in the Aspirating of Iqbal. M.Sc Thesis, AIOU Islamabad.

Shahid Athar (1992) Sex Education and Islamic Perspective. A Lecture at Ohio State University, USA

Schmitt, Roth (1994)

Shahla Haeri (1989) Law of Desired. Temporary Marriage in Shi't Iran. Syracuse University press Scarecrow, New Yourk.

Shulamith Firestone (1976) The Woman's Rights Movement in USA: A new View (Vide viocer for women's

Simpson, G. Marr (1936) Sex in Religion: An Historical Survey. George Allan and Unwin Limited, London

Simone De Beauvoir (1954) The Second Sex. Translated and Edited by H.M. Parshley, London.

Swiddler, Leonard (1976) Woman in Judaism. The Scarecro Press Inc. New Jersey.

Wage Well Durrant (1993) News Letter# Retrieved, August 2000

Wendy Kaminer (1998) The Troubble with Single Sex School. the Atlantic Monthly Vol 81 (4:22-36)

Yonma Ridaley (2000) In the House of Taliban; Her extra ordinary stroy.